UNIVERSAL
LIBRARY
OU_224714
UNIVERSAL
LIBRARY

DAMAGE BOOK

۷۸۶

جلد اول نمبر ۱

المعلم

ماہ شہریور سنہ ۱۳۳۳ ف

مطبوعہ

اعظم اسٹیم پریس چارمینار

حیدرآباد دکن

قواعد

(۱) یہ محض تعلیمی رسالہ ہے جس میں تعلیم کے مختلف شعبوں کے متعلق مضامین درج ہوں گے۔ سیاسی یا مذہبی مضامین شریک نہ کئے جائیں گے۔

(۲) یہ رسالہ ہر ماہ فصلی کے پہلے ہفتہ میں شایع ہوا کرے گا۔

(۳) پرچہ وصول نہ ہو تو ہر ماہ فصلی کی ۱۵ تاریخ تک خریدار صاحبان بحوالہ نمبر خریداری مطلع فرمائیں۔

(۴) جو مضامین ناقابل طبع متصور ہوں گے ان کی واپسی خرچہ ڈاک کی روانگی پر منحصر ہوگی۔

(۵) اس رسالہ کی قیمت سالانہ (۸) مع محصول ڈاک ہے جو پیشگی لیجائے گی۔

(۶) طبع اشتہارات کا تصفیہ بذریعہ خط و کتابت یا بالمشافہ طے ہوسکتا ہے۔

(۷) مراسلت ایڈیٹر المعلم سے پتہ ذیل پر ہونی چاہئے۔

ایڈیٹر

دفتر المعلم بلدہ حیدرآباد دکن

فہرست مضامین

جلد اوّل　　نمبر ۱

المعلم

(۱) بیان حال	ایڈیٹر	(۳ تا ۹)
(۲) تصورات و تخیلات اطفال	ایڈیٹر	(۹ تا ۱۴)
(۳) پیمایش ذہن	مولوی سراج الدین صاحب پروفیسر رنگ آباد کالج	(۱۵ تا ۲۰)
(۴) مصلحان تعلیم	مولوی بحامیر راضا صاحب معتمم تعلیمات بیجاپور گلبرگہ	(۲۰ تا ۲۵)
(۵) تبصرہ		(۳۶ تا ۳۸)
(۶) شذرات		(۲۹ تا ۳۲)

اطلاع

یہ پرچہ ہمیشہ ملکی کاغذ پر شایع ہوگا۔ افسوس کہ اس دفعہ اٹمپیریل کا
ملکی کاغذ کافی مقدار میں دستیاب نہ ہو سکا۔ اس لئے مجبوراً
ولایتی کاغذ استعمال کیا گیا۔ کوشش کیجائیگی کہ آئندہ
اس سے بہتر ملکی کاغذ استعمال کیا جائے۔ اور ٹائیٹل کا کاغذ
بھی ملکی ہو فقط

ایڈیٹر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم

بیانِ حال

یہ امر مسلم ہے کہ دنیا روز افزوں ترقی کر رہی ہے آئے دن علوم و فنون میں جدید تحقیقات اور انکشافات ہوتے ہیں۔ علیٰ ہذا تعلیم میں بھی مفید اور گراں بہا تغیر و تبدل بہ کثرت واقع ہو چکے اور ہو رہے ہیں۔ اس وقت تعلیم پر بحث مقصود نہیں ہے صرف اتنا لکھ دینا کافی ہوگا کہ اہل یورپ اور امریکہ نے اصول تعلیم میں بہت بڑا انقلاب پیدا کر دیا بہت سی اصلاحیں کر دیں اور قدیم خیالات تقویم پارینہ ہو گئے۔

تاریخ تعلیم کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یورپ میں مختلف اقوام کے ایسے نیک وجود گزرے ہیں جو صرف امور تعلیم کے لئے وقف ہو گئے تھے اور ملک و قوم کی تعلیمی حالت کی ترویج و ترقی پر اپنے قلم دماغ اور مال و دولت بلکہ اپنے ہستیوں کو قربان کر دیا اُن میں سے بعض تو ایسے گزرے ہیں کہ جن کی زندگی کے واقعات مرثیہ سے کم نہیں۔ دنیا نے ان کا ساتھ نہیں دیا۔ زمانہ مخالف رہا مصیبتیں سہیں آفتیں جھیلیں فقر و فاقہ گلوگیر رہا۔ لیکن ان فدائیان قوم کے قدم کو ذرا بھی لغزش

نہیں ہوئی یہ نہایت استقلال اور اطمینان کے ساتھ "اے قناعت تو انگبیم گردان" کہتے ہوئے اپنے کام میں مشغول رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تو جہاں سے چل بسے لیکن آج تک اُن کے کارنامے زندہ ہیں اور دُنیا اُن کی ریاضت کے ثمرہ سے مستفید ہو رہی ہے۔

افسوس ہماری قوم میں ہم کو ایک شخص بھی ایسا نظر نہیں آتا جس نے اس شعبہ میں کوئی کارنمایاں کیا ہو ایجاد و اختراع کا تو کیا ذکر اہل یورپ کے مفید اور نتیجہ خیز تجربوں کی خوش اسلوبی اور سلیقہ کے ساتھ تقلید بھی ہم کو نہ آئی۔

دو صدی قبل یورپ میں تعلیم کا مفہوم تقریباً وہی سمجھا جاتا تھا جو آج اکثر ممالک ایشیا میں ہے یعنی لکھنا پڑھنا حساب دوسرے الفاظ میں تعلیم بالکلیہ کتابی ہوا کرتی تھی اٹھارھویں صدی عیسوی میں ملک فرانس میں ایک شخص روسو نامی پیدا ہوا اور اس نے جہاں اپنے تحریروں اور تقریروں سے سیاسی اور مذہبی سمندر میں تلاطم عظیم پیدا کیا وہاں اصول تعلیم کی بھی بڑی کایا پلٹ کر دی اس نے اپنی تصانیف کے ذریعہ ثابت کر دیا کہ اہل ملک کو ملک کی جمہوریت کے اہل بنانے کا صرف ایک ہی ذریعہ ہو سکتا ہے یعنی اچھی تعلیم۔ پھر اس نے تعلیم کا مفہوم سمجھایا کہ تعلیم وہی صحیح اور نتیجہ خیز ہو سکتی ہے جو اصول فطرت کے موافق ہو اور جس میں بچوں کو مشاہدہ فطرت کا پورا موقعہ دیا جائے۔ روسو کے اس جدید اصول کا اہل یورپ نے بڑی مخالفت کے بعد خیر مقدم کیا اور روسو کے بعد کئی ہستیاں ایسی وجود میں آئیں جنہوں نے اپنے غور و فکر سے روسو کے ثابت کئے ہوئے قالب تعلیمی میں جان ڈالدی۔ جرمنی کے باشندے **فروبل** نے تعلیم کے عملی طریقے بتلا کر ثابت کر دیا کہ کم سن طلبہ کی تعلیم کا صرف ایک ہی صحیح اصول ہو سکتا ہے یعنی تعلیم مطابق فطرت جس میں کہ نونہالوں کو خدا کی عطا کی ہوئی تمام قوتوں کو آزادی کے ساتھ کام میں لانیکا موقع حاصل ہو۔ **فروبل** نے اپنے مرتبہ نصاب میں سوائے لکھنے پڑھنے اور حساب کے مشاہدہ فطرت۔ مطالعہ [illegible] ت ڈرائنگ اور دستی مشاغل شریک کئے اور سمجھایا کہ وہی وہ مضامین ہیں کہ جن کی [illegible] بچوں کو آزادی سے حواس خمسہ کو کام میں لا کر ذاتی تحقیق اور تجسس کے ذریعہ سے کسی نتیجہ

کو پہونچنے کا موقع حاصل ہوسکتا ہے اہل یورپ نے بتدریج ان اصول کو مان لیا اور ان کے مطابق تعلیم کا سلسلہ شروع کیا چنانچہ آج کل یورپ اور امریکہ میں ابتدائی تعلیم بالکلیہ اصول فطرت کے موافق دیجارہی ہے اور کوشش جاری ہے کہ حتی الامکان کمسن طلبہ کے لئے ابتدائی تعلیم برائے نام ہے

ہمارے ملک میں باضابطہ تعلیم کا سلسلہ تقریباً پچاس سال سے جاری ہے اور اس مدت میں تدریجاً تعلیمی حالت میں ترقی اور انقلابات ہوتے رہے۔ یورپ کے اصول و طریقہ تعلیم کے آفتاب کی چند مدہم شعاعیں ہمارے ملک پر بھی پڑیں اور باوجود بعد مسافت ہندوستان نے بھی اس کے پرتو سے فائدہ اٹھایا چنانچہ نصاب جدید اس کا شاہد ہے۔ جدید نصاب میں اس امر کی کوشش کی گئی کہ ابتدائی تعلیم بموجب فطرت ہو اور ایسے مضامین شریک کئے گئے ہیں جن کے حاصل کرنے میں طلبہ اپنے حواس خمسہ کو خوبی اور آزادی کے ساتھ استعمال کرسکتے ہیں۔ مثلاً ڈرائنگ نیچر اسٹڈی۔ دستی مشاغل وغیرہ لیکن سوال یہ ہے کہ ان مضامین کی تعلیم اطمینان بخش طور پر مدارس میں جاری ہے اور طلبہ اس سے مستفید ہو رہے ہیں یا نہیں؟ معائنہ مدارس اور متہم صاحبان اضلاع کے متعدد رپوٹوں کو دیکھنے سے سوال بالا کا جواب ہم کو نفی میں ملتا ہے اکثر مدارس تحتانیہ میں ڈرائنگ نیچر اسٹڈی دستی مشاغل کی تعلیم ہوتی ہی نہیں اور جن مدارس میں ہوتی ہے تو نہایت ناقص و برائے نام جس سے طلبہ کے تضیع اوقات کے سوائے اور کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔

اس خرابی کا پورا الزام اساتذہ پر عاید کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اساتذہ ان مضامین کے طریقہ تعلیم سے محض ناواقف ہیں اور ان مضامین کو پڑھانے کی اہلیت نہیں رکھتے اگر اساتذہ کی ناواقفی اور نااہلی تسلیم کرلی جائے اور موجودہ خرابی تعلیم کا ذمہ دار انہیں کو گردانا جائے تو کیا گروہ اساتذہ کو یہ سوال کرنے کا حق نہ ہوگا کہ صاحبو خدا نے تم کو زبان دی ہے اور قلم تمہارے ہاتھ میں ہے ہم کو نااہل کہو یا نالائق لکھو مگر یہ بتاؤ کہ ہم کو اہل اور لائق بنانے کے لئے کیا وسائل اور ذرائع پیدا کئے گئے اور کونسی سہولتیں ہم پہونچائی گئیں؟

گر دسر تو گشتن و مردن گناہ من　　دیدن ہلاک و رحم نکردن گناہ کیست
گیرم کہ وقت ذبح طپیدن گناہ من　　دانستہ و شتہ تیز نکردن گناہ کیست

بروئے انصاف یہ سوال بالکل درست ہے اور اس کا جواب مشکل نصاب میں جا بجا مضامین تو شریک کر دیے گئے لیکن مدرسین کو ان مضامین کی تعلیم دینے کے قابل بنانے کے ذرائع محدود ہے۔ مدرسین کی ٹریننگ کے حسب ذیل ذرائع ہو سکتے ہیں۔

(۱) نارمل اسکول۔ ..... (۲) تعلیمی تقریریں .....
(۳) کانفرنس اساتذہ ..... (۴) تعلیمی لٹریچر کا مطالعہ .....

(۱) ہمارے ملک میں اس وقت صرف تین نارمل اسکول ہیں جو مدرسین کے روز افزوں تعداد کی ٹریننگ کے لئے ناکافی ہیں اور سررشتہ تعلیمات کی موجودہ مالی حالت نارمل اسکولس کے اضافہ کا بار اٹھا سکتی ہے۔

(۲) اکثر مدارس تحتانیہ اضلاع کے ایسے دور دراز مقامات پر واقع ہیں کہ وہاں کسی لائق اور ماہر فن کا گذر ہی مشکل ہے جو اساتذہ کو اپنے علم و عمل تقریر اور تجربہ سے فائدہ پہنچائے۔ اگر مہتمم صاحبان تعلیمات ارادہ کریں کہ کسی مرکزی مقام پر اساتذہ کو جمع کر کے تقریریں کریں اور نمونہ کے سبق دیں تو پھر وہی مالی سوال پیش آتا ہے کہ سررشتہ مدرسین کے آمد و رفت کا کفیل نہیں ہو سکتا اور مدرسین کی کم استطاعتی ذاتی مصارف کی اجازت نہیں دیتی۔ پھر ذرائع آمد و رفت اس قدر محدود کہ مدرسین کا ایک مقام پر جمع ہونا آسان نہیں۔

(۳) بعض حضرات کے ذاتی شوق اور ان تھک کوششوں سے بعض اضلاع میں کانفرنس اساتذہ منعقد ہوئیں لیکن ابھی ان کا چرچا ملک میں عام نہیں۔

(۴) اب رہا تعلیمی لٹریچر تو اولاً اردو میں تعلیمی لٹریچر کافی طور پر موجود ہی نہیں ہے اور ہے بھی تو دیہات کے مدرسین تک پہونچنا مشکل ہے۔ شمالی ہند کے بعض حصص سے تعلیمی اخبار اور رسالے شایع ہوتے ہیں لیکن ان کا معیار ایسا ہوتا ہے کہ ان رسالوں کا مطالعہ ہمارے

ابتدائی مدارس کے مدرسین کے لئے کماحقہ نفع بخش نہیں ہو سکتا تو ثابت ہوا کہ بحالت موجودہ عام مدرسین کو مذکورہ بالا چار ذرائع سے کوئی بھی ذریعہ ٹریننگ حاصل کرنے اور معلومات بڑھانے کا حاصل نہیں ہے۔

پس ہمارا مقصد اولین اس رسالہ کی اشاعت سے یہی ہے کہ یہ رسالہ مدرسین کی موجودہ ناچاری اور بے بسی میں ان کا معین اور مددگار ہو۔ ان کو اصول و طریقہ تعلیم کے جدید معلومات سے واقف کرے اور اُمورِ تعلیمی کے متعلق ماہانہ کافی لٹریچر ان کے مطالعہ کے لئے بہم پہونچائے اور ان کے لئے چھوٹے پیمانہ پر نارمل اسکول کا کام دے۔

پانی ایک لطیف اور طاہر شئے ہے لیکن جب ایک جگہ جمع ہوتا ہے اور اس میں حرکت اور روانی باقی نہیں رہتی تو کثیف اور فاسد ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب کسی سوسائٹی یا قوم کی ترقی کرنا باقی نہیں رہتا ہے اور اس میں حرکت اور چل چلاؤ باقی نہیں رہتی تو پھر اس میں انحطاط شروع ہو جاتا ہے۔ افراد قوم کے محاسن مناقب سے بدل جاتے ہیں اور آخر قوم قعرِ مذلت و ادبار میں گر جاتی ہے۔ ہمارے ملک میں عام مدرسین کی تقریباً یہی حالت ہے کہ ان میں کوئی حرکت باقی نہیں رہی ہے۔ وہ خواب غفلت میں پڑے ہیں نہ خود ہوشیار ہوتے ہیں اور نہ انہیں کوئی بیدار کرتا ہے۔ ان کو بیدار کرنے اور ان میں حرکت پیدا کرنے کی ضرورت کے احساس نے ہم کو اس رسالہ کی اجرائی پر مجبور کیا۔ پس مقصد دوم یہ ہے کہ اساتذہ کو موقع دیا جائے کہ دوسروں کے مضامین اور خیالات کو دیکھیں ان سے متاثر ہوں اور خود بھی اسی راستہ کو اختیار کریں۔

نارمل اسکولس سے جو مدرسین ٹریننگ حاصل کرنے کے بعد دیہی مدارس روانہ کئے جاتے ہیں تو مقامات متعینہ میں ان کے لئے پرانی معلومات کو محفوظ اور نئی معلومات کو حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں رہتا جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عدم ذکر اور مرورِ ایام سے ٹریننگ کا نقش اُن کے لوحِ دماغ سے مٹتے مٹتے پورا محو ہو جاتا ہے۔ پس میرا مقصد یہ ہے کہ اس رسالہ کے ذریعہ سے وقتاً فوقتاً دیہاتی مدرسین کے لئے جدید معلومات بہم پہونچائے جائیں تاکہ ان میں شوقِ مطالعہ قائم

اور وجہ تحریک باقی رہے۔

چوتھا اور آخری مقصد اس رسالہ کا یہ ہوگا کہ یہ مدرسین کے لئے ایک تعلیمی کتب خانہ کا کام دیگا مدارس تحتانیہ میں نہ تو کوئی روزانہ اخبار پہونچتا ہے اور نہ کتب خانے ہیں جن سے علم دوست مدرسین اپنا شوق ذوق مطالعہ پورا کرسکیں اور حالات دنیا سے باخبر رہیں۔ چونکہ اس رسالہ میں سوائے مختلف مضامین کے مختصر خبریں اور تبصرے بھی درج ہوں گے اس لئے یہ رسالہ اخبار اور چھوٹے سے کتب خانہ کا کام بھی دے گا۔

اس رسالہ کا معیار ملک کے مدرسین مدارس تحتانیہ کے لیاقت اور استعداد کے لحاظ سے رہیگا لہذا ہم مضمون نگار صاحبان سے اُمید کرتے ہیں کہ تحریر مضامین کے وقت اس امر کو ملحوظ خاطر رکھیں گے کہ مضامین صاف اور سلیس عبارت اور دلچسپ پیرایہ میں ہوں جن کو مدرسین بخوبی سمجھ سکیں اور فائدہ اٹھائیں۔

خدائے تعالیٰ کے کرم پر توکل کرکے "المعلم" جاری کیا گیا ہے اور دیرینہ تمنائیں اور مخفی آرزوئیں بکمال عدم سے منصہ ظہور میں آئی ہیں اور بہ حیثیت ایک انسان ظلوم وجہول کے ہم نے اس امانت کے بارگراں کو اپنے سر پر اٹھالیا ہے۔ خدائے تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ اپنے فضل وکرم سے اس رسالہ کو اپنے اغراض ومقاصد میں کامیاب فرمائے اور حقیقی معنوں میں اس کو "المعلم" کرے اور ہمارے معلمین کو خصوصاً اور ملک وقوم کو عموماً اس سے منتفع فرمائے۔ عالی ہمت۔ روشن خیال اربابِ علم وفن سے استدعا ہے کہ دماغ وقلم اور دام ودرم سے اس رسالہ کی مدد فرماکر ہمدردی ملک وقوم اور ایثار نفسی کا ثبوت دیں اور وقتاً فوقتاً اپنے مفید مشوروں اور بیش بہا آرا سے ہم کو ممنون فرماتے رہیں۔

آخر میں ہم نواب اکبر یار جنگ بہادر معتمد تعلیمات اور نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ اس رسالہ کی اشاعت کی اجازت مرحمت فرماکر ملک وقوم کی ایک ادنیٰ خدمت بجالانے کا ہم کو موقع دیا۔ عالیجناب نواب مسعود جنگ بہادر کی حوصلہ افزائی اور سرپرستی

اس رسالہ کی اجرا کا باعث ہوی ورنہ ہمارا کب یہ حوصلہ تھا کہ بغیر ایک زبردست مربی کے اس کارِ عظیم کا بار اپنے سر پر لیتے شعر

نمی گوئم دریں گلشن گل و باغ و بہار از من
بہار از یار و گل از یار و باغ از یار و یار از من

ہمارے دوست مولوی سجاد میرزا صاحب صدر مہتمم تعلیمات صوبہ گلبرگہ قابل شکریہ ہیں کہ صاحب موصوف نے اپنی علمی دلچسپی سے ہماری استدعا پر اس رسالہ کی جائنٹ ایڈیٹری کو قبول فرمایا۔

ایڈیٹر

تصورات و تخیلات اطفال

یہ مضمون ایک خاص نوعیت رکھتا ہے اور غالباً اردو میں ایسا مضمون اب تک نہیں لکھا گیا۔ یہ مضمون دلچسپ اور وسیع ہے اور اس میں تحقیق و تلاش کی بے حد گنجایش ہے اس مضمون کا تعلق سائکالوجی سے ہے اور ہر مدرس کا پہلا فرض ہے کہ سائکالوجی سے واقف ہو جسکے بغیر تعلیم میں کامیابی ناممکن ہے

ہم دیکھتے ہیں کہ بچوں میں تصور و تخیل کا مادہ بدرجہ اتم ہوتا ہے لڑکپن کا زمانہ گویا ایک خواب ہے جو تصورات اور تخیلات سے مملو ہوتا ہے۔ عام طور سے تو بچوں کی یہی کیفیت ہوتی ہے اگر کسی بچہ میں یہ بات نہ پائی جائے تو وہ نادر المزاج کہا جائیگا۔ جیسے کہ مسٹر رسکن لکھتے ہیں کہ لڑکپن میں انہوں نے قصہ کہانی کے کہنے یا سننے کی قابلیت اپنے میں نہ پائی۔

تمام بچوں کے تصورات و تخیلات کی حالت ایک سی نہیں ہوتی۔ مختلف طبایع مختلف رنگ دکھاتے ہیں۔ سائنس اور جدید تجربات نے ثابت کر دیا ہے کہ بچوں کے تصورات کی کیفیت

جدا جدا ہوتی ہے بعض کو ایک خاص حالت کے تصور سے لطف حاصل ہوتا ہے تو بعض کو کسی دوسری کیفیت کا تخیل کا مزا دیتا ہے مثلاً بعض بچوں کے لئے رنگین اشیا اور پُر فضا مناظر باعث دلچسپی ہوتے ہیں تو بعض اچھی آوازوں کو پسند کرتے ہیں پھر بعض کے لئے دردناک اور اندوہگیں خیالات اور تصورات باعث دلبستگی ہیں تو بعض کے لئے طرب انگیز اور مسرت بخش تصورات موجب محویت ہوتے ہیں۔

بچوں کے لئے تصور و تخیل نہایت متحرک ہوتا ہے اور اس کی حالت ہم پر اس وقت ظاہر ہوتی ہے جبکہ یہ مختلف اشیا کی تنقیح و تحقیق میں مصروف ہوتے ہیں مثلاً بچے اپنی اسی قوت متخیلہ کی وجہ سے جو نام اشیا کے رکھتے ہیں نہایت لطف انگیز اور دلچسپ ہوتے ہیں ایک کمسن لڑکا ستاروں پر غور کرتا ہے اور ان کو آنکھیں کہتا ہے۔ شاید ان کی چمک اس تخیل کا باعث ہوئی ہو اور دوسرا بچہ مینہ برسنے کے بعد درختوں سے پانی کے قطرے ٹپکتے ہوئے دیکھکر کہتا ہے کہ درخت رو رہا ہے۔

کبھی بچوں کے تصورات و تخیلات میں شاعرانہ رنگ بھی نظر آتا ہے مثلاً ایک پانچ برس کی لڑکی ہوا سے درختوں کو جھومتے دیکھکر کہتی ہے کہ ہوا درختوں کو گدگدیاں کر رہی ہے اس لئے درخت مارے ہنسی کے لوٹ رہے ہیں۔ ایک تین برس کا لڑکا ستاروں کو کہتا ہے کہ اللہ میاں کے چولھے کے چنگاریاں ہیں۔ تیتریوں کو اڑتے دیکھکر کہتا ہے کہ پھول اڑ رہے ہیں۔

کبھی بچے اپنے ذہن میں بے جان چیزوں کو جاندار قرار دے لیتے ہیں مثلاً انگلستان کی ایک مشہور خاتون لکھتی ہیں کہ لڑکپن میں پتھروں کو ایک جگہ رکھے ہوئے دیکھکر انہیں افسوس ہوتا تھا اور جاندار سمجھ کر وقتاً فوقتاً ان کی جگہ بدلتی رہتی تھیں۔

ایک چھوٹے لڑکے کی عادت تھی کہ اپنے کھیل کے تمام چیزوں کو جاندار سمجھتا تھا اور اُن سے نہایت شفقت کے ساتھ گفتگو کرتا اور غصہ کے وقت سخت سُست کہتا اور مارتا گویا وہ جاندار ہیں۔

مشاہدہ سے معلوم ہوا کہ بچوں میں تصور و تخیل اپنا پورا کام دو وقت کرتے ہیں ایک تو کھیل کے وقت دوسرے جب یہ فضائے بسیط پر نظر ڈالتے ہیں اور فطری اشیاء پر غور و فکر کرنے لگتے ہیں۔ اگر ہم اپنے لڑکپن کو یاد کریں تو بچوں کی اس کیفیت کو آسانی کے ساتھ سمجھ سکتے ہیں۔ مجھ کو یاد ہے کہ لڑکپن میں گھنٹوں آسمان کو دیکھا کرتا تھا اور ابر میں انواع و اقسام کے خیالی چیزیں نظر آتی تھیں۔ کبھی تو ابر کے ٹکڑے میں ہیبت ناک اور بڑے بڑے پہاڑوں کی شکلیں دیکھکر مرعوب اور خائف ہو جاتا تو کبھی عالیشان مکانات۔ گھوڑے۔ انسانی صورتیں۔ درخت وغیرہ دیکھکر خوش ہو جاتا۔ درحقیقت بچوں کو دلی مسرت اس وقت ہوتی ہے جبکہ وہ اپنے خیالی اشکال کو اصلی صورت میں دیکھ لیں خواہ وہ ابر میں ہو یا کسی اور طرح نظر آجائیں۔

دور کے مناظر بچوں کے لئے باعث دلچسپی ہوتے ہیں اور تصور و تخیل کے لئے کافی مواد فراہم کرتے ہیں مثلاً پہاڑوں کو لیجئے۔ جب مطلع صاف ہو اور پہاڑ آسمان کی طرح دور سے نیلے نیلے خوشنما نظر آئیں تو بچے ان کو پرستان تصور کر لیتے ہیں اور جب آسمان ابر آلود ہو اور وہی پہاڑ سیاہ بھیانک نظر آئیں تو یہ بچے خوف سے کانپ جاتے اور ان پہاڑوں کو غول بیابانی کا مسکن خیال کرتے ہیں۔

بچے کبھی اپنے خیالی اشیاء و اشکال کا مسکن اپنی نظر سے پوشیدہ مقام قرار دے لیتے ہیں مثلاً ایک دیہاتی لڑکی نے مکان سے کچھ دور کے پہاڑیوں کو چند فرضی لڑکیوں کا مسکن قرار دے رکھا تھا اور ان لڑکیوں کے متعلق کئی قصے کہانیاں بنائی تھیں۔

خیالی اشکال و اشیاء کے مساکن خاص خاص مقامات کو قرار دینے کا مادہ بہت سے ضعیف القلب بچوں کو بزدل بنا دیتا ہے۔ ان بچوں کو دیکھو جو رات کو مکان کے بعض حصوں میں جاتے ہوئے ڈرتے ہیں اور اندھیرے کمرہ میں ہرگز داخل نہیں ہوتے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ان کے گھر کی عورتیں جن۔ پری۔ بھوت کے قصے کہانیاں کہتی ہیں اور بچے سنتے ہیں اور ان کا

مادہ تصور و تخیل مکان کے ان حصوں کو جہاں آمد و رفت کم ہو یا اندھیرے کمروں کو ان پریوں اور جنات کی بود و باش کے مقامات سمجھتے ہیں اور یہ کیفیت خوف کی اکثر افراد میں سن بلوغ بلکہ اس کے بعد بھی باقی رہتی ہے ایسے مرد اور عورتیں نظر آتی ہیں جو باوجود سن رسیدہ ہونے کے رات کے وقت گھر کے بعض مقامات پر جانے یا تنہا مکان میں سونے کے لئے خائف ہوتے ہیں

ایک جرمن مصنف لکھتا ہے کہ جب وہ بچہ تھا اور آنکھ مچولی کھیلتا تھا تو ہر گھانس کی گری کے پیچھے شیاطین اور بھوت کو چھپا ہوا خیال کر کے حتی الامکان خود ان کے پیچھے نہ چھپا کرتا تھا چارلس ڈکن انگلستان کا مشہور مصنف کہتا ہے کہ "جب میں لڑکپن میں قصہ کہانیاں سنتا تو ان کی ہیبت تصور میں مجھکو چلتے پھرتے نظر آتے تھے"

ایک لڑکی پری دیوؤں کے کہانیاں سنکر اپنے مکان کے کسی طاق یا کمرے کو ان کا مسکن سمجھتی تھی

یہ مسئلہ تحقیق طلب ہے کہ کس حد اور کس سن تک تقلب اشیا کا مادہ بچوں میں موجود رہتا ہے مشاہدہ اور تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مادہ اس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک کہ اشیا کے صفات اور ان کے باہمی تعلقات ان پر واضح طور پر ظاہر نہ ہو جائیں اور شناخت اشیا کا مادہ پختہ اور کامل نہ ہو جائے۔ یہ مسئلہ بھی ہمارے لئے نیا ہے اور تحقیق و تفتیش کا وسیع میدان رکھتا ہے۔

تجربہ سے یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ یہ طلسمی مادہ تحویل و تقلب اشیا کا سب بچوں میں یکساں نہیں ہوتا بلکہ کسی میں کم کسی میں زیادہ ہوتا ہے اور اس کی بیشی کا انحصار طبایع پر ہوتا ہے۔ مثلاً ایک چار سال کی لڑکی اپنی ماں کے ساتھ باغ میں سیر کرتے ہوئے ایک چھوٹا سرخ کیڑا دیکھتی ہے اور دوڑ کر اس کو پکڑتی اور یہ کہتے ہوئے کہ اے کیڑے چڑیا تجھ کو کس قدر خوشی سے کھائیگی خود کھا جاتی ہے۔ یہ فعل یعنے کیڑے کو خود کھا لینا اس لڑکی سے اس لئے واقع ہوا کہ اس لڑکی میں مادہ تخیل و تصور اس درجہ پر تھا کہ وہ اپنے آپ کو چڑیا تصور کر کے کیڑا کھا لی۔

اب یہ جادو جس سے بچے اکناف و اطراف کے حالات و اشیا میں تقلب و تحویل کرتے ہیں رفتہ رفتہ سن کے ساتھ ٹوٹتا جاتا ہے۔ جیسے جیسے دنیوی معاملات عملی ضروریات بچوں کو

پیش آتے ہیں اور جیسے جیسے تجربہ کار مسن اشخاص سے ان کو سابقہ پڑتا جاتا ہے ان کی حالت میں انقلاب ہوتا جاتا ہے۔ تصوری اور خیالی دنیا سے نکلکر حقیقت اشیا پر نظر ڈالنے پر مجبور ہوتے جاتے ہیں۔

بچے آوازوں کو رنگین سمجھتے ہیں مثلاً شہنائی کی آواز کو ایک بچہ چمکدار رنگ کی سمجھتا ہے اور دوسرا سیاہ رنگ خیال کرتا ہے۔

کہانی کا شوق قصے کہانیاں بچوں کی ایک جدید حالت تخیل ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں کہانیاں بچوں کو ایک نئی دنیا کی سیر کراتے ہیں جہاں وہ نہایت دلچسپی سے یا گھر بنا لیتے ہیں اور بہت شوق سے رہتے بستے ہیں۔ قصہ گوئی کے وقت بچوں کی حالت دیکھنے کے قابل ہوتی ہے۔ یہ بھولا لڑکا تصویر حیرت بنا بیٹھا ہے اور ہمہ تن گوش ہو کر قصہ گو کے چہرہ کو دیکھ رہا ہے اور نہایت توجہ سے ایک ایک لفظ سنتا جاتا ہے اور بہ لحاظ مضمون اپنے تاثرات و جذبات کا اظہار اپنے اعضا اور حرکات جسمانی کے ذریعہ کرتا ہے۔ ہم لوگ جو سن شعور کو پہونچ گئے ہیں بچوں کی ان افعال و حرکات کو سمجھ نہیں سکتے اور ان کی قلبی کیفیت کا اندازہ نہیں کر سکتے اس سے یہ نتیجہ ماخوذ ہوتا ہے کہ الفاظ بچوں کے لئے خیالی تصاویر اور اشکال کا شکل پیدا کرتے ہیں اور ان کی بے انتہا دلچسپی کا باعث ہوتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ لطف تو یہ ہے کہ کہانی سنتے وقت بچہ ہماری زبان کی دشواریوں سے خود کو آزاد کر لیتا ہے۔ زبانی مشکلات کو کہانی کے سمجھنے میں حایل نہیں ہونے دیتا اور مطلب خوب سمجھ لیتا ہے ایک دفعہ ماں نے اپنے لڑکے سے اثنائے کہانی میں کہا کہ "شاید بیان تم نہ سمجھ سکو گے" اور مطلب بیان کرنا شروع کر دیا۔ بچے نے فوراً ماں کو روک دیا اور کہا کہ میں سمجھ لوں گا آپ شرح نہ فرمائیں۔

کہانی سے انتہائی شوق بچوں کی اس حرص و طمع سے ظاہر ہوتا ہے جو قصوں کے پڑھنے یا سننے میں یہ ظاہر کرتے ہیں۔ بچوں کی اس حرص کو کون پورا کر سکتا ہے؟ ایک کہانی سننے کے بعد فوراً دوسرے کی درخواست کیجاتی ہے اور اگر جواب دیا جاتا ہے کہ اور کہانیاں یاد

نہیں تو پھر کہی ہوئی کہانی کے اعادہ کی خواہش کیجاتی ہے۔ ایک لڑکی ٹچر ایکی کہانی بار بار ایسے شوق و توجہ سے سنتی ہے گویا کہ پہلی دفعہ اس نے سنی تھی۔

کہانی کے تکرار اور اعادہ کی خواہش کرنا میں علامت اس کی ہے کہ کہانی کے ختم پر بچہ کی دلچسپی کا خاتمہ نہیں ہوا۔

بچے چیزوں اور اشخاص کا کہانی میں ذکر کیا جاتا ہے بچے اُن کے لئے مقامات کا تعین کرتے ہیں اپنے کھیلوں میں انہیں شریک کرتے ہیں اور اس انتہائی شوق کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کہانی کے واقعات کو بچے سرگشت سمجھنے لگتے ہیں اور بچوں کے لئے یہ تاریخ کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں اور یہ حالت سن شعور کو پہونچنے تک ان پر طاری رہتی ہے یعنے کہانی کی باتوں کو تاریخی واقعات سمجھتا۔

کہانی کے تکرار اور اعادہ کی خواہش میں علامت اس کی ہے کہ بچوں کی دلچسپی کا خاتمہ کہانی کے ختم ہو جانے سے نہیں ہوتا اور پھر کہانی کے ہیرو اور ہیروئن کے لئے مقامات کا تعین اور ان کو اپنے کھیلوں میں شریک کرنا بچوں کی بے انتہا دلچسپی پر دلالت کرتا ہے۔

بچوں میں انواع و اقسام کے خیالی ایجادات کا مادہ قصہ گوئی سے پیدا ہوتا ہے مثلاً ایک تین سال کے لڑکے نے لنگڑے کی کہانی کہی جاتی ہے اور وہ فوراً خود کو دوڑتے ہوئے کرا دیتا ہے اور اپنی ماں سے بیان کرتا ہے کہ اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی اور لنگڑا ہو گیا اور ماں سے خواہش کرتا ہے کہ پاؤں کو پیار کرے۔

الغرض بچوں کی قوت تخیل و تصور قصہ گوئی سے اس قدر ترقی کر جاتی ہے کہ ساری سنی ہوئی باتیں اُن کے لئے حقیقت پیدا کر لیتے اور جزو زندگی ہو جاتے ہیں۔ کہانی کے بادشاہ بادشاہ زادیاں پری دیو سب ان کے لئے اپنا وجود حقیقی اور مقامات بود و باش رکھتے اور خواب میں بیداری میں ان کے پیش نظر رہتے ہیں۔ باقی آیندہ۔ اڈیٹر

پیمائش ذہن

پیمائش ذہن کے متعلق اس وقت تک اردو میں کم مضامین لکھے گئے
ہیں مولوی وہاج الدین صاحب کا مضمون نہایت صاف اور سلیس ہے
ہم کو یقین ہے کہ مدرسین کے لئے باعث دلچسپی و رہنمائی ہوگا....

ویسے تو ہماری موجودہ طریقہ تعلیم میں بہت سی باتیں محتاج توجہ اور اصلاح طلب ہیں لیکن سب سے بڑا نقص اس کا یہ ہے کہ طلبہ کی انفرادی قابلیت کا مطلق لحاظ نہیں کیا جاتا بلکہ بہ حیثیت مجموعی پوری جماعت کے مفاد کو مدنظر رکھا جاتا ہے اور مشینوں کی طرح سب کو ایک سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کیجاتی ہے۔ اگر کوئی غیر معمولی طور پر ذہین ہے تو ہوا کرے اُسے جماعت کے ساتھ چلنا چاہیے۔ اگر کوئی طالب علم انتہا درجہ کا غبی ہے تو ہو۔ پوری جماعت کا اس کے لئے نقصان نہیں کیا جاتا۔ کتنے مدرسین ہیں جو انصاف کو ہاتھ سے نہ دیکر یہ کہہ سکتے ہیں کہ کسی جماعت کی تعلیم و تدریس کے وقت یہ خیالات اُن کے دماغ میں نہیں پیدا ہوتے۔ اس نقطہ خیال کا بدیہی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جماعت کی تعلیم سے اگر کچھ طلبہ حقیقی طور پر مستفید ہو سکتے ہیں تو وہی جو اوسط درجہ کی قابلیت اور صلاحیت تعلیم پر پوری رکھتے ہوں۔ ذہینوں کی یوں خرابی ہوتی ہے کہ انہیں دماغی خوراک اتنی زاید مقدار میں دی جاتی ہے جس کو ہضم و جذب کرنا ان کی قوت ہاضمہ و جاذبہ سے ناممکن ہے اور اس لئے وہ طرح طرح کے امراض و اسقام میں مبتلا رہتے ہیں

اکثر یہ عذر پیش کیا جاتا ہے کہ غیر معمولی طور پر ذہین طلبا اور انتہا درجہ کے غبی کسی جماعت میں اتنے زیادہ نہیں ہوتے جتنے کہ اوسط درجہ کی قابلیت رکھنے والے لہذا زاید سے زاید تعداد کو فائدہ پہونچانے والا اگر کوئی طریقہ تعلیم ہو سکتا ہے تو وہ جماعتی ہے۔ سطحی طور پر دیکھو تو یہ اصول

بنتھم (BENTHAM) کے فلسفہ یعنے "کثیر ترین مفاد بہ اکثر افراد" کے عین موافق ہے لیکن کیا اس کا انطباق تدریس و تعلیم پر کیا جا سکتا ہے۔ افسوس ہے کہ مضمون زیر بحث اس کی اجازت نہیں دیتا کہ اس مسئلہ پر فلسفیانہ نقطہ نگاہ سے بحث کی جائے پھر بھی اتنی بات تو ہر شخص تسلیم کرے گا کہ آیندہ زندگی میں خواہ اس کے کسی شعبہ کو لو۔ قوم و ملک کے لئے مایۂ ناز قائدین جماعت ماہرین فنون علمائے سائنس یہی معدودے چند ذہین طلبا ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہر قوم کے ذلیل و بدتریں افراد کی تعداد جو بار فضول ناکارہ اور مجہول خیال کی جاتی ہے ایسے لوگوں پر مشتمل ہوتی ہے جو زمانہ تعلیم میں انتہا درجہ کے غبی تھے۔ غبی ان معنوں میں نہیں کہ الجبرا یا تاریخ یا جغرافیہ یا دیگر مضامین میں ناکامیاب ہوتے تھے بلکہ غبی سے یہ مراد کہ فطری طور پر جن کا ذہن کند تھا جن میں تعلیم سے مستفید ہونے کی صلاحیت نہ تھی۔ اب یہ بات مسلمہ ہے تو اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ اول الذکر گروہ کو ان کی استعداد و لیاقت کے مطابق تعلیم نہ دینا بلکہ انہیں گھسیٹ کر اوسط طبقہ کے ساتھ رکھنا قومی نقطہ نگاہ سے آنا ہی نقصان دہ ہے جتنا کہ موخر الذکر کی دماغی ناقابلیتوں کو نظر انداز کر دینا اور ان سے اس بات کی توقع رکھنا کہ اوسط درجہ کے طلبا کے ساتھ ساتھ چل سکیں گے۔ اس حقیقت کو امریکہ اور یورپ کے متمدن اقوام آج سے بہت پہلے محسوس کر چکے ہیں۔ چنانچہ وہاں کثیر تعداد ایسے مدارس کی بھی کھل گئی ہے جن میں صرف ایسے لوگوں کو تعلیم دی جاتی ہے جو دماغی اور ذہنی حیثیت سے اوسط مقدار تعلیم سے استفادہ حاصل نہیں کر سکتے۔ ان کے لئے نصاب تعلیم بھی علیحدہ طور پر مقرر کیا جاتا ہے اور خاص اسلوب پر تعلیم دی جاتی ہے۔ کند ذہنوں کے لئے تو علیحدہ تعلیم کا انتظام ہو گیا لیکن اعلیٰ درجہ کے ذہین طلبا کے لئے وہاں بھی ابھی تک کوئی علیحدہ درس گاہ قائم نہیں کی گئی اور زمانہ موجودہ میں بھی مسئلہ ان ممالک کے تعلیمی حلقوں میں زیر بحث ہے۔ ہندوستان میں یہ حالت ہے کہ روش قدیم کی طرح اس روشن زمانہ میں بھی سب کو ایک لکڑی سے ہانکا جا رہا ہے امتحان پاس کرنے اور درجہ چڑھانے کے لئے عمر کی قیدیں بدستور جاری ہیں تعلیم کا متعلمین

پر جو اثر ہوتا ہے اس کو جانچنے کے لئے واحد آلہ امتحان کا ہے کبھی کبھی اساتذہ متعلقہ کی رائے پر بھی بچوں کے کامیاب یا ناکامیاب ہونے کا انحصار ہوتا ہے۔ نہ تو کوئی قاعدہ مقرر ہے اور نہ کسی اصول کی پیروی کی جاتی ہے بچوں کی وہ سالہ محنت شاقہ مدرسین کی مشقت اور سرکار عالی کے روپیہ کا صحیح مصرف معلوم کرنے کا معیار ۳۳/۱۰۰ نمبر پانے پر ہے اور یہ معیار جیسا کچھ مستند اور قابل اعتبار ہے اس کا اندازہ کچھ اس ہی سے ہو جاتا ہے کہ مدرسین اور ممتحنین کی محدود جماعت کے علاوہ اور سب حلقوں میں یونیورسٹی کے امتحانات کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ "یہ محض ڈھکوسلا ہے اور قابلیت کا اندازہ لگانے سے قاصر"

اب اگر بالاتفاق یہ مان لیا جائے کہ طلباء کو ان کے دماغ اور ذہن کے اعتبار سے تعلیم دینا چاہئے تو دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دماغی اور ذہنی قابلیت کا اندازہ کس طرح لگایا جائے اور صحیح معیار کیا قائم کیا جائے جس کی بناء پر ذہن کی پیمائش کی جا سکے یوں تو ہر مدرس اپنے شاگردوں کے متعلق رائے قائم کیا کرتا ہے۔ ان کی جماعت واری تقسیم بھی کی جاتی ہے۔ حکام متعلقہ اور والدین کے پاس بچوں کی قابلیت کے متعلق رپورٹیں بھی بھیجی جاتی ہیں۔ سالانہ ششماہی اور ماہانہ امتحانات بھی ہوتے رہتے ہیں لیکن غور کرو اور بتاؤ کہ ان تمام طریقوں میں سے کوئی بھی طریقہ ایسا ہے جو مستند ٹھہرایا جا سکے اور جن کی بناء پر بچوں کے متعلق وثوق اور صحت کے ساتھ کوئی رائے قائم کی جائے۔ صدر مدرسین کی رپورٹیں اور اوستادوں کی رائے اور نتائج امتحانات پر منحصر رہتی ہیں۔ اوستادوں کی رائے کا یہ حال ہے کہ محض درسی اور کتابی قابلیت کی بناء پر استعداد دماغی کا فیصلہ ناطق کر دیا جاتا ہے۔ امتحانات کا یہ عالم ہے کہ امیدوار کی بیماری صحت اُن کے گھر کی حالت ماحول اور صحبت کا اثر اور بے شمار دوسرے خارجی اور باطنی اثرات کا مطلق لحاظ نہیں کیا جاتا۔ جوابات کے جانچنے پرتالنے کا کوئی معیار مقرر نہیں ایک قسم کے جوابات پر مختلف نمبر دئے جاتے ہیں۔ ممتحن کی کیفیت نفسی۔ مسرت یا تکدر رکشن جلد بازی۔ جذبہ داری ان سب کا مواخذہ غریب طالبار کے سر ہوتا ہے اور ایک موہوم بنیاد پر ان

عمر کا قیمتی سال چشم زدن میں رائگاں کر دیا جاتا ہے۔

ہمارا ہرگز یہ منشا نہیں کہ مدرسین کی رائے سراسر غلط اور بے وقعت ہے۔ ہم یہ دعوے نہیں کرتے کہ امتحانات میں جتنے طلبا ناکامیاب رہتے ہیں۔ سب کے سب بے انصافی کا نشانہ ہیں بلکہ ہم تو یہاں تک کہنے کے لئے تیار ہیں کہ اگر کوئی مدرس اپنے وسیع تجربہ کی بنا پر ہمدردی کو ملحوظ رکھتے ہوئے عمیق نظر سے بچوں کی کیفیات نفسی اور اُن کے مظاہرات کا معائنہ اور مشاہدہ کرے تو اس کی تجویز اور رائے میں لازمی طور سے صحت پائی جائیگی لیکن غور کرو اور دیکھو کہ اب اتنے شرائط کے باوجود جو رائے قائم کیجاتی ہے کیا اس کو امکانی اور قیاس کی حیثیت کے علاوہ تیقن اور وثوق کا درجہ بھی دے سکتے ہیں۔ زمانہ کی رفتار پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ قیاسات اور اندازوں کا وقت گیا قیاس کی بنا پر اگر کوئی انجینیر پل تعمیر کرے تو اس کے ٹوٹنے کا بہت زیادہ احتمال ہوتا ہے۔ حکمت یونانی کو دیکھو کہ روز بروز روبہ تنزل ہے۔ پیاک کا اعتماد طبابت پر رفتہ رفتہ جا رہا ہے۔ تھرمامیٹر کا حکم ناطق سمجھا جاتا ہے۔ فلکیات میں اٹکل اور اندازے کے بجائے بڑی بڑی دوربینیں کام دے رہی ہیں۔ غرضیکہ ہر شعبہ میں معیاریت اور قطعیت کا دور دورہ ہے۔ نفسیات میں دیکھو کہ حافظہ۔ توجہ۔ ادراک جیسی مجردہ چیزوں کی پیمائش کے لئے آلات تیار ہو گئے ہیں جس لمس۔ حس بصری۔ حس سمعی ان سب کی [illegible] پیمائش تجربات قسم کی پیچیدہ آلوں اور اوزاروں سے کی جاتی ہے۔ جب زندگی کے ہر [illegible] میں معیاریت کا رنگ غالب ہو تو درس و تدریس کی طرف کیونکر توجہ نہ کیجاتی۔ ۱۹۰۴ء میں فرانس کے دو مشہور ماہر نفسیات مسٹر سیمن (SIMON) اور ایک پروفیسر صاحب مسٹر بینیٹ۔ نے مشترکہ طور پر بچوں کی استعداد ذہنی کے لئے کچھ سوالات مقرر کئے۔ کثیر التعداد طلبہ پر یہ سوالات آزمائے گئے نتیجہ کی بنا پر ایک معیار قائم کیا گیا جن کو اگر کوئی بچہ بغیر کسی غلطی کے حل کرے تو اس کی اوسط دماغی عمر کا اندازہ لگایا جا سکے۔ مثلاً اگر کوئی پانچ سال کا بچہ ان پورے سوالات کو کرے جو پانچ سال کی عمر کیلئے مخصوص ہیں تو اس کی دماغی قابلیت پانچ سال کے بچوں کے برابر مانی جاتی ہے یعنی یہ کہ اس کا

ذہن اوسط ہے۔ اب اگر یہی بچہ تین سال کی عمر والوں کے لئے جو سوالات ہیں انہیں کر لے لیکن ۴ اور ۵ سال کے متعلقہ سوالات نہ کر سکے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی دماغی قابلیت تین سال کے اوسط بچے کے برابر مانی جاتی ہے۔ گویا عمر حقیقی ۵ برس کی اور عمر دماغی ۳ برس کی ہوئی یعنے یہ لڑکا اپنی قابلیت کے لحاظ سے پانچ سالہ اوسط بچوں سے بقدر ۲ سال پیچھے ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اس کو اگر اسی جماعت میں رکھا جائے جو پانچ سالہ بچوں کے لئے ہے تو یہ لامحالہ نہ چل سکے گا۔ برخلاف اس کے اگر تین سالہ اوسط بچوں کے ساتھ ساتھ تعلیم دی جائے تو یہ اچھی طرح اسے پورا کر سکے گا۔

مذکورۂ بالا مثال محض پیمایش ذہنی کی سطحی واقفیت دلانے کے لئے دی گئی ہے اس سے بنیٹ اور سیمن کے اصول اور قواعد کے متعلق کوئی رائے قائم نہ کرنا چاہئے اور اس کی تشریح آئندہ آئے گی۔

ہاں تو ہم کہہ رہے تھے کہ فرانس میں ۱۹۰۴ء میں اس کی ضرورت کو محسوس کیا گیا اور ان دو حضرات نے سوالات بھی مرتب کئے۔ لیکن اس عرصہ میں بنیٹ صاحب کا انتقال ہو گیا اور یہ بحث ۱۹۱۱ء تک ملتوی رہی اور اس سال اس کے متعلق انگریزی میں پہلا رسالہ لکھا گیا۔ اس وقت سے لیکر اب تک امریکہ و انگلستان میں اس کے متعلق بیسیوں تجربے ہو رہے ہیں ہر ملک میں وہاں کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے ان سوالات کا ترجمہ ہو رہا ہے۔ ضرورت کے لحاظ سے ان میں کچھ رد و بدل بھی کر دیا گیا ہے۔ اٹلی، روس، سوئیڈن، ٹرکی، جاپان، امریکہ، انگلستان، ان سب ممالک نے اپنے اپنے یہاں اس طریقہ کو پسند کر لیا ہے اور اسی کی بنا پر درجے دئے جاتے ہیں۔ جماعت بندی کی جاتی ہے اور طلبا کی ذہنی قابلیتوں کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ ہندوستان یوں تو خیر ہر معاملہ میں دوسروں کا منقاد اور مقلد ہے لیکن اس خاص صورت میں انتظار تو درکنار اس پر کوئی توجہ ہی نہیں کی گئی۔ ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ فیصدی ۹۵ مدرسین تو ایسے ہیں جنہوں نے پیمایش ذہنی کا نام بھی نہ سنا ہوگا۔

بقیہ ۵ فیصدی میں ایسے اساتذہ ہیں جو اس سے واقف ضرور ہیں لیکن یا تو اس کی اہمیت کو نہیں سمجھتے یا نصاب اور امتحانات کی قید میں اتنے جکڑے ہوے ہیں کہ اسکے آزمانے کی ہمت نہیں ہوتی۔ یہی افسوسناک حقیقت موجودہ سلسلہ مضامین کا باعث ہے۔ (باقی آیندہ)

وہاج الدین

مصلحانِ تعلیم

عنوان بالا کے زیر بحث چند مشہور معلمین کے مختصر حالات و خیالات کا تذکرہ شایع کیا جائے گا جنہوں نے یورپ کے موجودہ نظام تعلیم کی بنیاد ڈالی ہے اگرچہ کہ جدید انکشافات نے ان کے خیالات کی بہت کچھ قطع و برید کر دی ہے تاہم مروجہ طرز و طریقہ تعلیم کی اہمیت اور حقیقت سمجھنے کے لئے ان اعلیٰ دماغ معلمین کے حالات زندگی سے پوری واقفیت نہایت ضرور ہے اس سلسلہ کی ابتدا کامی نئیس کے حالات سے کی جاتی ہے۔

کامی نئیس

۱۵۹۲ء تا ۱۶۷۱ء

حالت زمانہ | کامی نئیس ایک ایسے زمانہ میں پیدا ہوا جبکہ یورپ میں انقلاب برپا تھا دور اصلاح نے پاپائے روم کا اقتدار نیست و نابود کر دیا تھا۔ قومیت کے شعلوں نے شہنشاہ یورپ کی سلطنت کو راکھ

لگا دی تھی۔ اہل قلم نے مذہب کی تنقید شروع کر دی تھی۔ اہل علم مادری زبان کو وقعت کی نظر سے دیکھنے لگے تھے۔ اہل جستجو تحقیقات میں مصروف تھے مختصر یہ کہ ایک دور ختم ہو چکا تھا اور دوسرے کا آغاز تھا۔ قدیم نظام حکومت۔ قدیم مذہب۔ قدیم طرز معاشرت سب کا شیرازہ بکھر گیا تھا اور ہر شعبہ زندگی کی نئی داغ بیل پڑ رہی تھی۔ ابتداءً تعلیم ان تغیرات سے ایک حد تک محفوظ رہی اور ایک زمانہ تک پیشوایان مذہب کے قابو میں تھی۔ تعلیم و تربیت کا سلسلہ وہی پرانی انداز پر چلا جاتا تھا۔

پاپائے روم اور پیشوان مذہب کے اقتدار کے تنزل نے درپردہ تعلیم طرز جدید کا مواد تیار کرنا شروع کر دیا چاروں طرف سے صدائیں بلند ہونے لگیں کہ وہ مذہبی تعلیم جس نے وہم پرستی کو توہمات کو جائز رکھا تھا عقل و دانش کی تلقین و پرستش کے بعد جاری نہیں رہ سکتی۔ یونانی اور لاطینی لٹریچر کے مطالعہ کا یہ مقصد قرار پایا کہ نہ صرف متقدمین کے خیالات معلوم کئے جائیں یا اُن کی طرز تقریر و تحریر کی تقلید کی جائے۔ بلکہ اُن کی طرز معاشرت اختیار کی جائے اور اپنے گرد و پیش کے حالات اور واقعات پر غور کیا جائے اور تجربہ اور مشاہدہ کی بنا پر عمل ہو۔

ان خیالات کے پیروں نے اس تحریک کی اشاعت کا ذریعہ تعلیم کو قرار دیا۔ مقصد و نصاب تعلیم پر توجہ شروع کی۔ تعلیم و تربیت دماغی و جسمانی کے متعلق خیال ظاہر کیا کہ پرانے طریقہ کے مطابق قدیم زبانوں کا رٹانا اور محض ادبی تعلیم دینا بیکار ہے۔ اس کے عوض غور و فکر سے کام لیا جائے۔ متقدمین کی ہر ایک بات صحیح نہ تسلیم کی جائے بلکہ اظہار رائے اور تنقید کی ترغیب دی جائے۔ تعلیم کے طریقوں کو دلچسپ بنایا جائے۔ اور ورزش جسمانی کی طرف کافی توجہ کی جائے۔

اس کے بعد مونٹین نے ان خیالات کی توضیح و صراحت کی۔ اس وقت تک تعلیم و تربیت میں خود طالب علم کی شخصیت کو مدنظر نہیں رکھا جاتا تھا اس نے معلمین کی توجہ خود طالب علم کی طرف منعطف کی اور مقصد تعلیم کو علم و روح کا ملاپ بتلایا۔

مون ٹیں کے بعد ملکاسٹر نے یہ بڑی تعلیمی خدمت انجام دی کہ اپنے مدرسی کے تجربہ کے بعد تعلیم پر چند کتابیں لکھیں۔ ملکاسٹر پہلا شخص ہے جس نے تعلیم پر انگریزی میں کتاب لکھی ہے اور ایسے مضامین کا انتخاب کیا ہے کہ اس کے زمانہ میں یقیناً وہ حیرت سے دیکھے گئے ہونگے ایک میں تو انگریزی پڑھانے کا طریقہ بتلایا ہے دوسرے میں طلبار کی تربیت کے متعلق ہدایات دی ہیں۔ مادری زبان کی اہمیت جتائی ہے۔ بچے کی اچھی پرورش کا خیال دلایا ہے تعلیم کو دلچسپ بنانے کی تجویز کی ہے۔

اُن واقعات سے ظاہر ہے کہ کامی نیس کے معاملات تعلیم میں قدم رکھنے سے پہلے کیا مواد تیار تھا اور تعلیمی معلومات کس حد تک پہونچ چکے تھے۔ کامی نیس کو اس تمام مواد سابقہ کی جانچ پڑتال کا موقع ملا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُس نے اس مواد کو اپنے خیالات کا لباس پہنا کر اور آراستہ کرکے دنیا کے سامنے اس خوبی سے پیش کیا کہ موجودہ تعلیم پر اس کے گہرے نشانات آج تک نظر آتے ہیں۔

حالات زندگی کامی نیس جس کو تعلیم کے عہد جدید کا پیشوا کہا جا سکتا ہے ۱۵۹۲ء میں بمقام موریویا پیدا ہوا۔ اس کی ابتدائی زندگی کے حالات صفحہ تاریخ پر منقش ہیں۔ وہ خود اپنی تصنیف میں ایک جگہ لکھتا ہے کہ لڑکپن ہی میں وہ یتیم ہو گیا تھا۔ اس کے سرپرست نے اس کے ساتھ غفلت اور لاپروائی برتی۔ اس کی ابتدائی تعلیم موریویا کے مدارس میں ہوئی اور جب وہ ترقی کرکے اعلیٰ تعلیم پانے لگا تو محسوس کرنا شروع کیا کہ وہ تمام عیوب۔ خرابیاں اور کمزوریاں جس کا اکثر و بیشتر طالب علم ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے۔ حقیقتاً غلط طریقہ تعلیم اور استاد کی لاعلمی کا نتیجہ ہوتی ہیں کامی نیس بیس برس کی عمر میں جرمن طریقہ تعلیم کے مطابق دو یونیورسٹیوں میں شریک ہوا پہلے وہ آمسٹرڈم پہونچا اور وہاں چندے قیام کرکے ہائی ڈلبرگ کی یونیورسٹی میں داخل ہو گیا۔ ختم تعلیم کے بعد اس نے ایک مذہبی خدمت قبول کرلی مگر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد جنگ و جدل نے ملک سے فرار ہونے پر مجبور کیا۔ اس عرصہ میں اس کو تین بڑے حادثے برداشت کرنے پڑے

ایک تو اس کی بیوی مرگئی۔ دوسرے اس کا اکلوتا بچہ چل بسا۔ تیسرے اس کی تصنیف کا مسودہ ضایع ہوگیا۔ ان مصیبتوں نے اس کو بہت ہی حیران و پریشان کیا۔ اس کی تکالیف کا سلسلہ آخر عمر تک جاری رہا۔ مگر اس کا دم تھا کہ آخر تک نہایت استقلال سے مصائب کا مقابلہ کرتا رہا اور تصنیف و تالیف میں اپنا وقت گزار دیا۔

علمی خدمات انگلستان کے فلسفی بیکن نے یہ تجویز کی تھی کہ ایک ادارہ سلیمان قائم کیا جائے جہاں طبیعات و دیگر علوم و فنون کی تعلیم ہو۔ کامی نیس نے اس خیال کی تکمیل کے لئے ایک پورا اسکیم بنا دیا جس کا مقصد یہ رکھا کہ وہ ادارہ دنیا بھر کے علما کے واسطے وقف ہو اور اس کے تمام اخراجات دنیا کی سب قومیں برداشت کریں اوائل سترویں صدی میں جبکہ تشنگی علم پورے کو بے قرار کئے ہوئے تھی۔ یہ تجویز مقبول ہوئی۔ انگلستان کے چند ذی فہم حضرات نے پارلیمنٹ کی صلاح و مشورہ کے بعد یہ تہیہ کرلیا کہ کامی نیس کو انگلستان مدعو کرکے اس کے زیر نگرانی اس تجویز کو عملی جامہ پہنایا جائے تاکہ بیکن کا خیال ایک واقعہ بن کر ہمیشہ یادگار رہے۔ انگریزی پارلیمنٹ نے کامی نیس کی امداد کا وعدہ کیا اور چیلسی کالج کو اس کے حوالہ کردیا۔ اس اثنا میں آئرلینڈ میں بڑا ہنگامہ ہوا اور بدقسمت کامی نیس کو بورا ناکام واپس ہونا پڑا۔ اس ناکامی کے بعد بھی اس نے ایک دفعہ اور اپنے اسکیم کے نفاذ کی کوشش کی لیکن تنگدستی نے اس کی آرزو پوری نہ ہونے دی۔ آخر کار خستہ دل ہوکر اپنے وطن کو واپس ہوا۔ ۱۶۷۱ء میں اسی برس کی عمر میں موجودہ نظام تعلیمات کی بنیاد ڈالکر ایک عدم کو روانہ ہوگیا۔

تصانیف کامی نیس نے چوبیس برس کی عمر میں اپنی پہلی تصنیف شایع کی اس زمانہ میں اس کو وقعت کی نظر سے نہیں دیکھا جا سکتا مگر اپنے وقت میں اس کی اشاعت نے علما کو اس نوجوان مصنف کی طرف متوجہ کردیا تھا۔

۱۶۲۱ء میں اس نے فتح باب الالسنہ (JANUA LINGUARAM RESERATA) طبع کی جس میں زبان سیکھنے کے طریقہ بتائے ہیں۔ ہم اس پر غایر نظر نہیں ڈالنا چاہتے کیونکہ موجودہ

طریقے بہت بہتر و اعلیٰ ہیں۔ یہ لکھنا کافی ہے کہ خود مصنف کا بیان ہے کہ اس نے یہ کتاب محض بچوں کے واسطے لکھی تھی مگر اس کا ایسا شہرہ ہوا کہ دنیا کے مختلف ممالک میں اس کی تعریف و توصیف ہوئی۔ بڑے بڑے علماء نے اس کو مبارکباد دی اور اس کا ترجمہ نہ صرف یورپ کی کل زبانوں میں بلکہ عربی۔ فارسی و ترکی میں بھی ہوا۔ ایک روایت ہے کہ زبان منگول میں بھی اس کا ترجمہ کیا گیا۔ اس کتاب کی مزید وضاحت کی خاطر کامی نیس نے ایک باتصویر کتاب بچوں کے پڑھنے کے لئے تیار کی اس کا ایک نسخہ برٹش میوزیم میں موجود ہے۔ اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ جتنی باتصویر کتابیں بچوں کے لئے تیار کی گئی ہیں وہ سب کامی نیس کی کتاب کی نقل ہیں۔ کامی نیس نے یوں تو کل بیالیس چھوٹی بڑی کتابیں لکھی ہیں مگر کتاب اصول تعلیم (DIDACTICAMACNA) کے مقابلہ میں وہ کوئی ہستی نہیں رکھتیں۔

یہ معرکۃ الآرا کتاب جس کا اثر متمدن دنیا کے ہر مدرسہ میں پایا جاتا ہے ۱۶۵۷ء میں لاطینی زبان میں شایع ہوئی۔ یہ کامی نیس کے جملہ تعلیمی خیالات کا مجموعہ اور مروجہ نظم تعلیم کا منبع ہے لکھتا ہے:۔

(۱) انسان کی زندگی کے تین حصہ ہیں۔ بناتاتی۔ حیوانی۔ روحانی۔ ہر انسان کا فرض ہے کہ ہر چیز سے واقف ہو اپنے نفس اور دوسرے کل اشیاء پر قابو رکھے۔ ہر چیز کا تعلق خدا کی ذات سے سمجھے۔ چونکہ قدرت نے ہر ایک کے دل میں علم۔ نیکی و رحم کا بیج بویا ہے تعلیم کا یہ عین مقصد ہونا چاہئے کہ ان خاصیتوں کی ترقی و استحکام کا باعث ہو۔

(۲) مدارس کی تعلیم کی ناکامیابی کا اصل باعث یہ ہے کہ اصل مقصد تعلیم کو فراموش کر دیا گیا ہے مادری زبان کو نظر انداز کر کے لیٹن زبان کے سکھانے پر اکتفا کیا جاتا ہے اور وہ بھی اس قدر برے طریقے سے پڑھائی جاتی ہے کہ دس بیس سال کی تدریس کے بعد بھی اس کی تکمیل نہیں ہوتی۔

(۳) طریقہ تعلیم فطرت کے مطابق نہیں ہے۔ بچوں کو تحصیل علم اس طرح کرنا چاہئے جیسے مچھلی تیرتی۔ چڑیاں اڑتی اور جانور دوڑتے ہیں۔

ارسطو کا قول ہے کہ علم کی خواہش فطرت انسان میں ودیعت ہے۔ دماغ علمی ترقی اسی طرح کرتا ہے جیسے انسان کے جسم کا نشوونما ہوتا ہے۔ زور و کوب اور جبر سے نہیں بلکہ مناسب غذا سے اور ہوا سے۔

(۴) جس طرح فصل کی کامیابی کے واسطے مقام و موسم کے لحاظ سے تخم ریزی کی جاتی ہے اسطرح تعلیم کے عمدہ نتائج کے لئے بچے کے سن و شعور کا لحاظ ضروری ہے۔ بچے کو ایسی تعلیم سے فائدہ پہونچ سکتا ہے جو کہ اس کی استعداد کے مطابق ہو۔

(۵) فطرت میں تسلسل ہوتا ہے بچے کی تعلیم میں تسلسل ہی کا خیال رکھنا چاہئے نصاب تعلیم ایسا بنانا چاہئے کہ ایک حصہ دوسرے حصہ کے واسطے طالب علم کو تیار کرے اور ختم نصاب تک یہ اصول قائم رہے

(۶) سب سے پہلے قوت لامسہ کی تربیت ہو۔ اس کے بعد قوت حافظہ مدرکہ۔ ذہن اور عقل کی اور سب سے آخر میں قوت ممیزہ اور تنقید کی علی الترتیب تربیت دینی چاہئے۔

(۷) تعلیم و تعلم میں سخت گیری ہرگز نہ کرنی چاہئے۔ فطرت کو مجبور کرکے کام نہیں لیا جا سکتا فطرت مضر اثرات سے اپنے کو محفوظ رکھتی ہے۔ بچوں کو بھی خراب صحبت اور خراب کتابوں سے بچانا چاہئے

(۸) بچوں کو سزائے جسمانی ہرگز نہ دینی چاہئے۔ بچہ کچھ نہ سیکھے تو اُس کا نہیں بلکہ اُستاد کا قصور ہے جب بھنی کے ساز سے ٹھیک آواز نہیں نکلتی تو اپنے ساز کو نہ مارتا اور نہ چھوڑ دیتا ہے۔ بلکہ اتنے عرصہ تک درست کرتا ہے کہ وہ ٹھیک آواز دینے لگے۔

(۹) مدرسہ کی عمارتیں عمدہ کشادہ و صاف ہونی چاہئیں ان میں ساز و سامان ایسا موجود ہو کہ بچوں کی فرحت کا باعث ہو۔ (باقی آیندہ)

سجاد میرزا

تبصرہ

رپورٹ ترقی تعلیم ممالک محروسہ سرکار عالی

تاریخ ممالک محروسہ میں سنہ ۱۳۳۱ف ایک ناکامیاب سال گذرا بلائے قحط اور اس کے بعد وبائے طاعون وہیضہ نے چہار طرف ایسے مصائب نازل کئے کہ اس کے اثرات اب تک موجود ہیں بایں ہمہ محکمہ تعلیمات سرکار عالی کے رپورٹ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عالیجناب نواب اعظم صاحب تعلیمات کی زیر نگرانی جد مہتمم صاحبان اسمات کی جد وجہد و مہتمم صاحبان کی مدد و کوشش کی وجہ سے تعداد مدارس وطلبا بدستور قائم ہی نہیں رہی بلکہ ان میں (۳۰۱) اور سترہ ہزار نوسو بیانوے (۱۷۹۹۲) کا علی الترتیب اضافہ ہوا۔

محکمہ تعلیمات کا نصب العین یہ ہے کہ ہر قصبہ میں جہاں معقول آبادی ہو۔ مدرسہ قائم کیا جائے اس کی تکمیل کے واسطے باوجود مشکلات کما حقہ کوشش کی گئی جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ بمقابل سنہ ۱۳۲۹ف دو ہزار آبادی والے قصبوں میں تین اور پانسو تا ہزار آبادی والے قصبوں میں (۱۸۸) مدارس قائم کئے گئے اس کے علاوہ صرف خاص کے علاقہ میں ۳۳ مدارس کھولے گئے۔

سرکاری مدارس کے جملہ طلبہ کا شمار کرکے گزشتہ اعداد و شمار کے لحاظ سے قابل تعلیم بچوں کا حساب لگایا جائے تو معلوم ہوگا کہ سال گزشتہ کے (۹۰ر۱۸) کے مقابلہ میں ۲۰ر۸ بچے زیر تعلیم تھے سنہ ۱۹۲۲ء کی میسور کی تعلیمی رپورٹ مظہر ہے کہ وہاں زیر تعلیم بچوں کی تعداد ۵۲ر۳ ہے جس سے یہ بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے پڑوسی ہم سے کس قدر بڑھے ہوئے ہیں اور اشاعت تعلیم میں انہوں نے کتنی ترقی کرلی ہے۔ ہمارے ہاں سنہ ۱۳۳۰ف میں ہر نو مربع میل میں ایک سرکاری یا خانگی مدرسہ تھا بخلاف اس کے ریاست میسور میں ۳ر۲۵ مربع میل میں ایک مدرسہ موجود تھا۔

تعلیم ثانوی جامعہ عثمانیہ کے قیام کی وجہ سے محکمہ تعلیمات کو تعلیم ثانوی کی از سر نو تنظیم کرنی پڑی

اوّل تو جامعہ کے اعلیٰ ترین اصُول تعلیم کو مدنظر رکھکر نصاب تیار کیا گیا جس کا یہ مقصد قرار پایا کہ طبقہ تحتانیہ میں مادری زبان کی عمدہ تعلیم دی جائے اور وسطانیہ میں عام معلومات سے واقف کرایا جائے تاکہ طلبا جامعہ میں داخل ہوکر اعلیٰ تعلیم سے مستفید ہوسکیں ثانوی مدارس کو فوقانیہ انگریزی وفوقانیہ عثمانیہ میں تقسیم کردیا گیا تاکہ اردو اور انگریزی دونوں اقسام کی تعلیم دوش بدوش جاری رہے اور ملک صحیح رائے تجربہ و مشاہدہ کے بعد قائم کرے۔ انگریزی مدارس کو بدستور جاری رکھنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ عثمانیہ مدارس کو وجود میں لایا گیا۔ جالنہ۔ پربھنی۔ ناندیڑ اور بیڑ کے وسطانیہ مدارس کو فوقانیہ کردیا گیا۔

یہ قابل ستایش ہے کہ مدارس وسطانیہ کی تعداد میں سات کا اضافہ ہوا۔ اور ان کی تعداد (۱۰۴) ہوگئی اسی طرح طلبا میں بھی دو ہزار ایک سو پچاس کی ترقی ہوئی۔

تعلیم ابتدائی ختم سال پر سرکار نے مدرسین مدارس ابتدائی کی تنخواہوں میں اضافہ فرمایا جس کی بنا پر جناب نواب ناظم صاحب نے اُمید ظاہر فرمائی ہے کہ اضافہ کا نتیجہ سال آیندہ عمدہ کارگزاری کی صورت میں ظہور پذیر ہوگا۔ ہم کو قوی توقع ہے کہ جناب نواب ناظم صاحب کی اُمید پوری پوری طرح تکمیل پائے گی۔

مدارس میں دو سو اکانوے اور طلبا میں تیرہ ہزار آٹھ سو پچہتر کا اضافہ ہوا۔ مدارس نسواں میں چار ہزار چھ سو تہتر طالبات کا اضافہ قابل قدر ہے۔

تعلیم خاص نارمل اسکولس اپنے خدمات انجام دے رہے ہیں مگر تربیت یافتہ اُستادوں سے جو توقعات تھیں وہ اب تک پوری نہیں ہوئی ہیں۔

مدارس صنعت و حرفت افسوس ہے کہ مدارس صنعت و حرفت حالت نزع میں ہیں۔ حیرت و تعجب کا مقام ہے کہ جو مقامات صنعت و حرفت کا گھر ہوں وہیں اس فن کی تعلیم کا انتظام ناکامیاب ثابت ہو۔ اورنگ آباد۔ نظام آباد۔ نارائن پیٹہ ممالک محروسہ کی اقتصادی زندگی کا جزو اعظم ہیں یہاں کی آبادی کا یہ حق ہے کہ اُن کے حالات کی مناسبت سے ان کی تعلیم کا انتظام کیا جائے۔ جہیں

اُمید ہے کہ اس کی طرف توجہ کی جائے گی۔

ورزش جسمانی | تقریباً تمام ثانوی مدارس میں ڈرل ماسٹر مقرر کئے گئے ہیں اور تعلیم ورزش پر تیس ہزار ایک سو ستر روپیہ صرف کیا گیا۔ انٹر اسکول ٹورنمنٹ کا انعقاد ہوا لیکن رپورٹ کے معائنہ سے یہ نہیں معلوم ہوا کہ آیا تعلیم ورزش کے واسطے نصاب بھی تیار کیا گیا یا کہ اس عمل کو ڈرل ماسٹروں پر چھوڑ دیا گیا۔ ہمارے خیال میں ڈرل ماسٹر بہت کم استطاعت رکھتے ہیں اس واسطے مناسب ہوگا کہ محکمہ ایک کمیٹی مقرر کرے تاکہ وہ باشندگان ممالک محروسہ کے جسمانی حالات پر غور کرکے مناسب حال نصاب تیار کرے اس کی مدارس میں دیگر نصاب کی طرح پابندی کی جائے

اخراجات تعلیم | سالگزشتہ کے تینتالیس لاکھ چھ ہزار چار سو ستر روپیہ کے مقابلہ میں ترپن لاکھ چھ ہزار نو سو اکسٹھ روپیہ صرفہ ہوا۔ خزانہ شاہی صرف خاص و لوکلفنڈ سے تینتالیس لاکھ سڑسٹھ ہزار سات سو چوہتر، چوراسی ہزار نو سو چوہتر و تین لاکھ چھبیس ہزار چار سو اکیس روپیہ علی الترتیب صرف ہوئے۔ دیگر ممالک میں ابتدائی تعلیم کا بار میونسپالٹی برداشت کرتی ہے۔ ہمارے یہاں لوکلفنڈ اسی خدمت کو خاطر خواہ طور پر انجام نہیں دیتا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ خزانہ شاہی پر اتنا بار پڑا ہے ایسا نہ ہو یونیورسٹی کی تعلیم پر اس کا اثر ہوتا ہے اب وہ دن آگیا ہے جبکہ ملک کی بہبودی و فلاح کی خاطر لوکلفنڈ ابتدائی تعلیم کو اپنے ذمہ لے اور قوم کے روپیہ کو بہتر امور میں خرچ ہونے کا موقع دے

ہم اُمید کرتے ہیں کہ آئندہ وقت پر رپورٹ شائع ہوگی اور اراکین سررشتہ تعلیمات کو بروقت معلومات حاصل کرنے کا موقع ملے گا۔

آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نے دو کتب اردو میں شائع کئے ہیں ایک نیچر اسٹڈی پر اور دوسری حفظان صحت کے متعلق ان ہر دو کتب کی ترتیب اچھی ہے اردو غلط لیکن بلیس ہے ہمارے نصاب ابتدائیہ کی ضروریات کو یہ کتابیں بخوبی پوری کرسکتی ہیں اس وقت اکثر مدرسین کو شکایت ہے کہ نیچر اسٹڈی اور حفظان صحت کیلئے کوئی کتاب نصاب میں مقرر نہیں کیگئی۔ مدرسین اگر ان کتب کا مطالعہ کریں تو انکی شکایت رفع ہوجائیگی اور کار تعلیم میں ان کو بڑی مدد ملے گی

شذرات

علیگڈھ مسلم یونیورسٹی کے کورٹ کے سفارش کی بنا پر گورنمنٹ نے آنریبل راجہ صاحب محمود آباد کو یونیورسٹی کا ریکٹر مقرر فرمایا ہے۔

۱۹۔ مے ۲۴ء کو بمقام شملہ ایک تعلیمی کانفرنس اس غرض سے منعقد ہوئی کہ ہندوستان کے جملہ یونیورسٹیوں کے تعلیمی معاملات پر غور کرکے ایک اعلیٰ معیار قائم کرے اور ہندوستانی طلبار کے انگلستان کی یونیورسٹیوں میں داخلہ تعلیم کے متعلق مناسب قواعد وضع کرے۔ اس کانفرنس میں ہر یونیورسٹی سے نامزد سے شریک ہوے۔ اور ہز الکنسی وایسرائے نے اس کی صدارت کی اور خطبہ افتتاحیہ پڑھا۔ جامعہ عثمانیہ کی طرف سے نواب حیدر نواز جنگ بہادر صدر المہام فینانس و نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات و ڈاکٹر عبد الستار صاحب صدیقی پرنسپل عثمانیہ کالج نے نمایندگی فرمائی۔

سر الفرڈ یرو نے پندرہ لاکھ روپیہ صرف اس غرض سے دئے ہیں کہ سائنس میں نئے معلومات کا اضافہ ہو ڈاکٹر لڈوک انڈساڑھے چار لاکھ اس واسطے چھوڑ کر مرے ہیں کہ وہ تمام طبعیات کی تفتیش میں خرچ کی جاے۔

لارڈ وکانسلی نے کارڈف یونیورسٹی کو مزید ایک لاکھ ستاسی ہزار پانچ روپیہ کا عطیہ دیا۔

سر رابندر ناتھ ٹگور شاعر ہند نے اطلاع دی ہے کہ "وساوا بھارتی (یونیورسٹی) کے ناری وبھاگ" (صیغہ طالبات) میں لڑکیوں کی تعلیم کے واسطے چند خاص انتظامات کئے گئے ہیں اب تک معمولی مضامین کے علاوہ ان کو موسیقی، مصوری، جلد سازی اور کپڑا بننا سکھایا جاتا ہے۔ اب ہماری خواہش ہے کہ حسب موقع حفظان صحت تیمارداری۔ باغبانی۔ خانہ داری کا مزید اضافہ کریں۔ کئی وجوہ سے ہمارے

لڑکے یونیورسٹی کے قواعد کے مطابق محدود مضامین کی تعلیم پر مجبور ہیں لیکن ہماری لڑکیاں خوش قسمتی سے ان قیود سے آزاد ہیں اور اپنے تعلیمی نصاب میں ہر پہلو سے ترقی کر سکتی ہیں ہمیں متوقع ہوں کہ جبکہ ہماری لڑکیاں تعلیمی قیود سے پاک ہیں تو وہ حضرات جو ان کی عمدہ تعلیم کے خواہشمند ہیں ہمارا ساتھ دیں گے اور ہماری امداد فرما کر وسادا بھارتی کو مالی قوت پہونچا کر ہم کو عورتوں کے واسطے ایک اعلیٰ تعلیم گاہ بنانے کا موقع عطا فرمائیں گے۔

چند ماہ قبل جاپان میں جو زلزلہ عظیم واقع ہوا تو امپریل یونیورسٹی کی عمارات کو بھی صدمہ پہونچا چنانچہ یونیورسٹی کے کتب خانہ کے سات لاکھ کتب تباہ و برباد ہو گئے جس میں دو لاکھ کتب صرف انگریزی کے تھے۔

دفتر وزیر خارجیہ کی استدعا پر لندن میں ایک کمیٹی مقرر کی گئی ہے تاکہ انگلستان کے مختلف حصص میں یہ کوشش کی جاسے کہ قوم انگریزی جاپان کے لئے کتب انگریزی فراہم کر کے نقصان عظیم کی تلافی

انگلستان میں ۱۹۲۲ء اور ۱۹۲۳ء میں مدارس ابتدائی میں فی طالب علم تعلیمی اخراجات ایکسچینج ریٹ ہوئے جس میں سے (۵۰) روپیہ ٹیکس کی رقم سے ادا کئے گئے۔

انگلستان میں ۱۹۲۲ء اور ۱۹۲۳ء میں مدارس کے طبی معائنہ کے اخراجات کے مد میں تقریباً ایک کروڑ اکانوے لاکھ روپیہ صرف ہوئے اور طلبہ کو غذا مفت فراہم کرنے کے لئے تقریباً پچاس لاکھ کا صرفہ عاید ہوا۔

۱۹۰۰ء میں بمبئی یونیورسٹی کے جلسہ تقسیم انعامات کے موقع پر گورنر نے سائنس کی تعلیم گاہ قائم کرنے کی استدعا کی تھی جس کے جواب میں چند متمول حضرات نے لاکھوں روپیہ کا ڈھیر لگا دیا تھا۔ اور سرکار نے اس کے لئے اراضی بغیر معاوضہ کے پیش کی تھی۔ تعلیم گاہ کا آغاز ۱۹۱۱ء میں

ہوا اور پبلک ہال اور تعلیم گاہ کی عالیشان عمارتیں تیار ہوگئیں اور گورنر بمبئی نے اُن کے افتتاح کی رسم ادا کی اور رعایا کے لئے سائنس کی تعلیم کی ازحد ضرورت بتلائی۔ اس تعلیم گاہ میں وقت واحد میں ۵۰۰ طلبا عملی کام کرسکیں گے۔

سال حال ۳۳ف ضلع نلگنڈہ میں کانفرنس اساتذہ کا دوسرا سالانہ اجلاس بہ تواریخ ۲۰، ۲۸، ۲۹ دی ۳۳ف منعقد ہوا۔

کانفرنس کے ساتھ سال حال نمایش تعلیمی بھی قائم کی گئی تھی جس میں اشیا کنڈرگارٹن کے مٹی کے نمونہ۔ نقشہ جات۔ تصاویر۔ سوزن کاری کے نمونہ جات۔ مٹی کے اصطلاحات جغرافیہ کے ماڈل فراہم کئے گئے تھے۔

صحن مدرسہ میں حیدرآباد دکن۔ نلگنڈہ و ہندوستان و اصطلاحات جغرافیہ کے نقشہ جات آتش فشاں پہاڑ کے مٹی کے نقشہ جات مدرسہ کی عمارت و باغ کا چھوٹا سا نمونہ بھی بنایا گیا تھا کانفرنس کے شرکا کی تعداد تقریباً تین سو یعنے سال گزشتہ سے دوچند تھی جنم جلسہ پر جملہ شرکاء کانفرنس و صدر نشین صاحب کی عکسی تصویر لی گئی۔ اور اٹ ہوم دیا گیا۔

کانفرنس اساتذہ ضلع محبوب نگر کا پہلا سالانہ جلسہ ۱۵-۱۶-۱۷ فروردی ۳۳ف کو مدرسہ وسطانیہ محبوب نگر میں منعقد ہوا۔ ہر روز پہلا اجلاس ۹ سے بارہ بجے تک اور دوسرا اجلاس بوجہ تمازت آفتاب شام میں سات سے ۹ بجے تک ہوتا رہا۔ ضلع کے ہر گوشہ سے مدرسین نے کثیر تعداد میں شریک ہوکر ہر کارروائی میں از ابتدا تا انتہا عمیق دلچسپی و سرگرمی سے عملی حصہ لیا۔ تیسرے روز کانفرنس کا اختتام اسپورٹس اور اٹ ہوم پر ہوا۔

اس قسم کی کانفرنس ہر ضلع میں قائم کیجائیں تو مدرسین اور پبلک کیلئے بے حد مفید ثابت ہوں گی اور باشندگان مقامی کے دلوں پر سررشتہ تعلیمات کے متعلق خوشگوار اثرات پیدا کرنے کا موثر ذریعہ ثابت ہونگے۔

(۱) شملہ میں یونیورسٹیوں کی جو کانفرنس منعقد ہوئی تھی اس نے حسب ذیل چار کمیٹیاں ترتیب دی تھیں جن میں سے :-

پہلی کمیٹی یونیورسٹی کے پورا وقت کام کرنے والے پروفیسروں کے تقررات اور ان کی کارگزاریوں کے مسئلہ اور یونیورسٹی کے پروفیسروں کے تبادلوں کے مسائل پر غور کی اس کمیٹی میں جامعہ عثمانیہ کے جانب سے نواب [illegible] شریک تھے۔

(۲) دوسری کمیٹی نے کتب قانون کی کتابوں کے باہمی تبادلے کے مسئلہ اور ہندوستانی یونیورسٹیوں کے درمیان تعاون باہمی کے طریقے معلوم کرنے کا مسئلہ پر غور کیا اس میں جامعہ عثمانیہ کی جانب سے نواب مسعود جنگ شریک تھے۔

(۳) تیسری کمیٹی میں جس کا تقرر سائنس پر ایک ہندوستانی رسالہ شایع کرنے کے مسئلہ پر غور وخوض کرنے کے لئے کیا گیا تھا جامعہ عثمانیہ کی جانب سے نواب مسعود جنگ نے شرکت کی۔

(۴) چوتھی اور آخری کمیٹی میں بھی جامعہ عثمانیہ کی جانب سے نواب مسعود جنگ نے بھی شرکت فرمائی۔ (ٹائمس)

اشتہارات

شکنتلا
مولوی عزیز میرزا صاحب مرحوم

یعنی مہاکوی کالیداس کے ایک مشہور ناٹک کا ترجمہ مع ایک بسیط مقدمہ کے جس میں ہندو ڈراما کی تاریخ اور نوعیت پر مفصل بحث کی گئی ہے قیمت فی جلد..... (عہ)

مفتاح التعلیم
مولفہ
سید محمد حسین صاحب جعفری بی اے

اردو میں یہ پہلی کتاب ہے جس میں سلیس زبان و عام فہم پیرایہ میں یورپ کے جدید ترین اصول و طریقہ تعلیم گنڈر گارٹن تحریر کئے گئے ہیں اور ایسے طریقہ بتلائے گئے ہیں جس کی مطابق تعلیم مدارس تحتانیہ اضلاع میں ہو سکتی ہے۔ اسمیں جا بجا تصاویر دیکر مطلب واضح کیا گیا ہے قیمت فی جلد (عہ)

ہدایات برائے مدرسین
مولفہ
سید محمد حسین صاحب جعفری بی اے

حین معائنہ مدارس جس قدر بھی ہدایات دیجا سکتی ہیں وہ سب ایک کتاب کی صورت میں شائع کی گئی ہیں اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ اہم ترین اور معمولی ہر دو امور کے متعلق تفصیلی ہدایات درج ہیں قیمت فی جلد..... (عہ)

خلاصۃ تاریخ انگلستان
مولفہ
سسر نشر

ابتک اردو میں کوئی ایسی مختصر تاریخ انگلستان موجود نہیں تھی جس کے پڑھنے سے انگریزوں کے حالات معلوم ہو سکیں۔ یہ کتاب اگرچہ میٹرک کے نصاب میں داخل ہے مگر ہر شخص اس سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے قیمت فی جلد..... (عہ)

ملنے کا پتہ

دفتر "المعلم" حیدرآباد دکن

اعلیٰ حضرت قدر قدرت حضور پرنور بندگانعالی متعالی منظلہ العالی خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ

سے بذریعہ فرمان مبارک — یہ ذاتی شہر پناہ کی پیشگاہ حکیم الریاست

نوادہ اعظم جاہ دام اللہ اقبالہ و جلالہ

کے مبارک نام نامی — ربیع الاول ۱۳۴۱ف محرر شاہزادہ ہز لعزیز ولی عہد

اعظم اسٹیم پریس

سے موسوم کرنے کی اجازت عطا فرمائی گئی۔ ملک کی قدردانی اور کاروبار کی ترقی کے لحاظ سے ہر قسم کی بدرجۂ اعلیٰ لکھائی، چھپائی، رنگین و سادہ اور مصنفین کی سہولت۔ دفاتر سرکاری کے موقتی اور اہم کارہائے طباعت کے عمدہ اور فوری انجام پانے کا خاص اہتمام رکھا گیا ہے

سررشتۂ تعلیمات

کی ہر جماعت کے متعلقہ جملہ اصلی کتب نصاب خلاصہ جات و کتب عامی اردو۔ فارسی۔ عربی۔ انگریزی۔ تلنگی۔ مرہٹی

ڈرائنگ و تصاویر

جو بچوں کی ابتدائی تعلیم اور ڈرائنگ کے عملیات کے لئے مفید و کارآمد ہیں کتب ڈرائنگ کاپیاں و کپاس و تصاویر نباتات و جانوران وغیرہ

نقشہ جات

ہندوستان ایشیا۔ یورپ۔ افریقہ۔ امریکہ بھی موجود ہیں جن کی نہایت واجبی قیمت ہے

تفصیل کے لئے کتب خانۂ ہذا کی فہرست کتب مفت طلب فرما کر ملاحظہ فرمائی جائے

مشتہر

سید عبدالقادر تاجر کتب و پبلشر و مالک اعظم اسٹیم پریس چارمینار حیدرآباد دکن

۷۸۶
رجسٹرشدہ پہ سرکار عالی نشان ۳۸

جلد اوّل نمبر ۲

المعلّم

ع

(۲۰۱)

ماہ مہر سنہ ۱۳۳۳ ف

(۲۰۱)

مطبوعہ

اعظم اسٹیم پریس چاپینا

حیدرآباد دکن

قواعد

(۱) یہ خالص تعلیمی رسالہ ہے جس میں تعلیم کے مختلف شعبوں کے متعلق مضامین درج ہوں گے۔ سیاسی یا مذہبی مضامین شریک نہ کئے جائیں گے۔

(۲) یہ رسالہ ہر ماہ فصلی کے پہلے ہفتہ میں شایع ہوا کرے گا۔

(۳) پرچہ وصول نہ ہو تو ہر ماہ فصلی کی ۱۵ تاریخ تک خریدار صاحبان بحوالہ نمبر خریداری مطلع فرمائیں۔

(۴) جو مضامین ناقابل طبع متصور ہوں گے ان کی واپسی خرچہ ڈاک کی روانگی پر منحصر ہوگی۔

(۵) اس رسالہ کی قیمت سالانہ (پیشگی) مع محصول ڈاک ہے جو پیشگی لیجائے گی۔

(۶) اجرت طبع اشتہارات درج ذیل ہے۔

	اصفحہ	نصف صفحہ	ربع صفحہ
ماہانہ	۷	۴	۲
سہ ماہ	۱۹	۱۰	۵
ششماہ	۳۶	۱۸	۹
سالانہ	۶۴	۳۶	۱۸

(۷) مراسلت ایڈیٹر المعلم سے پتہ ذیل پر ہونی چاہئے۔

ایڈیٹر

دفتر المعلم بلدہ حیدرآباد دکن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جلد اوّل

فہرست مضامین

المعلم

(۱) مدرسین اور پبلک	ایڈیٹر	(۱ تا ۴)
(۲) پیمایش ذہن نمبر ۲	مولوی وہاج الدین صاحب پروفیسر اورنگ آباد کالج	(۵ تا ۹)
(۳) مصلحانِ تعلیم نمبر ۲	مولوی سجاد میرزا صاحب صدر مہتمم تعلیمات صوبہ گلبرگہ	(۱۰ تا ۱۱)
(۴) تدریس میں نکات	مولوی ملک سردار علیصاحب مہتمم تعلیمات ضلع نلگنڈہ	(۱۲ تا ۱۷)
(۵) بڑودہ کے کتب خانے	مولوی عبدالباری صاحب	(۱۸ تا ۲۰)
(۶) تبصرہ		(۲۰ تا ۲۳)
(۷) شذرات		(۲۳ تا ۲۶)
(۸) مضمون نگاری و ترجمہ اردو امتحان مڈل	ایڈیٹر سید محمد حسین صاحب سند یافتہ تعلیمات	(۲۶ تا ۳۲)

جلد اوّل	ماہ مہر ۱۳۳۳ف	نمبر ۲

مدرسین اور پبلک

دنیا تیزی کے ساتھ ترقی کر رہی ہے اہل دنیا کے خیالات میں آئے دن انقلابات واقع ہوتے جاتے ہیں۔ لیکن افسوس کہ ایشیا سے لیکر یورپ تک مدرسین کے متعلق کسی ملک کی سوسائٹی کے خیالات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ یورپ باوجود ترقی کے اعلیٰ زینہ پر پہونچنے کے دعوے نہیں کرسکتا۔ کہ وہ مدرسین کی حالت درست کرنے اور اُن کو سوسائٹی میں ان کی حیثیت کے موافق جگہ دینے میں کامیاب ہوا۔

آج تک بھی یورپ کے اکثر ممالک میں مدرسین کو سوسائٹی میں ممتاز اور باوقعت جگہ نصیب نہیں ہوئی۔ مدرسین کا وجود محض اس لئے سمجھا جاتا ہے۔ کہ بچوں کو تعلیم دیں اور اُن کی نگرانی کریں ان کے کھیل کود سیر و تماشہ میں شریک ہوں۔ عام تقریبوں میں ان کے ہمراہ رہیں۔ ان کی مٹھائی تقسیم کریں۔ اور اپنے گھر کا راستہ لیں۔ اعلیٰ جلسوں کی کرسیاں اور شاندار ضیافتوں کی میزیں ان کے وجود سے خالی نظر آتی ہیں۔ اور وہاں اس بیچارے کو بھولے سے بھی کوئی یاد نہیں کرتا۔

جب یورپ میں مدرس کی یہ عزت ہو۔ تو ایشیا اور ہندوستان کا کیا ذکر ہمارے ملک میں مدرسین کی جو عزت اور سوسائٹی میں جو وقعت ہے۔ اس سے گروہ مدرسین بخوبی واقف ہے۔ بیان کی ضرورت نہیں۔

ہماری رائے ناقص میں اب وہ وقت آجانا چاہئے۔ کہ گروہ مدرسین اپنی شخصیت اور وقعت سوسائٹی میں قائم کرے۔ اور ایک ممتاز جگہ سوسائٹی میں اپنے لئے پیدا کرے اپنی عزت اور وجاہت کی حفاظت کی ممکنہ تدابیر اختیار کرے۔ اور اُن کو جلد حاصل کرنے کے بہترین ذرایع اور وسائل پیدا کرے۔

ہمارے یہاں کتنے ہی مدارس کیوں نہ قائم ہوں۔ اور کیسے ہی لایق مدرسین کیوں نہ مامور ہوں لیکن ملک کی تعلیمی حالت اس وقت تک اُبھر نہیں سکے گی۔ جب تک کہ پبلک کے دلوں میں مدرسین کی وقعت اور عزت پیدا اور پبلک کو ان پر اعتماد کامل نہ ہو اور پبلک بجائے مخالفت کے ان کی معاونت پر آمادہ نہ ہو جائے۔ متمدن ممالک میں عموماً نیک نیتی سے ملکی امور پر نکتہ چینی ہوا کرتی ہے۔ اور صحیح اُصول پر ہونے کے سبب سے مفید ثابت ہوئی ہے۔ تنقید عوام مفید اثرات رکھتی ہے۔ لیکن کب؟ جبکہ یہ تنقید اور نکتہ چینی ہمدردانہ اور بے لوث ہو۔ اگر اس میں اغراض ذاتی اور مخالفت باہمی کا شائبہ بھی ہو تو غیر مفید اور بے اثر ہوتی ہے۔

گروہ مدرسین بھی عام نکتہ چینی سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتا۔ پس مدرسین کی یہ کوشش ہونی چاہیئے کہ پبلک کی نکتہ چینی کو ٹھنڈے دل سے سنیں۔ اور ان کے متعلق جو شکایات واجبی ہوں ان کو رفع اور اعتراضات اور الزامات سے برات حاصل کرنے کی سعی کریں اور اپنے قول و فعل سے پبلک میں اپنی ایسی وقعت قائم کریں کہ پبلک ان کی عزت کرنے پر مجبور ہو جائے ہمارے لئے اس ملک میں اس چیز کا حاصل کرنا بظاہر مشکل معلوم ہوتا ہے۔ ملک میں جہالت کی ابھی تاریکی باقی ہے۔ اہل ملک ابھی علم کی قدر و قیمت سے کماحقہ واقف نہیں ہوئے ان کو مدارس اور مدرسین سے کوئی واسطہ نہیں مدارس سے کوسوں بھاگتے اور مدرسین سے پناہ مانگتے ہیں۔ جو پڑھے لکھے ہیں ان میں ہمدردی مدارس ملک کی تعلیمی حالت سے ناواقف اگر کبھی امور تعلیمی میں زبان کھولے بھی تو اعتراضات پر پھر یہ اعتراضات بھی صحیح اصول پر مبنی نہیں ہوتے۔ اور نیک نیتی کی جھلک ان میں نہیں پائی جاتی۔ ہم ملک کی اس حالت سے ناامید نہ ہو کر لیس الانسان الا ما سعیٰ کہتے ہوئے آج سے اپنے مقصد کی تکمیل کا بیڑا اٹھالیں تو بہت جلد ہم ہی وہ لوگ ہوں گے جو ملک سے جہالت کی تاریکی کو دور اور پبلک کو اپنے طرف مائل کریں گے۔ اور اپنے گروہ کو ایک سربرآوردہ و باوقار گروہ بنائیں گے۔

الف سب سے پہلی چیز جو انسان کو سوسائٹی میں باوقعت اور ممتاز کرتی ہے۔ وہ اس کی ذاتی قابلیت اور لیاقت ہوتی ہے۔ صاحب کمال کسی حالت میں کیوں نہ ہو۔ سوسائٹی بوجہ اس کے کمال کے اس شخص کی عزت کرتی ہے۔ اور اس شخص کی خاص وجاہت قائم ہو جاتی ہے۔ پس مدرسین کو چاہیئے کہ ذاتی لیاقت پیدا کریں اور اس کو کام میں لائیں۔

ب انسان کے اچھے عادات اور اخلاق بھی اس کے لئے باعث عزت ہوتے ہیں۔ ہمدردی بنی نوع انسان کی اعلیٰ صفت بلکہ شرط انسانیت ہے۔ اگر مدرس ہمدردی کے وسیع مفہوم کو سمجھ کر اپنے دائرہ عمل کو اس پر منحصر کر دے اور اپنے بنی نوع کی

تا امکان اعانت کرنے پر آمادہ ہو جاے اور اپنی رفتار اور گفتار اور کردار سے اپنی نیت کو پبلک پر ظاہر اور ثابت کر دے تو بیشک خاص و عام میں وہ معزز و ممتاز ہو جائیگا۔ اور ترقی کرتے ہوئے۔ وہ اس درجہ پر پہونچے گا کہ قوم اسکے مبارک ہستی کی پرستش کرنے لگے گی اس کا ایک ایک لفظ قوم کے لئے قانون ہو جائے گا۔ اس کے اشارے پر قوم اپنی جان فدا کر دینے کے لئے دریغ نہ کرے گی تاریخ سے ہم کو ایسی ہستیوں کا نشان ملتا ہے۔

خودداری اور حمیت بھی انسان کے وقار کو قائم رکھنے کے لئے لازم ہیں۔ جو شخص اپنی آپ عزت نہیں کرتا۔ وہ دوسروں سے عزت کی توقع ہرگز نہ رکھے۔ ہر فرد بشر کا فرض ہے کہ جب اس کی عزت اور وقعت پر ناجائز حملہ کیا جائے۔ تو سنجیدگی متانت اور مستقل مزاجی۔ کے ساتھ تحفظ کرے۔ خودداری اور حمیت کی ضد بے حیائی ہو سکتی ہے۔ جب انسان خودداری کو ترک کرتا ہے۔ تو اس کا ضروری نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بے حیا ہو جاتا ہے۔ اور جب بے حیا ہو گیا تو سب کی نظروں میں ذلیل و خوار ہو گیا۔ ہمارے مدرسین کو چاہئے کہ۔ جیسا ان کے پیشہ کا مقتضا ہے۔ خودداری اور متانت اختیار کریں اور حمیت کو وقت ضرورت کام میں لائیں فقط

ایڈیٹر

پیمائش ذہن

نمبر ۲

ممکن ہے کہ بعض حضرات ہم پر یہ اعتراض کریں کہ مشاہدہ اطفال کی بنا پر جو رائے استاذہ یا والدین قائم کرتے ہیں اس میں اگرچہ معیاریت نہیں ہوتی پھر بھی (مصراعہ)

ہر کسے را بہر کارے ساختند

کی اہمیت کا اندازہ تو ضرور ہو جاتا ہے۔ اور اس اندازہ کی بنا پر جو "کام" طلبا کے لئے مقرر کیا جاتا ہے۔ اس میں وہ آگے چل کر کامیاب بھی ہوتے ہیں پھر جب اس طرح کام چل سکتا ہے۔ تو خواہ مخواہ کی دردسری سے کیا حاصل کہ سوالات مرتب کئے جائیں، ہزاروں طلبا پر ان کو آزمایا جائے۔ تب کہیں جا کر معیارات قائم کئے جائیں۔ بالکل یہی اعتراض بنٹ صاحب (BENET) پر بھی کیا گیا تھا۔ ایک معترض صاحب یوں گویا ہوئے "آپ جو پیمانہ ذہنی بنانے کی فکر میں ہیں تو آپ کی یہ سعی تحصیل حاصل ہے آپ ایک کھلے ہوئے دروازہ کو کھولنے کی کوشش کر رہے ہیں" دوسرے صاحب نے فرمایا "کوئی ایسا ہی بیوقوف استاد ہوگا جو اپنے شاگردوں کی ذہنی استعداد کا صحیح اندازہ نہ لگا سکے، اور اتنی سی بات کے لئے ایک ماہر نفسیات کا مرہون منت ہو" وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کے اعتراضات کبھی تعجب خیز نہیں ہو سکتے سالہائے سال سے لوگ چیچک کے ٹیکہ کے فوائد اپنے آنکھوں سے دیکھتے آئے ہیں لیکن بہت سے اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں۔ جو اپنے آپ کو اس کے قائل نہیں مانتے پھر اگر ایک ایسی علمی تحقیق جس سے لوگ روشناس بھی نہیں ہیں۔ اس قسم کے اعتراضات کئے جائیں تو اس میں دشکنی

کی کونسی بات ہے۔

کیا [illegible] ذہین واقعی ایک بیکار لاحاصل مشغلہ ہے؟ یا کیا استادوں کی رائے ان کے شاگردوں کی استعداد ذہنی کے بارہ میں، مستند پائی جاسکتی ہے؟ یا اس سے بھی [illegible] معتبر معیار کی ضرورت ہے؟ یہ سوالات ہیں جن کا جواب مضمون زیر بحث کی اہمیت کو [illegible] واضح کردے گا۔

کسی مدرس سے سوال کرو کہ "تمہاری جماعت میں جتنے طلبا ہیں ان کی لحاظ استعداد ذہنی اور فطری قابلیت کے کیونکر تقسیم کروگے؟" جواب یہی ملے گا کہ یہ سب کے سب تین حصوں میں منقسم ہیں۔ کچھ نہایت اعلیٰ درجہ کے ہیں، کچھ نہایت پست حالت میں ہیں اور کچھ اوسط ہیں۔ اب اگر تم یہ کہو کہ "اوسط" تو بہت ہی وسیع معنی رکھتا ہے، کیا تمہارا یہ مطلب ہے کہ جن طلبا کو تم نے اوسط کہا، وہ سب یکساں قابلیت رکھتے ہیں؟" تو اس کا جواب مدرس صاحب سے کچھ نہ بن آئے گا۔ اس لئے کہ انتہائی ذہین اور انتہائی غبی کی تشخیص تو آسان ہے لیکن طبقہ اوسط میں یہ دیکھنا کہ کوئی طالب علم درجہ انتہائی سے کتنا کم یا زیادہ ہے۔ بہت دشوار ہے، اور معیار بنانے کی جو کچھ ضرورت ہے وہ اس لئے ہے کہ فرداً فرداً ہر طالبعلم کی استعداد ذہنی کا اندازہ لگایا جاسکے۔ اور۔ اوسط طلبا میں جو باریک فرق ہیں، وہ معلوم ہوجائیں۔ مثال بالا میں مدرس کی حیثیت بالکل اس طبیب کی سی ہے جو ایک کثرتی اور نیم جان آدمی میں تو فرق کرسکے۔ لیکن صحت یا مرض کے درمیانی مدارج کی تشخیص سے قاصر ہو جس کی علالت جسمانی میں صرف یہ پہچان لینا کہ "فلاں شخص علیل ہے" کافی نہیں ہوسکتا بلکہ وجہ علالت۔ درجہ مرض۔ اعضائے رئیسہ پر اس کے اثرات کا جاننا بھی لازم ہے۔

اسی طرح سے کسی مدرس کا صرف یہ حکم لگا دینا کہ "فلاں غبی ہے" یا "فلاں ذہین ہے" اس وقت تک کارآمد نہیں ہوسکتا جب تک کہ اور بہت سی دوسری باتوں کے متعلق

واقفیت نہ حاصل کی جائے۔ مثلاً اگر استعداد اوسط سے کم ہے تو کس قدر؟ کمی کا باعث آیا قوائے عقلیہ کی کمزوری ہے۔ یا دیگر اسباب؟ اگر قوائے عقلیہ کمزور ہیں تو وہ کون کون سے ہیں؟ اگر دیگر اسباب کا اثر ہے تو وہ کیا ہیں؟ آیا فطری ناقابلیت ہے یا صحت جسمانی اور ماحول کے اثر سے یہ صورت ہوئی ہے؟ یا تعلیم کا نقص ہے؟ اس کی استعداد کو مدنظر رکھتے ہوئے کس قسم کی تعلیم اس کے لئے ضروری ہے؟ وغیرہ وغیرہ

اگر تمام مدرسین ان باتوں پر غور کریں اور ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ ان کی رائے محض رائے ہی ہوتی ہے۔ یا اس کا انحصار ان باتوں پر ہوتا ہے تو وہ ایک مستند اور عام معیار قابلیت، ایک پیمانۂ ذہنی یعنی ایسے پیمانہ کی ضرورت کو محسوس کئے بغیر نہ رہیں گے، جو فٹ رول کی طرح بچوں کے ذہن کی پیمایش بھی کر سکے۔

قبل اس کے کہ بنٹ (BENET) اور سیمان (SIMON) کے مرتبہ سوالات کی تفصیل دی جائے اور ان اصول اور قواعد کا بیان کیا جائے۔ جو ان سوالات کے لئے اساس کا کام دیتے ہیں نامناسب نہ ہوگا اگر اس موقع پر واقعات و شواہد کی رو سے ان غلط اندازوں اور تخمینوں کا بھی تھوڑا بہت ذکر کر دیا جائے جنکی بنا پر اساتذہ یا والدین اطفال کی استعداد ذہنی کا تعین کرتے ہیں۔ اور ان کی غلطی کے وجوہات بھی بتا دئے جائیں۔

سب سے بڑی وجہ اساتذہ کی غلط رایوں کی یہ ہے کہ ان کے دماغ میں "اوسط استعداد ذہنی" کے متعلق صاف اور واضح تصورات کا وجود ابتدا ہی سے نہیں ہوتا ہر مقابلہ یا موازنہ کے عمل میں سب سے ضروری چیز یہ ہوتی ہے کہ تعین معیار کیا جائے۔ جب تم کسی شخص کے غیر معمولی طور پر لانبے یا انتہا درجہ کے پست قد ہونے کے متعلق رائے قائم کرتے ہو، تو اس صورت میں نفس کا کیا عمل ہوتا ہے؟ ہر صورت میں رائے قائم کرنے سے پہلے تمہارے دماغ میں پہلے "اوسط قد" کا تصور پیدا ہوتا ہے، اور اسی سے مقابلہ کر کے تم فیصلہ کرتے ہو۔ اب اگر "اوسط قد" ۵ فٹ ۶ انچ کا ہو تو ۸ فٹ کے آدمی کو دیکھکر تم

ل ہی میں اس کے قد کا مقابلہ اپنے تصور موجود فی الذہن یعنی ۵ فٹ ۶ انچ سے کرتے ہو
ورتب کہیں جاکر اس نتیجہ پر پہونچتے ہو کہ یہ آدمی غیر معمولی طور پر لانبا ہے وقس علی ہذا
تھوڑی دیر کے لئے فرض کرو کہ تم شروع ہی سے کسی ایسے ملک میں رہتے ہو
کوئی۔ آدمی ۷ فٹ سے کم لانبا نہیں ہوتا، تو اس صورت میں تمہارا "اوسط" کا تصور
شاید ۶½ فٹ ہوتا۔ اب اس تصور کو لئے ہوئے تم ہندوستان میں آتے یا کسی اور
ملک میں جاتے تو، وہاں کے ۵ فٹ ۶ انچ کے باشندوں کے متعلق لازماً تمہاری یہ رائے
ہوتی کہ یہ اوسط سے بہت کم ہیں۔ حالانکہ بحیثیت مجموعی "اوسط قد" انسانی ۵ فٹ
۶ انچ مانا گیا ہے صورت اول الذکر میں تمہارا "تصور اوسط" محدود اور مخصوص تھا۔
جونہی کہ اس میں تعمیم کی صورت رونما ہوئی تمہاری غلطی رفع ہوگئی یعینہ یہی حال اس
تصور کا ہے جو کسی جماعت کی "اوسط استعداد ذہنی کے" متعلق مدرس کے دماغ میں
ہوتا ہے "میری جماعت میں فلاں لڑکا بہت ذہین ہے" فلاں اوسط درجہ کا طالبعلم ہے"
فلاں بہت کند ذہن ہے"۔ ان صورتوں میں دیکھو کہ موازنہ اور مقابلہ کس چیز سے کیا جاتا
ہے؟ معیار کس قدر محدود اور ناقص ہے؟ اس کی وجہ یہی ہے کہ ۳۰ یا ۳۵ طلباء جماعت
کے امتحان کی بنا پر یہ فیصلہ کیا گیا ہے۔ جس لڑکے کو یہ مدرس اپنے "اوسط طلباء جماعت"
سے مقابلہ کرکے "بہت ذہین کہہ" رہا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ جب اسی کا مقابلہ اس کے
ہم عمر دیگر طلباء مدارس سے کیا جائے تو شاید وہ اوسط۔ قرار پائے۔ یا اس سے بھی کم
مقصود اس تمام بحث سے یہ بتانا ہے کہ اُستادوں کا معیار "اوسط استعداد ذہنی"
بہت مخصوص اور محدود ہوتا ہے۔ جماعت کے اندازہ سے اس کا قیاس کرنا غلطی ہے
اور ضرورت ایک ایسے معیار یا پیمانہ کی ہے۔ جس کا اطلاق تعمیم کا پہلو لئے ہوئے ہو۔
دوسری وجہ اساتذہ کے غلط قیاسات کی یہ ہے کہ وہ اندازہ لگاتے وقت طالبعلم
کی عمر کا لحاظ نہیں کرتے بلکہ کل جماعت کی درسی اور کتابی قابلیت کی بنا پر کسی طالبعلم کی

استعداد ذہنی کے متعلق رائے قائم کرتے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہو سکتی ہے کہ فرض کرو کہ ایک طالبعلم عمر ۱۶ سال جماعت ٹمل میں پڑھتا ہے۔ ٹمل کی جو عمر رکھی گئی ہے۔ وہ ۱۴ سال کی ہے اب یہ طالبعلم بہت ممکن ہے کہ جماعت کے معیار سے ذہین کہا جا سکے کیا یہ قیاس صحیح کہا جا سکتا ہے؟

ممکن ہے کہ دوسرے سولہ سالہ لڑکوں کے مقابلہ میں یہ نسبتاً اوسط سے بھی کم ہو لیکن جماعت ٹمل کے اعتبار سے ذہین ہے۔ چونکہ انٹرمیڈیس کے لئے ۱۶ سال کی عمر مقرر ہے۔ لہذا اس طالبعلم کا مقابلہ درجہ انٹرمیڈیس کے اوسط طلباء سے کرنا چاہئے تاکہ حقیقی معنوں میں اس کی ذہنی قابلیت یا دماغی کمزوری کا حال معلوم ہو سکے۔ عمر کی زیادتی کی وجہ سے بھی بہت بڑا فرق واقع ہوتا ہے۔ ایک ۱۲ سالہ لڑکا جماعت اوّل میں ممکن ہے بلکہ یقینی طور پر سب سے بہتر ہوگا۔ لیکن تعجب نہ ہوگا۔ اگر یہی لڑکا جب عام طور پر ۱۲ سال کے طلباء کی استعداد ذہنی سے اس کا مقابلہ کیا جائے تو بڑا گاؤدی اور کند ذہن ثابت ہو۔ ماہ آیندہ کے پرچے میں چند اس کی مثالیں درج کیجائیں گی فقط (باقی دارد)

سراج الدین

مصلحانِ تعلیم

(کامنیس)

نمبر ۲

کامنیس نے تعلیمی درسگاہوں کی چار درجوں میں تقسیم کی ہے اور حق یہ ہے کہ یہ تقسیم اسقدر عمدہ اصولوں پر کی گئی ہے۔ کہ اب تک قائم ہے۔

درسگاہوں کے چار درجے یہ ہیں۔ انفنٹ اسکول (گلشن اطفال) پرائمری اسکول (مدرسہ تحتانیہ) سیکنڈری اسکول (مدرسہ ثانوی) ہائی اسکول (یونیورسٹی)

گلشن اطفال لکھتا ہے کہ ماں بچے کی سب سے پہلی معلم ہے۔ لہذا وہ بچہ کو اُن معلومات سے واقف کرائے جن کی مدرسہ تحتانیہ میں ضرورت ہے۔ ان میں مستعدی کی عادت ڈالے مشغول رکھکر کام سے رغبت پیدا کرے۔ بچوں کو ایک جگہ جمع کرنے سے آپس کے میل ملاپ سے جو قوائے ذہنی کے نشو ونما میں مدد ملتی ہے اس میں تقویت دے مختصر یہ کہ گہوارہ یا گلشن اطفال کی ابتدائی تجویز کامنیس کا نتیجہ ہے۔

مدرسہ تحتانیہ اس میں لڑکے اور لڑکیوں کو مساوی حیثیت سے چھ برس کی عمر میں داخل کیا جائے۔ ساری تعلیم عام رواج کے خلاف مادری زبان میں دیجائے اس طبقہ میں ایسا نصاب رکھا جائے کہ وہ بذات خود مکمل ہو۔ اور اس کے ساتھ ہی مدرسہ ثانوی کے لئے بھی تیار کرے۔ اس میں جبری تعلیم غریب و امیر سب کے لئے یکساں ہونی چاہئے۔

تعلیم ثانوی بارہ برس کی عمر میں ثانوی تعلیم شروع ہونی چاہئے۔ تعلیم کی بنیاد مشاہدۂ فطرت و غور و خوض پر رکھنی چاہئے مدارس میں یہ نہ کہنا چاہئے کہ فلاں بات کو مان لو بلکہ استادوں کا فرض ہونا چاہئے کہ ہر اصول و واقعہ کو ثابت کرکے طالب علموں کے ذہن

ریں۔ اسکولوں میں بجائے لفظی مناظرے کے مشاہدات سے کام لیا جائے۔ معلومات پر اضافہ کرنے کی کوشش کیجائے۔

یونیورسٹی ثانوی تعلیم کے اختتام پر یونیورسٹی میں پڑھنے اور اس کے بعد سیر و سیاحت سے تجربہ حاصل کرنے کے واسطے وہی چھ سال کی مدت رکھی گئی ہے۔ بالفاظ دیگر تکمیل تعلیم کالجیٹ کے نصاب کے مطابق چوبیس برس کی عمر میں ہوتی ہے۔

تنظیم درسگاہ طالبعلم کی شش سالہ مدت تعلیم کی مناسبت کے لحاظ سے ہر مدرسہ کو چھ درجوں میں تقسیم کرنا چاہئے۔ مدرسہ صبح میں دو گھنٹے اور شام میں دو گھنٹے کام کرے۔ اس درمیان میں طلبا بطور خود دو گھنٹے مطالعہ کریں۔ صبح میں دماغ و حافظہ سے اور شام میں جسم و آواز سے کام لیا جائے۔ ہر درجہ کی خاص کتاب درسی ہونی چاہئے جس میں تمام اسباق لکھے ہوئے تیار رہیں۔ اگر کوئی سبق زبانی یاد کرانا مقصود ہو تو اُستاد کو وہ خود باآواز بلند پڑھنا چاہئے۔ اس کے بعد طالبعلم کو یہی کرنا چاہئے۔ یہاں تک کہ وہ سبق یاد ہو جائے پھر اس سبق کو لکھانا چاہئے۔ مدرسہ ثانوی میں کوئی ایک جدید زبان پڑھانی چاہئے۔

باقی آیندہ

سجاد مرزا

تدریس میں تکان

ہر ایک کام شوق و خواہش سے پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے اور جس کام کے لئے شوق ہی نہ ہو شاذ و نادر ہی سرانجام پاتا ہے۔ جب کوئی کاریگر مسلسل کام کرنے سے بیزار ہو جاتا ہے پھر عمدگی کے ساتھ کام کو پورا نہیں کر سکتا۔ متعدد مدرسین و معلمین کو کہتے سنا ہے کہ باوجود محنت شاقہ طلبا اپنے اسباق کو یاد نہیں کرتے۔ اکثر مدرسین گھنٹوں بکمال رعب و داب اپنے شاگردوں کے سر پر فرشتۂ اجل بنے ہوئے اسی دھن میں بیٹھے رہتے ہیں کہ کسی طرح مقررہ اسباق جلد یاد کرالیں یا کوئی حسابی اصول جلد سکھلا دیا جائے مگر اس بھاری ریاضت کے باوجود بھی کوئی مفید نتیجہ برآمد نہ ہونے پر یاس و ناامیدی سے ہی دوچار ہوتے ہیں اور اپنی اس ناکامیابی کو طلبا کی کم فہمی و کند ذہنی پر محمول کر دیتے ہیں لیکن اوقات تدریس میں بہ نظر تعمق حرکات طفلی کا مشاہدہ کرنیوالا فوراً تاڑ لیتا ہے کہ اُن کا نفس کن کن کیفیتوں کا شکار بنا ہوا ہے۔ ایک بچہ تو بے توجہی کی وجہ اس قدر ستم ڈھاتا ہے کہ سبق متعلقہ کی سطروں کی بھول بھٹک تو کجا وہ دوسرے ہی انگشت نمائی کر رہا ہے مگر ورد زبان وہی الفاظ و جملے ہیں جو دوسروں سے سنے جاتے ہیں۔ دوسرا پاؤں کے ناخن تراشتا یا قلمتراش سے پنسل کی ہی مرمت شروع کر دیتا ہے۔ تیسرا کسی قدر صورت بگاڑے ہوئے بغلوں کی کھجلی کے رفع کرنے میں اس طرح مشغول ہے کہ گویا ابھی بستر سے اٹھا ہے۔ سب سے پیچھے کی صف کا لڑکا پیچھے کی دیوار پر پنسل سے نقش و نگار کرتے ہوئے بورڈ کے لکھے ہوئے الفاظ کو زبان سے بدستور ادا کر رہا ہے۔ ان تمام بدنما حرکات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ طلبا پڑھتے پڑھتے تھک گئے ہیں اور اب عالم بیزاری میں سبق موجودہ کو ملتوی رکھنے کی خواہش کا اظہار کر رہے ہیں۔

تکان دو طرح کی ہوتی ہے ایک جسمانی دوسری نفسی۔ جسمانی تکان میں اعضا زیادہ
با[illegible] ماندے ہوئے خواہاں راحت ہوتے ہیں ایسی صورت میں انہیں لازمی طور پر معطل ہی کر کے
آرام لینے کی ضرورت ہوتی ہے نفسی تکان مسلسل دماغی ریاضت یا اہم مسائل پر غور و خوض
کرنے سے رونما ہوتی ہے۔ مدرسہ سے متعلق ان ہر دو اقسام پر بحث کرنا ضروری ہے۔ مسلسل
انشاء پردازی یا ڈرائینگ جیسی باعث تکلیف ہوتی ہے، ویسے ہی کسی طویل نظم کا حفظ
کرنا یا کسی حسابی مسئلہ پر مسلسل غور و خوض کرنا بھی باعث تکلیف ہے۔ نیز یہ امر بھی قابل غور ہے
ہر دو ایک دوسرے سے بالکل جدا نہیں بلکہ باہمی تاثر ضرور پایا جاتا ہے۔ کرکٹ یا ہاکی سے
تھک کر آتے ہی کسی پیچیدہ سوال کے متعلق غور کرنا بیحد مشکل معلوم ہوتا ہے۔

تکان سے بچنے یا بچانے کے لئے ضروری ہے کہ اُن اسباب پر غور کیا جائے جن سے
اُس کا وجود ظہور پذیر ہوتا ہے جب کسی کام پر قوت صرف ہوتی ہے تو یقیناً قوت میں کمی واقع
ہوتی ہے اس لئے کوئی جسمانی کام کرتے وقت ہماری رگوں و پٹھوں میں سے قوت پیدا کرنیوالے
مادے زائل ہو جاتے ہیں تو اُن کی بجائے بیکار و فضلہ رہ جاتا ہے جو علاوہ ناکارہ ہونے کے ایک طرح سے
مضر تاثیر ہوتا ہے یعنی دوسری جانب سے مواد قوی کے [illegible] میں مزاحمت کرتا ہے اور دوران
خون [illegible] تمام جسم میں پھیل جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ دور دراز کا پیدل سفر کرنے کے بعد
نہ صرف پاؤں میں ہی بلکہ سر اور بازوؤں اور کندھوں میں بھی تکان کے علامات پائے جاتے ہیں
اس کے علاوہ کسی ریاضت میں مشغول ہوتے وقت آزادی سے سانس نہ ملنے کی وجہ سے جسم
میں آکسیجن کم ہو جاتی ہے اور دم پھولنے لگتا ہے نفسی تکان کے بھی یہی اسباب ہیں یعنے
دماغ پر جو نفس کا آلۂ عمل ہے بار پڑنے سے اعلیٰ دماغی اعصاب میں سے مواد قوت زائل ہو کر
اُن کی بجائے مضر فضلہ رہ جاتا ہے اور خون کے دوران میں مزاحمت کر کے باعث تصدیع
بنتا ہے۔

ایسی حالت میں بدیہی ان اسباب کو رفع کرنے سے ہی نجات ملسکتی ہے۔ فطرتاً نیند و راحت

نہایت موزوں ثابت ہوتے ہیں۔ ایک مزدور یا کسان دن بھر محنت کرنے کے بعد رات کو خوب چین کی نیند سونے سے ہی ہلکا ہوتا ہے۔ مسلسل دماغی کام کرنے سے آرام کرسی لیٹنا تکان کے لئے مصلح ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس طرح سے فضلہ ناکارہ خون کی دوران کے ذریعہ جلد نکل کر اپنی اصلی جگہ آجاتا ہے۔ کسی ایسی غذا کا استعمال کرنا بھی تکان کو جلد رفع کر دیتا ہے جس سے قوت پیدا کرنے کے مواد رگوں میں پیدا ہو سکیں اور زائل شدہ قوت کے برقرار ہوتے ہی پھر اچھی کام کرنے کی قابلیت ہو جاتی ہے مدرسہ کے طلبا متذکرہ بالا ہر دو طریقے اختیار کرنے سے قاصر ہو کر بے توجہی کا اظہار کرتے ہیں اور اس طرح سے تکان رفع کر لیتے ہیں۔ کیا اچھا ہو کہ خود مدرس ہی چند لمحوں کے لئے ایسے وقت پر طلبہ کو آرام لینے کی اجازت دے تاکہ دل کھول کر راحت حاصل کر سکیں پھر تو بقول غالب یہ کہہ اٹھینگے۔

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

لیکن سب سے زیادہ موزوں و مناسب طریقہ جو تکان رفع کرنے کے لئے مدرس کو اختیار کرنا چاہئے وہ یہ ہے کہ جب تکان کے آثار نمودار ہوں طلبا کو باہر کھلی ہوا میں لیجا کر کسی فرحت بخش اور دلچسپ مشغلے میں لگا دیا جائے مثلاً فٹ بال۔ ویسی کھیل۔ باغبانی وغیرہ۔ تاکہ سے ضبط میں کسی قسم کا خلل واقع نہ ہو یا کوئی بیجا شرارت ہی نہ سوجھے زیادہ دیر تک بیکار رہنا بھی تکلیف دہ و باعث تکان ثابت ہوتی ہے۔ مسلسل ایک گھنٹہ تک جماعت کو چپ چاپ بیٹھنا پڑے تو تھوڑے ہی عرصہ میں انگڑائیوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے واضح رہے کہ ڈرل فرحت بخش مشغلہ نہیں ہے بلکہ تکان پیدا کرنے میں دیگر مضامین نصاب سے کچھ کم نہیں۔

مدرس کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ تکان کی علامات کا مشاہدہ کرے اس لئے وقتاً فوقتاً جماعت میں تکان کا اظہار کرنے والے طلبا کی علامات کو بغور دیکھا جائے۔ تھکا ہوا طالب العلم

کسی کام کو کرتے وقت بہت کم قوت کا اظہار کریگا صبح کے وقت مدرسہ آتے ہوئے اکثر طلبا اچھلتے کودتے اور غیر معمولی چستی و طراری دکھاتے ہیں مگر بر خلاف کے وقت گھر جاتے ہوئے شکستہ پور نظر آتے ہیں کئی بار کتابیں ہاتھ سے نیچے گر پڑتی ہیں آنکھیں بھری ہوئی اور ادھر ادھر گشت لگاتی ہیں۔ چہرہ بے رونق اور قدرے مغموم ہوتا ہے آواز مدھم اور بدلی ہوئی پکارنے پر غیر معمولی زور سے جواب ملتا ہے جس سے صاف بیزاری ظاہر ہوتی ہے۔ ہاتھوں کی اینٹھن کا ادھر ادھر موڑنا اور پاؤں کی پوزیشن میں متعدد تغیرات۔ نوجوان لڑکیوں کی داؤں سے لتے ہیں۔ سر ایک طرف کو جھکے ہوئے۔ پیٹھ کسی قدر خمیدہ اور دست و بازو کا کچھ ایسی بے ہنگامی سے لٹکنا چھپائے سے بھی تکان نہیں چھپ سکتی۔ وہ بچے جو کچھ عرصہ تک روزمرہ کی تکان کا شکار ہوا کرتے ہیں بہت جلد نحیف و نزار اور زرد رو ہوتے جاتے ہیں۔

عمر اور جنس کے لحاظ سے تکان پیدا ہوتی ہے بچے اور بوڑھے بہ نسبت جوانوں کے جلد تھک جاتے ہیں اسی طرح لڑکی لڑکے کی بہ نسبت جلد تکان محسوس کرتی ہے اس لئے مناسب یہی ہے کہ عمر اور جنس کا لحاظ کرتے نصاب تعلیم مقرر کیا جائے۔ صغیر سے دوم تک کے لڑکوں کو ہوم ورک بنا مضر ہوتا ہے اوقات مدرسہ کی ہی تعلیم ان کے لئے کافی سمجھی گئی ہے اسی طرح نوعیت کی مختلف تاثیر موسم کا بھی بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔ حکائی کے پچاس سادہ سوالات حل کرنے سے اتنی تکان نہیں ہوتی جتنی پانچ عبارتی سوالات کے حل کرنے میں ہوتی ہے اسی طرح موسم سرما و گرما میں (تسلسل کار کا بہ الامتیاز فرق) ظاہر ہوتا ہے۔ نیز یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ غذا کھانے کے بہت دیر بعد تھوڑی سی محنت سے بھی بہت جلد تکان محسوس ہونے لگتی ہے اسی لئے اصول حفظان صحت کی رو سے بچوں کو بغیر ناشتہ کئے مدرسہ نہیں آنا چاہئے

یہ نہایت ضروری ہے کہ مختلف طبائع کے طلبہ کو ایک ہی جماعت میں رکھکر اُن کی طبائع کے لحاظ سے اُن سے کام لیا جائے موسم گرما میں اکثر ابتدائی جماعتوں میں بعض نازک طبع طلبا بیہوش ہو کر گر پڑتے ہیں۔ اس امر کی نگرانی کرنا مدرس کا عین فرض ہے کہ ایسے طلبا پر زیادہ

بار نہ پڑے بلحاظ اختلاف طبائع چار قسم کے طلبا کا ضرور لحاظ ہونا چاہئے اولاً وہ طلبا جو چھوٹتے ہی کسی کام کو نہایت مستعدی و دلیری سے کرنے لگتے ہیں مگر بہت جلد پست ہو کر بہت ہار بیٹھتے ہیں پیشتر اس کے کہ اُن کے اس طرح پست ہمت ہونیکا وقت آغاز ہو اُنہیں کام سے ہٹا دینا چاہئے۔ ثانیاً ایسے طلبا جو نہایت سنجیدگی و متانت سے آہستہ آہستہ آخر دم تک چلے جاتے ہیں ان کے متعلق مدرس صاحب کو کسی قسم کا اندیشہ نہیں ہو سکتا۔ ثالثاً ایسے طلبا جو آہستہ شروع کرتے ہیں مگر بعد میں تیز ہو جاتے ہیں ابتدائی حالت دیکھکر اُن کو سخت سُست کہنا اور دلشکنی کرنا موجب نقصان ہے۔ رابعاً ایسے کمزور اور واجب الرحم جو آہستہ شروع کرکے جلد تھک جاتے ہیں اُن کو متعدد بار بتدریج چھوٹی چھوٹی مشقیں دینا مفید ہوگا۔

اکثر ناتجربہ کار و جدید مدرسین کے لئے ایسی مختلف طبائع کی تمیز کرنا قدرے مشکل ہوگا اس کے لئے مختلف تجربات کئے جانے پر خاصی معلومات حاصل ہو سکتی ہیں بڑے بڑے شہروں کے مدارس میں مختلف آلات کے ذرائع سے یہ سہولت لکان کا پتہ چل جاتا ہے مگر دیہاتی مدارس میں بھی حسب ذیل طریقوں سے معمولی واقفیت بہم پہنچ سکتی ہے۔

چند طالب علموں کو نصف گھنٹہ تک یہ مشق دیجائے کہ ۷ میں ۷ جمع کرکے حاصل جمع تا ئین نصف گھنٹہ تک اس طرح پانچ پانچ جمع کرکے لکھتے جائیں (۷-۱۲-۱۷-۲۲-۲۷-۳۲ الخ) تو اس سے مدرس بہت جلد معلوم کر سکتا ہے کہ کون طالب علم ابتدائی لمحوں میں اچھا کام کرنے کی قابلیت رکھتا ہے کون آخر تک بتدریج صحت کے ساتھ جاتا ہے اور کون بہت جلد تھک کر بیشمار غلطیوں کا مرتکب ہوتا ہے۔

چند صفحوں میں سطریں اور الفاظ شمار کرو لنے یا طویل املا لکھانے یا ایک گھنٹہ میں کسی نظم کے چند اشعار حفظ کرا نے سے بھی نتائج مطلوبہ برآمد ہو سکتے ہیں۔

اوقات تدریس میں لکان صادق و لکان کاذب میں امتیاز کرنا بھی نہایت ضروری ہے لکان کاذب دراصل لکان نہیں ہے طالب علم کسی مضمون میں دلچسپی نہ رکھنے کی وجہ سے

یا کسی مضمون کو بہت ہی آسان سمجھتے ہوئے اس سے بیزاری کا اظہار کرتا ہے یا یہ بھی ممکن ہے کہ ایک ہی مضمون کو مسلسل طور پر کرنے سے طبیعت اُکتا جاتی ہے اس کے لئے یہی بہتر ہے کہ مضمون بدلدیا جائے۔ حساب میں بیزاری کے آثار دیکھنے پر خوانگی کا سبق شروع کردیا جائے یا املا میں طبیعت اکتا جانے پر جغرافیہ یا سبق الاشیاء لیا جائے۔ مگر تکان صادق میں یہ نہیں ہوسکتا کہ کام بدلدیا جائے اُس کے رفع کرنے کے لئے بھی ضروری ولازمی ہے کہ کام بالکل ترک کردیا جائے۔

بعض اوقات ٹائم ٹیبل تیار کرنے میں ایک صریح غلطی کا ارتکاب کیا جاتا ہے کہ سبق الاشیاء املا اور جغرافیہ ابتدائی اوقات میں رکھکر حساب و زبان دوم جو مشکل اور اہم ہیں بعد میں رکھتے ہیں اس لئے تکان کے مدوجزر سے واقف ہونا نہایت ضروری ہے۔ چار بجے صبح سے نو دس بجے صبح تک کام کرنے کی قوت زیادہ رہتی ہے اور تکان بالکل محسوس نہیں ہوتی نو دس بجے کے بعد سے تکان کا زور شروع ہوکر بارہ ایک بجے یعنے کھانا کھانے تک بڑھتا رہتا ہے کھانا کھاتے ہی پھر قوت زور دکھاتی ہے اور تین چار بجے تک قوت عمل بڑھتے ہوئے پھر تکان سے مات کھاتی ہے اور شام تک تکان خوب زوروں پر پہنچ جاتی ہے اس لئے صبح اور سہ پہر کے ابتدائی گھنٹوں میں ضروری اور اہم کام لینا بہت مفید ہوگا۔

پس طلبا کو تکان سے بچانے کے لئے مدرس کو چند اصولوں پر کاربند ہونا بہت ضروری ہے محنت لینے میں چھوٹے چھوٹے وقفے دے کر بتدریج اضافہ کیا جائے۔ مشکل اور آسان مضامین یکے بعد دیگرے بدل بدل کر لئے جائیں۔ صرف تکان کاذب کی حد تک تبدیلی مشاغل کا نسخہ استعمال کیا جائے۔ طلبہ کو تکان کاذب پر غالب آنے اور قوت عمل میں کفایت شعاری اختیار کرنے کا عادی بنایا جائے فقط

ملک سردار علی خان

بڑودہ کے کتب خانے

بیس سال قبل مہاراجہ گیکوار بڑودہ نے مفت اور لازمی ابتدائی تعلیم کے اصول کو ہندوستان میں رواج دیا جو چند سال ہوئے کہ برٹش انڈیا کے اضلاع میں مختلف صوبوں میں یہ اختیار کیا گیا اور ایک واقعہ جو کم مشہور ہے لیکن جس کی اہمیت ہندوستان کی تعلیمی معاملات میں اُس سے کسی قدر کم نہیں یہ ہے کہ مہاراجہ نے چودہ سال پیشتر اپنے ممالک محروسہ کے تمام حصوں میں مفت کتب خانے بہ امداد سرکار قائم کرنے کی بناء ڈالی۔ اس معاملہ میں اس وقت مختلف صوبہ جات اور دیسی ریاستوں میں مہاراجہ گیکوار کی بہت کم تقلید کی گئی لیکن آخرکار ایک بیحد ضروری تحریک "آدمیوں کی تعلیمی ترقی" کی وجہ سے اس طرف توجہ کیجارہی ہے۔

ووٹ دہندہ اصلاح آئین نے ووٹ دہندہ کی ایک نئی جماعت قائم کردی ہے جن میں سے اکثر اشخاص نوشت وخواند سے نابلد ہیں۔ لاکھوں لڑکے اور لڑکیاں جو عہد طفولیت میں تحتانی مدارس میں بھیجے جاتے ہیں۔ کچھ تو اس وجہ سے کہ وہ نہایت کم عمری میں مدارس سے علیحدہ کئے جاکر کھیتی باڑی میں لگا دئے جاتے ہیں۔ اور کچھ مطالعہ کا مذاق پیدا ہونیکا موقع نہ ملنے کیوجہ سے ناخواندہ رہجاتے ہیں۔ کئی ایک صوبہ جات میں اور خصوصاً بمبئی میں "تعلیم بالغان" کی تحریک کے ساتھ ساتھ قصبات میں کتب خانوں کو ترقی دینے اور رات کے مدارس قائم کرنے کی بھی کوشش کیجارہی ہے۔ تحقیقاتی کمیشن جو جنگ کے بعد مشن کی زیر نگرانی دیہاتی تعلیم کی رپورٹ پیش کرنے کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ بیان کرتا ہے کہ اسی مشن نے جس نے دیہات کے نوجوانوں کو ابتدائی تعلیم دینے کے لئے بہت کچھ کہا ہے "سیفری کتب خانہ" کی اہمیت اور اس کے اصلی نتائج کو نظر انداز کردیا۔

کمیٹی نے بڑودہ کی مثال کو قابل تقلید بیان کیا۔ "دی لائبریری سسٹم آف بڑودہ اسٹیٹ" مرکزی کتب خانہ بڑودہ کی تازہ ترین اشاعت سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہاں ۲۳ شہری اور ۵۸۰ دیہاتی کتب خانے اور ۹۰ دارالمطالعے ہیں۔ ان تمام کے سالانہ اخراجات اسی ہزار روپیہ ہیں اس میں گورنمنٹ ۲۳ ہزار دیتی ہے۔ مجالس اضلاع ۳۵ ہزار اور بقیہ رقم کی عطیات تکمیل کرتی ہے۔

اکثر دیہات میں کتب خانوں کی امداد اس اختیاری محصول شادی کے ذریعہ کیجاتی ہے جو عموماً بخوشی ادا کیا جاتا ہے۔ اس وجہ سے کہ دہقان اپنے کتب خانہ پر فخر کرتا ہے و نیز شادی و خوشی کے مواقع پر ضرورت سے زیادہ روپیہ صرف ہوتا ہے۔ جہاں دو منزلہ مکان لیا جاتا ہے۔ وہاں مکان کے نچلے حصہ کا کرایہ کتب خانہ کو دیدیا جاتا ہے۔ روپیہ جمع کرنے کا عام طریقہ یہ ہے کہ سربرآوردہ باشندوں سے سالانہ چندہ وصول کیا جائے۔ کتب خانوں کے اخراجات بہت کم ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ زیادہ تر لوگ برضا و رغبت بلا معاوضہ اسکی خدمت کرتے ہیں۔ مہاراجہ گیکواڑ نے افتتاح کتب خانہ کے وقت اپنا خانگی (۲۰) ہزار کتابوں کا ذخیرہ عطا کرکے فیاضی کی ایک بہترین مثال قائم کی۔ اور یہ مرکزی کتب خانہ کا ابتدائی سرمایہ ہے۔ اور اب کتب کی مجموعی تعداد ایک لاکھ تک پہونچ گئی ہے اس کی ترتیب و انتظام کے لئے مہاراجہ نے مسٹر ڈلیو۔ اے بارڈن ایک امریکن کو منتخب کیا جس نے اپنے تین سالہ قیام بڑودہ میں مرکزی کتب خانہ کی ترتیب دی۔

تمام قواعد جدید طرز پر مرتب کئے گئے۔ شہر بڑودہ میں کتب مستعار دینے کے لئے "دستور داخلہ عام" جاری کیا جو کہ امریکہ میں عام طور پر رائج ہے۔ اور انگلستان میں دن بدن زیادہ مقبول ہو رہا ہے۔

بچوں کے لئے ایک کھیل کا کمرہ بھی ہے۔ یہ بہت وسیع اور ہوادار ہال ہے۔ جو خوب آراستہ اور پیراستہ ہے جس میں انگریزی اور دیسی زبانوں کی کتب اور مختلف

کھیلوں اور مشاغل تفریح کا انتظام کیا گیا ہے کبھی کبھی کسی مدرسہ کو یا اس کے کچھ حصہ کو خاص تقاریب کے موقع پر (جو کہانیوں کے بیان کرنے اور سینما وغیرہ کے دکھانے پر مشتمل ہیں) مدعو کیا جاتا ہے۔ ہم نے سنا ہے کہ ناظرین کمرے کی آراستگی اور دلفریب نظارہ سے (جہاں مختلف عمر اقوام اور طبقوں کے لڑکے اپنے مرغوب طبع کھیلوں میں بصد ذوق وشوق مشغول رہتے ہیں) بیحد متاثر ہوتے ہیں، اس شعبہ اور اس کے متصلہ عورتوں کے دارالمطالعہ کی نگرانی ایک لیڈی منتظم کتب خانہ کے تفویض ہے۔

پندرہ یا بیس کتابوں کے صندوق دو یا تین ماہ کے لئے مقامی کتب خانوں، مدارس، کلب، کارخانوں، اور کسی معتبر شخص کو اپنی کتابوں میں اضافہ کرنے کے لئے عارضی طور پر دیئے جاتے ہیں تاکہ وہ اپنے محلوں میں مرکزی کتب خانہ کے مقررہ قوانین کی پابندی کرتے ہوئے۔ مطالعہ کے لئے کتابیں مستعار دیں۔ (ٹائمس)

عبدالباری

تبصرہ

رپورٹ محکمہ تعلیمات ریاست میسور بابت ۱۹۲۲-۲۳ء

اس رپورٹ کے معائنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دوران سال ۱۹۲۲-۲۳ء میں محکمہ سرکار و سررشتہ تعلیمات دونوں ریاست میسور کے تعلیمی حالت کی اصلاح میں منہمک تھے۔ سررشتہ تعلیمات کی یہ کوشش تھی کہ سالگذشتہ کی داغ بیل کو عملی جامہ پہنائے اور آئندہ کے واسطے "یادداشت تعلیم" کے مطابق تفصیلی تجویزات تیار کرکے منظوری حاصل کرے۔

"یادداشت تعلیم" ایک بڑی اسکیم ہے جو میسور کی تمام تعلیمی جدوجہد و تحریکات کا منبع ہے یہ ایک نہایت وسیع نظام العمل ہے جو بڑے غور و خوض کے بعد تیار کیا گیا ہے۔ اس کے تحت تفصیلی اسکیمات تیار کی جاتی ہیں۔ جن کی تکمیل کے واسطے ہمارے خیال میں کئی سال کی مسلسل کوشش درکار ہوگی۔

سال زیر رپورٹ میں اس نظام العمل کی کئی ہدایات کو پورا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مثلاً کل مدارس کے اعداد و شمار ترتیب دئے گئے ہیں۔ ڈھائی سو امدادی مدارس کو ہر پانچویں سال شاہی مدارس بنانے کا پروگرام تیار کیا گیا ہے۔ ابتدائی و ثانوی مدارس کے مدرسین کے مدارج تنخواہ کی اصلاح کی گئی ہے۔ اسکول کمیٹیاں قائم کی گئی ہیں میونی سیپالٹی میں تعلیمی ٹیکس لگا دیا گیا۔ صنعت و حرفت کے مدارس نسواں میں مادری زبان کو ذریعہ تعلیم قرار دیا گیا ہے۔ یہ امر قابل قدر ہے کہ دیگر علوم کی تعلیم کے واسطے جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کن کی طرح مادری زبان ہی ذریعہ تعلیم کر دیجائے گی رپورٹ پر تفصیلی نظر ڈالنے سے واضح ہوتا ہے کہ ہمہ قسم کے مدارس کی تعداد بمقابلہ سال گذشتہ کے ۱۹۱ ۸۶ کے ۸۷۰۹۲ یعنے ۱۹۱ مدارس کا اضافہ بزمانہ تخفیف اخراجات ہوا ہے۔ بادی النظر میں یہ حیرت انگیز معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ محکمۂ تعلیمات نے اپنے تجربہ کی بنا پر اصلاح مدارس وسطانیہ کے وقت تحتانیہ جماعتوں کو بالکل علیحدہ کر دیا اور ان کو بذات خود مدرسہ گردانا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ہمارے ہاں کے عمل کے برخلاف ریاست میسور میں مڈل اسکول میں تحتانیہ جماعتیں نہیں ہوتیں۔ چونکہ حال ہی میں ایسا کیا گیا ہے اس لئے اس جدت پر رائے ظاہر کرنا قبل از وقت ہے ہم اس نئے تجربے کو دلچسپی سے دیکھ رہے ہیں۔ اور اس کے نتائج کے منتظر ہیں۔

اضافہ مدارس کے باوجود تعداد طلبا میں بہت کمی واقع ہوئی ہے۔ سالگذشتہ ۳۰۴۰۲۸ تھے اور اب صرف ۲۸۷۷۹۴ ہیں یعنے ۱۶۲۳۴ کم ہوگئے۔ کمی کی وجہ تخفیف مصارف بتائی جاتی ہے جس نے بہت سی عملی تعلیم گاہوں کو مسدود کردیا۔ امدادی مدارس میں حاضری خراب رہی۔ بہرحال محکمہ نے اس کے تدارک کا انتظام کیا ہے اور ڈیڑھ لاکھ روپیہ صرف کمی طلبا کے رفع کرنے کے لئے مخصوص کردیا ہے۔

تعلیم نسواں | نسواں کی تعلیم پر غیر معمولی توجہ کی جارہی ہے۔ روپیہ بھی بہ نسبت سال سابق زیادہ صرف کیا گیا ہے۔ بایں ہمہ بمقابلہ سالگذشتہ کے ۴۶ و ۱۲ کے ۴۲ و ۱۲ طالبات زیر تعلیم رہیں۔

مسلمان لڑکیوں کی تعلیم کا علیحدہ انتظام ہے جہاں اردو وغیرہ پڑھائی جاتی ہے انمیں ۶۹۳ طالبات زیر تعلیم ہیں جو نہایت افسوسناک ہے۔ میسوری مسلمانوں کا فرض ہے کہ اپنی حالت سنبھالیں ورنہ وہ زمانہ قریب ہے جب کہ ان کی غفلت کی وجہ سے موجودہ سہولتیں مبدل بہ مشکلات ہوجائیں گی۔

تعلیم دیگر اقوام | مسلمانوں کے مدارس نے بلحاظ تعداد طلبا کچھ ترقی کی ہے۔ ۱۰۱۷ زیر تعلیم ہیں۔ یہ ان کی جہالت و مفلسی کی کافی دلیل ہے۔

اقوام ارزل کے مدارس نے تعلیماً و تعداداً تنزل کیا ہے۔ افسوس ہے کہ محکمہ تعلیمات جس کا بڑا فرض ہے کہ سب سے زیادہ جاہل قوموں کی تعلیم کو زیادہ اہم سمجھے اور ان کی حالت کے درست کرنے کے واسطے مناسب تدابیر اختیار کرے اس جانب کافی متوجہ نہیں ہے ہم امید کرتے ہیں کہ میسور گورنمنٹ جلد ان کی تعلیم کا انتظام کرے گی۔

جملہ تعداد و اخراجات زیر تعلیم ذکور و اناث کی سالگزشتہ کی اوسط ۳، ۵۱ اور ۴۲، ۱۲ کی تعداد کے مقابلے میں سال زیر رپورٹ میں ۸۹، ۵۵ اور ۴۶، ۱۲ تھی اور جملہ تعداد ۵۹، ۳۴ کے مقابلے میں ۴۷، ۳۲ تھی۔

ہر ۳۵، ۳ مربع میل کے لئے ایک مدرسہ تھا گو سررشتہ تعلیمات کا مطمح نظر یہ ہے کہ ہر مربع میل اور پانچسو آبادی کے واسطے ایک مدرسہ قائم کیا جائے اخراجات یونیورسٹی چھوڑکر بمقابلے سالگذشتہ کے ۲۴۰، ۴۷، ۴۴ روپیہ کے ۲۹۲، ۶۴، ۴۳ روپیہ صرف ہوا۔ بالفاظ دیگر ۱۱، ۱۱ فی کس تعلیم پر خرچ کیا گیا۔

شذرات

جامعہ عثمانیہ نے میٹرک کے نصاب میں چند اہم تبدیلیاں کی ہیں۔ آیندہ اشاعت میں اسپر تبصرہ کیا جائے گا۔

سرفاضل بھائی کریم بھائی تاجران بمبئی و مالکان عثمان شاہی ملز نے بمبئی گورنمنٹ کو دس لاکھ روپیہ کا گرانقدر عطیہ اس غرض سے دیا ہے کہ مسلمان طلباء کی اعلیٰ تعلیم پر خرچ کیا جائے۔

لنگایت قوم کے مفلس یتیم بچوں کی تعلیم و تربیت کے واسطے یادگیر ضلع گلبرگہ کے ایک ساہوکار نے ایک لاکھ روپیہ نقد عطا کیا ہے۔ سنا ہے کہ اس روپیہ سے ایک سنسکرت کالج قائم کیا جائے گا۔

یونیورسٹی کانفرنس منعقدہ شملہ میں بزاکسیلنسی وایسرائے نے اپنی مدلل تقریر میں ارکان سے اس امر کی استدعا کی کہ وہ جملہ یونیورسٹیوں کا مساوی معیار قائم کرنے کی کوشش کریں تاکہ ہندوستان میں عقل اور دانش کی سلطنت کی بنیاد پڑ جائے۔

اس بڑے مقصد کی تکمیل کے لئے ایک مرکزی تعلیمی مجلس مامور کی گئی ہے اور امید کیجاتی ہے کہ اس کے اعلیٰ قابلیت کے اراکین معیار کے اہم مسئلہ کو حل کر کے ہندوستانیوں کی ان مشکلات کو دور کریں گے جو خصوصاً یورپ و انگلستان کی یونیورسٹیوں میں بوقت داخلہ پیش آتی ہیں۔

---

۲۶ مئے کو ہندوستان کی تعلیمی دنیا سے ایک عظیم ہستی مٹ گئی سر آسوتوش مکرجی ساٹھ برس کی عمر میں صرف چار یوم کی قلیل علالت کے بعد راہی ملک عدم ہوئے صاحب ممدوح نے اوائل زندگی ہی میں پیشہ وکالت سے بے توجہی کر کے معاملات تعلیمات میں ایسی دلچسپی لینی شروع کی کہ ۱۹۰۶ء میں کلکتہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر بن گئے۔ اس جلیل القدر عہدہ پر فائز ہونے کے بعد ان کو ہندوستان کی مروجہ تعلیم میں اصلاح کرنے کا موقع ملا۔ چنانچہ انہوں نے سب سے پہلے مادری زبان کی تعلیم کی طرف توجہ کی اور بنگالی زبان کو غار مذلت سے نکال کر اس کو نصاب تعلیم میں نمایاں جگہ دی۔ اس کے علاوہ یونیورسٹی کو دارالامتحان کے دائرہ سے نکالکر اس کو صحیح معنوں میں دارالعلوم بنایا اور بڑے بڑے قابل انگریزوں اور ہندوستانیوں کو ایک جا جمع کر کے کلکتہ میں علوم و فنون کے دریا بہا دئے تنظیم یونیورسٹی کی طرف بھی بطور خاص توجہ کی۔

یوتمال کے ڈسٹرکٹ بورڈ نے ابتدائی تعلیم کو جبری و لازمی قرار دینے سے پہلے

اس کی اشاعت و مقبولیت کے لئے یہ ترکیب نکالی کہ ابتدائی مدارس کے تین تجربہ کار مدرسین کو دیہاتوں میں اغراض و مقاصد تعلیم سمجھانے کے واسطے روانہ کیا ان کے تین ماہ کے دورے کا یہ عمدہ نتیجہ نکلا کہ ایک سو دیہی مدارس قائم ہو گئے اور اشاعت تعلیم کے لئے پچیس ہزار روپیہ کا چندہ فراہم ہو گیا۔

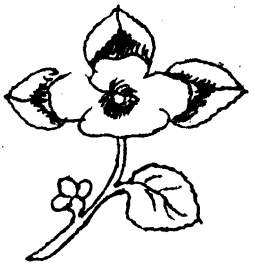
بتاریخ ۱۴ جولائی صاحب عالیشان بہادر نے سکندر آباد میں نسواں پاٹ شالہ کی ایک جدید عمارت کا افتتاح فرمایا۔ یہ چھوٹی عمارت عطیہ ہے سیٹ بورد گووند شیٹی صاحب کا جو کہ صاحب موصوف نے نسواں پاٹ شالہ کو دیا ہے۔ عمارت کی تیاری میں دس ہزار روپیہ صرف ہوئے۔

صاحب عالیشان بہادر نے اس موقع پر جو تقریر فرمائی اس میں تعلیم نسواں کے متعلق بھی اپنے بیش بہا خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔ جس کا اقتباس درج ذیل ہے۔

"آج کل ہندوستان میں تعلیم نسواں سے زیادہ کوئی اہم مسئلہ نہیں ہے۔ تعداد طالبات کو اتنی اہمیت نہ دینی چاہئے بلکہ اچھے تعلیم پر زور دیا جائے معلمات کا فرض ہے کہ طالبات کی تعلیم و تربیت کے وقت قومی ضروریات اور احساسات کا لحاظ رکھیں اور ایسی تعلیم دیں کہ طالبات نوجوان ہو کر اپنے قبیلہ و قوم کے لئے مفید ثابت ہوں۔"

وزارت افغانستان نے مصمم ارادہ کیا ہے کہ طلباء کی ایک تعداد ڈاکٹری اور جراحی کا فن حاصل کرنے کے لئے ٹرکی کو روانہ کیجائے۔ ان دونوں مدرسہ جبیبیہ اور جامعہ امانیہ میں سے طلباء کو منتخب کر رہے ہیں

سوشل سروس لیگ بمبئی نے کارخانوں کے کاریگروں کی تعلیم کے لئے ایک رات جاری کیا ہے جس کی عمارت پر پچپن ہزار روپیہ خرچ آچکا ہے اس میں مرہٹی کے ذریعہ تعلیم دیجائے گی اس مدرسہ پر دس ہزار روپیہ سالانہ خرچ ہوگا۔ لیگ نے بمبئی کارپوریشن سے مالی امداد کی استدعا کی ہے فقط



مضمون نگاری
و
ترجمہ اردو امتحان مڈل

سال گزشتہ امتحان مڈل کے مضمون نگاری اور ترجمہ اردو کے جوابات جانچنے کا ہم کو موقع ملا ہر ممتحن کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ نتیجہ کے ساتھ رپورٹ بھی روانہ کرے جسکو ہم نے بھی ایک مفصل رپورٹ مرتب کی تھی اس کا اقتباس ناظرین کی تفریح طبع کے اور مدرسین کی رہنمائی کیلئے درج ذیل کیا جاتا ہے

(ایڈیٹر)

مضمون نگاری

(۱) امیدوار مضمون نگاری کے طریقہ سے بالکل ناواقف پائے گئے۔ انہیں مطلق معلوم نہیں کہ مضمون کی ابتدا کیسی ہو۔ وسط مضمون میں کیا مطالب ادا کئے جائیں اور مضمون ختم کیونکر کیا جائے۔ چند امیدواروں کے سوائے باقی تمام نے چند متفرق اور پریشان جملوں کو یکے بعد دیگر لکھ مضمون ختم کیا ہے۔

(۲) مضامین میں جو خیالات ظاہر کئے گئے ہیں ان میں کسی قسم کا ربط اور تسلسل نہیں پایا جاتا مثلاً ذیل میں چند مثالیں لکھی جاتی ہیں۔

(الف) ایک طالب علم حیدرآباد پر مضمون لکھتے ہوئے کہتا ہے کہ "ایک نیا تالاب موسوم بہ حمایت ساگر ہے اور مشہور تالاب میر عالم۔ گندی پیٹ۔ میر جملہ اور مہدی پٹنم بگیاں گاڑی گھوڑے اکثر چلتے ہیں۔ نئے پل گڑبڑ رہتی ہے" چاہئے تھا کہ امیدوار تالابوں کا بیان ختم کرنے کے بعد نئے پل سڑکوں اور بگیوں کا ذکر کرتا۔

(ب) دوسرا امیدوار لکھتا ہے "حیدرآباد میں بہت زراعت ہوتی ہے ہز اگزالٹڈ نظام میر عثمان علیخان ہر خطبہ کو کہ مسجد آتے ہیں" زراعت کو کہ مسجد کے خطبہ سے کیا تعلق۔

(ج) ایک تیسرا امیدوار لکھتا ہے "حیدرآباد میں حضرت بابا صاحب کی پہاڑی ہے اور صاف سڑکیں موٹروں کے قابل ہیں"۔

(د) ایک اور امیدوار لکھتا ہے "یہاں عثمانیہ یونیورسٹی قائم ہو گئی ہے اور یہاں بی۔ اے۔ تک تعلیم ہوتی ہے اور یہاں دھوپ کالے میں گرمی بہت شدت کی ہوتی ہے"۔ تعلیم کا حال لکھتے ہوئے موسم کا ذکر کس قدر بے محل ہے۔

(۲) ایک صاحب لکھتے ہیں کہ "حیدرآباد بہت زرخیز مقام ہے۔ پیداوار اچھی ہوتی ہے یہاں اعلیحضرت میر عثمان علیخاں حکمراں ہیں۔ یہاں جوار۔ باجرا۔ چانول قسم قسم کی دال۔ بھاجی۔ ترکاریاں بہت پیدا ہوتی ہیں"۔ طالبعلم نے پہلے ملک کی پیداوار کا حال لکھا پھر درمیان میں اعلیحضرت بندگانعالی کی حکمرانی کا ذکر آیا اور پھر جوار۔ باجرا۔ دال بھات پر جملہ ختم ہوا۔

(۲) ایک امیدوار لکھتا ہے "اس ملک کے حکمراں نواب میر عثمان علیخاں ہیں اور حیدرآباد میں چند باغ ہیں"۔ کیا اچھا ہوتا کہ امیدوار اعلیحضرت بندگانعالی کی حکمرانی کا مسلسل کچھ حال لکھکر دوسرے ممالک و فقرہ میں باغوں کا ذکر کرتا۔

(۳) چونکہ طلبا کو مدارس میں مضمون نگاری کی مشق نہیں کرائی گئی اس لئے عبارت غلط لکھتے ہیں نہ تو جملوں کی ترکیب درست ہوتی ہیں نہ معمولی قواعد سے واقف ہیں اور نہ الفاظ کا صحیح استعمال جانتے ہیں۔

ذیل میں چند مثالیں درج کیجاتی ہیں جن سے انشاء کا حال ظاہر ہوگا۔

(الف) ایک امیدوار لکھتا ہے کہ "انگریزوں کا آنا بہت سے اچھے عادت ہوئے اور ان کے آنے سے بہت سا فائدہ ہوا ہے"۔ اچھے عادت سے کیا مطلب ہے معلوم نہ ہوسکا۔

(ب) ایک اور امید لکھتا ہے "جائے بادشاہ رہنے کی جگہ کو کنگ کوٹھی کہتے ہیں جس پر ہمیشہ ایک لال نقاب پڑا رہتا ہے"۔ امیدوار نے پردہ کے بجائے لفظ نقاب استعمال کیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ اس کو پردے اور نقاب کا فرق معلوم نہیں۔

(ج) "شہر حیدرآباد بمقام دکن میں بسا ہوا ہے"۔ ب کیساتھ میں کا استعمال کس قدر غلط ہے یقیناً امیدوار کا یہ مطلب ہوگا کہ "شہر حیدرآباد دکن میں واقع ہے"۔

(د) ایک لکھتا ہے کہ "یہ باغ بھی نہایت خوشنما دیدنی ہے۔ اور دیکھنے کے بھی

قابل داد ہے" غور اندیش سے کیا مطلب ہے معلوم نہ ہوا۔ اور قابل دید کو قابل داد لکھا ہے۔

(د) "باغ یام میں شیراں ہیں اور بادشاہ تن کوٹھی میں بہت سے شیراں ہیں اور تن کوٹھی میں خوبصورت بادشاہ کے بیٹے واسطے ایک گھر بنایا ہے" اس جملہ میں قواعد کے بیحد غلطیاں ہیں اور مطلب صاف نہیں معلوم نہیں ہوتا کہ بادشاہ کے بیٹے خوبصورت ہیں یا یہ کہ ان کے لئے خوبصورت گھر بنایا گیا ہے باغ عام کو باغ یام۔ اور کنگ کوٹھی کو امیدوار تن کوٹھی لکھتا ہے۔

(ر) "چونکہ سکندرآباد بھی ایک فوجی اور انگریزی علاقہ ہے اس وجہ سے میرا ارادہ وہاں کے مقاموں کو دیکھنا چاہتی تھی" عبارت کس قدر غلط اور مہمل ہے۔

(ز) دہی لڑکا لکھتا ہے "میاٹرک کے کتابیں پڑھیں"

(ح) ایک امیدوار لکھتا ہے کہ "آج ہمارے نظام جو حیدرآباد میں رونق افروز ہیں اور خداوند تعالیٰ ابھی ان پر رونق افروز ہے" شاید امیدوار کا یہ مطلب ہو کہ نظام حیدرآباد کے تخت پر رونق افروز ہیں اور خدا کی حمایت ان کے ساتھ ہے

(ط) ایک امیدوار نے بدصورت کے لئے لفظ بدخوبصورت استعمال کیا ہے یعنے عدم خوبصورتی کے لئے خوبصورت پر لفظ بد کا اضافہ کرکے بدخوبصورت بنا لیا

(ی) اکثر امیدواروں نے لفظ ایجاد کو غلط استعمال کیا ہے لکھتے ہیں کہ ہندوستان میں ریل کی ایجاد لارڈ ڈلیوزی نے کی ہے۔ بجائے لفظ جاری ایجاد استعمال کیا ہے جس سے ظاہر ہوا کہ طلبا کو ایجاد کے معنی معلوم نہیں۔

(ك) ایک امیدوار خط میں اُستاد کو لکھتا ہے کہ "میں نے محبوب نگر تشریف لے گیا تھا" نے کا استعمال غلط اور لفظ تشریف قابل غور ہے۔

(ل) ایک امیدوار اپنے مضمون کو اس عبارت پر ختم کرتا ہے کہ "اب میں اپنی

تقریر کو ختم کرتا ہوں" اس کو بلفظ تحریر اور تقریر کا فرق معلوم نہیں۔ تحریر کے عوض تقریر لکھدیا۔

(ہ) اسی طرح ایک امیدوار نے اپنے مضمون کی ابتدا یوں کی ہے "اے میرے معزز حضرات سامعین ملاحظہ فرمائیے"۔ مضمون کو شروع کرنے کا یہ طریقہ ہی غلط ہے۔ تاہم بجائے سامعین اگر ناظرین لکھا جاتا تو غلط نہ ہوتا۔

(ن) حیدرآباد کے ساجد کا حال لکھتے ہوئے ایک امیدوار لکھتا ہے کہ سب سے بڑا مسجد مکہ مسجد ہے" مسجد کو مذکر سمجھنا کس قدر معمولی غلطی ہے۔

(س) ایک صاحب لکھتے ہیں "حیدرآباد میں سرکار نے دواخانے یونانی انگریزی جابجا کھولی ہے تاکہ لوگ اس سے مستفید ہوں لیکن اس ملک میں چند آثار قدیمہ کے لوگ ایسے بھی پائے جاتے ہیں جو انگریزی دواؤں سے بہت پرہیز کرتے ہیں" قواعد کے غلطیوں کے سوائے الفاظ آثار قدیمہ کا استعمال قابل غور ہے۔ امیدوار کا مطلب یہ ہوگا کہ چند قدیم خیال کے لوگ ایسے بھی پائے جاتے ہیں جو انگریزی دواؤں کے استعمال سے خوف کرتے ہیں۔ امیدوار نے الفاظ آثار قدیمہ کو سن لیا ہے اور اپنی معلومات کا اظہار کرنے کی غرض سے بے موقع یہاں استعمال کیا۔

(۴) امیدواروں کے عام معلومات بہت محدود ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ مدارس میں سوائے کتابوں کے رٹانے کے اور کوئی کام نہیں لیا جاتا۔ ذیل میں چند مثالیں درج کیجاتی ہیں جس سے طلبا کے عام معلومات کا حال معلوم ہوگا۔

(ا) حیدرآباد پر مضمون لکھتے ہوئے ایک امیدوار لکھتا ہے "ہر ایک اضلاع پر ایک ناظم بجانب سرکار مقرر ہے جو کہ سالانہ محصول سرکار کو ادا کرتا ہے۔ باقی جو ٹیکس وغیرہ بچ جاتا ہے وہ خود اپنے خرچ میں لاتا ہے"۔ امیدوار نے ہندوستان کی تاریخ پڑھی ہے لیکن افسوس کہ اپنے ملک کے متعلق اس کے معلومات اس قدر محدود ہیں۔

(ب) فلک نما کے بارے میں ایک امیدوار لکھتا ہے "ایک عجائب خانہ ہے جس کا نام فلک نما سے مشہور ہے"۔ دوسرا طالب علم کہتا ہے کہ "فلک نما ایک محل ہے خدا جانے کب بنایا گیا فلک نما کو عجائب خانہ سمجھنا اور اس کے زمانہ تعمیر سے ناواقف ہونا کس قدر قابل افسوس ہے۔

(ج) خط میں ایک امیدوار اپنے استاد کو لکھتا ہے کہ بمبئی سے دہلی روانہ ہوا اور وہاں تاج محل دیکھا"۔ امیدوار کے ذہن میں تاج محل دہلی میں واقع ہے۔

(د) ایک امیدوار کہتا ہے کہ "حیدرآباد بہت بڑا شہر ہے جس میں تیرا کروڑ کی آبادی ہے"۔ اس لڑکے کو اعداد کا کچھ خیال ہی نہیں۔ تیرا لاکھ کی بجائے تیرا کروڑ لکھ دیا۔

(ہ) تندرستی کے مضمون میں ایک امیدوار لکھتا ہے کہ "صبح کے وقت انسان بھوکا رہتا ہے دو رکعت نماز فرض کی گئی۔ ظہر کے وقت شکم سیر رہتا ہے زیادہ رکعت نماز فرض کر دی گئی عصر کے وقت کھانا ہضم ہو جاتا ہے رکعت کم کر دی گئی"۔ افسوس کے اس امیدوار کے ذہن میں عصر کے رکعات ظہر سے کم ہیں خدا جانے عصر کے دو رکعت پڑھتا ہے یا تیس؟

(و) سٹی ہائی اسکول کی شان ایک امیدوار نے یوں بڑھائی ہے۔ لکھتا ہے کہ "سٹی ہائی اسکول نیا بنایا گیا ہے۔ یہ بہت بڑا محل ہے۔ قریب چار ہزار اس مدرسہ میں سما سکتے ہیں بلا تکلیف کے ایک ہال ایک چھوٹے سے گاؤں کے آنا لانبا اور چوڑا ہے"۔ ایک مڈل کی جماعت کے طالبعلم کے لئے جو حساب سے واقف ہو طول و عرض کا اس قدر غلط اندازہ رکھنا نہایت قابل افسوس ہے۔

(ز) ایک صاحب لکھتے ہیں "حیدرآباد میں ریل کی بندرگاہ بہت ہے۔ سب سے بڑا بندرگاہ ریل ٹھیرنے کی جگہ سکندرآباد ہے"۔ اس غریب کو اسٹیشن اور بندرگاہ کا فرق کبھی نہیں بتلایا گیا اور پھر ٹھہرنے کے عوض ڈھیرنے لکھتا ہے جو جہل ہے۔

رجسٹرشدہ پہ سرکار عالی نشان ۲۱

جلد اول — نمبر ۴

المعلم

ع

ماہ آذر سنہ ۱۳۳۴ ف

مطبوعہ
اعظم اسٹیم پریس چارمینار
حیدرآباد دکن

اشتہارات

مکرم اردو
مولفہ
مولوی عزیز مرزا صاحب ایم اے

یعنی ہماری زبان کے ایک مشہور نامکمل کا ترجمہ جس کو ایک ہندو مصنف نے لکھا ہے اور اس کی تاریخ اور نوعیت پر نہایت بحث کی گئی ہے قیمت فی جلد ..... (۱)

منہاج تعلیم
مولفہ
سید محمد حسین صاحب جعفری بی اے

اردو میں پہلی کتاب جس میں سلیس زبان میں تمام مہمات تعلیم پر بحث کی گئی ہے اور طریقہ تعلیم کو دلچسپ پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے اس میں ہر قسم کی تعلیم یعنی تعلیم اولاد تعلیم مدارس تعلیم نسواں تعلیم اخلاق میں ہو سکتی ہے اس میں جا بجا تصاویر دیگر مطلب واضح کیا گیا ہے قیمت فی جلد (۱)

ہدایات برائے مدرسین
مولفہ
سید محمد حسین صاحب جعفری بی اے

جس میں مدارس جس قدر بھی ہدایات دیجا سکتی ہیں وہ سب ایک کتاب کی صورت میں شائع کی گئی ہیں اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ اس میں ہر مضمون کے متعلق تفصیلی ہدایات درج ہیں قیمت فی جلد ..... (۱)

خلاصہ تاریخ انگلستان
مولفہ
مسز فشر

اب تک اردو میں کوئی ایسی مختصر تاریخ انگلستان موجود نہیں تھی جس کے پڑھنے سے انگریزوں کے حالات معلوم ہو سکیں۔ یہ کتاب اگرچہ شیرکت نصاب میں داخل ہے مگر ہر شخص اس سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے قیمت فی جلد ..... (۱)

ملنے کا پتہ

دفتر "المعلم" حیدر آباد دکن

دی انڈین کوا پریٹو انڈ شیرل سوسائٹی لمیٹڈ چادر گھاٹ حیدر آباد دکن ہمارے دکان میں ہر قسم کی ملکی مصنوعات موجود ہیں۔ عمدہ کپڑا۔ سوتی و اونی و ریشمی۔ سنگاریڈی کا مشہور کپڑا خالص اتھی کی بنی ہوئی کھادی۔ پاتابے۔ دستیاں۔ توال چھپی ہوئی و سادی چادریں وغیرہ۔ کیمپ بیڈ ری سامان از قسم ٹین۔ بروج۔ ٹوپیاں۔ کشتیاں وغیرہ وغیرہ چاندی کا سامان از قسم عطردان۔ پاندان۔ کھیلوں کے انعامات مثلاً کپ۔ شیلڈ وغیرہ اسٹیشنری۔ ہر قسم کا دیسی کاغذ پنسل۔ نقل کی مشین روشنائی کاغذ واب۔ پن ریک وغیرہ (نیم آنہ روانہ کرنے پر فہرست اشیاء مع قیمت مل سکتی ہے)

ایم۔ نظام الدین اینڈ کو۔ مینجنگ ایجنٹ

قواعد

(۱) یہ محض تعلیمی رسالہ ہے جس میں تعلیم کے مختلف شعبوں کے متعلق مضامین درج ہوں گے سیاسی یا مذہبی مضامین شریک نہ کئے جائیں گے۔

(۲) یہ رسالہ ہر ماہ فصلی کے پہلے ہفتہ میں شائع ہوا کرے گا۔

(۳) پرچہ وصول نہ ہو تو ہر ماہ فصلی کی ۱۵ تاریخ تک خریدار صاحبان بحوالہ نمبر خریداری مطلع فرمائیں۔

(۴) جو مضامین ناقابل طبع متصور ہوں گے ان کی واپسی خرچہ ڈاک کی روانگی پر منحصر ہوگی۔

(۵) اس رسالہ کی قیمت سالانہ (ہے) مع محصول ڈاک ہے جو پیشگی لیجائے گی۔

(۶) اجرت طبع اشتہارات درج ذیل ہے۔

	اصفحہ	نصف صفحہ	ربع صفحہ
ماہانہ	۴	۲ ۸/	۱ ۸/
سہ ماہ	۱۰	۵	۲ ۸/
ششماہ	۱۸	۱۰ ۸/	۵
سالانہ	۳۴	۱۸	۱۰ ۸/

(۷) مراسلت ایڈیٹر المعلم سے پتہ ذیل پر ہونی چاہئے۔

سید محمد حسین جعفری۔ بی۔ اے (اکسن) ایڈیٹر
دفتر المعلم سیف آباد حیدرآباد دکن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

المعلم

(۱) تصورات وتخیلات اطفال ایڈیٹر (۱ تا ۹)

(۲) مقصد تعلیم مولوی محمد حسین صاحب ایم اے۔ بی ٹی صدر مدرس مدرسہ فوقانیہ عثمان آباد (۹ تا ۱۷)

(۳) مصلحان تعلیم مولوی سجاد میرزا صاحب صدر مہتمم تعلیمات صوبہ گلبرگہ (۱۸ تا ۲۱)

(۴) تعلیم جغرافیہ کا اصلی مقصد مولوی سید احمد علی صاحب کرانی۔ بی اے صدر مدرس وسطانیہ تنگنڈہ (۲۲ تا ۲۵)

(۵) شذرات (۲۶ تا ۲۹)

(۶) اطلاعات (۳۰ تا ۳۲)

جلد اول		نمبر ۲

تصورات و تخیلات اطفال

نمبر ۲

ناظرین سلسلہ کے لئے ملاحظہ فرمائیں پرچہ المعلم بابت شہر نور اگرچہ یہ مضامین ایک ہی سرخی کے تحت لکھے جا رہے ہیں لیکن ہر ایک مضمون بجائے خود مکمل ہے۔ یہ ممکن ہے کہ بعض حضرات اس سلسلہ مضامین کو قصہ کہانیوں کا ایک مجموعہ خیال فرمائیں اور ان کا پڑھنا تضیع اوقات سمجھیں

یہ محض قصے نہیں ہیں بلکہ واقعات اور مشاہدات ہیں جو معلمین اور والدین کیلئے غور وخوض کا وسیع میدان کھولدئے ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ والدین اور معلمین کم سن بچوں کی تعلیم کے وقت ان چیزوں سے عملی فائدہ اُٹھائیں گے اور اپنے مشاہدات اور تجربوں سے دوسروں کو متمتع کریں گے۔

اس نمبر میں بچوں کے ان تصورات اور تخیلات کا ذکر کیا جاتا ہے جو کھیل کے وقت اُن سے پیدا ہوتے ہیں۔ تخیلات کا ذکر کرنے سے پہلے بالاختصار کھیل کی تعریف کر دیجائے اور مشاہیر تعلیم کے خیالات کھیل کے متعلق بیان کر دئے جائیں تو مضمون صاف اور مسلسل ہوگا۔

کھیل

تعریف کھیل وہ چیز ہے کہ جس کے ذریعہ سے بچے اپنے نفسی جذبات اور روحانی تحریکات کا اظہار کرتے ہیں اور جس میں بچوں کی جبلی اور فطری خصایص کے ساتھ ساتھ قوائے اختراعی کا اظہار ہو جاتا ہے دوسرے سادہ الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ کھیل میں بچہ ان امور کو ظاہر کر دیتا ہے جس سے ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ آیندہ چلکر وہ کس قسم کا انسان ہوگا۔

کھیل کے متعلق ماہرین تعلیم کے خیالات افلاطون کہتا ہے کہ ابتدائی تین سال تک بچوں کو قصے کہانیوں اور گیتوں کے ذریعہ سے ہمیشہ خوش اور بشاش رکھنا چاہئے غم۔ غصہ اور خوف کو ان کے پاس پھٹکنے نہ دیا جائے۔ تین سال کے بعد جب بچے اپنے

کھیل آپ ایجاد کرنا شروع کر دیتے ہیں ان کو محافظین کے زیر نگرانی آزادی سے کھیلنے کی اجازت دیجائے۔

ارسطو کا قول ہے کہ پانچ سال کی عمر تک بچوں سے کسی قسم کی محنت نہ لیجائے بلکہ اجازت دیجائے کہ مختلف کھیلوں کے ذریعہ سے اپنے اعضائے جسمانی سے خوب کام لیں تاکہ ان میں سستی اور کاہلت نہ پیدا ہو اور ان کے اعضائے جسمانی کی خوب نشوونما ہو جائے۔

کوئنٹلین کہتا ہے کہ کھیل انسانی دماغ کو چست اور چالاک اور مشغول رکھنے کا بڑا ذریعہ ہے جو بچے کھیل میں سستی کا اظہار کرتے ہیں وہ سن بلوغ کو پہونچکر اچھے طالب علم نہیں ہو سکتے۔

لاک لکھتا ہے کہ بچوں میں کھیل کا شوق فطرت نے ودیعت کیا ہے اس لئے بچوں کی صحت قائم رکھنے اور جسمانی طاقت کی نشوونما کے لئے کھیل کی جانب بچوں کو مائل کرنا چاہئے اور کھیل کے وقت جو جذبات قلبی اور حرکات جسمانی بچوں سے ظاہر ہوں ان کو نہ روکنا چاہئے۔

فروبل جس نے کھیل کے حقیقی معنی کو خوب سمجھا اور دنیا کو سمجھایا۔ کہتا ہے کہ کھیل بچوں کے لئے باعث دلچسپی اور مسرت ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ سے نونہالوں کو آزادی اور سکون قلب کے ساتھ ابتدائی دنیوی زندگی بسر کرنے کا موقع حاصل ہوتا ہے لکھتا ہے کہ جو بچہ استقلال اور انہماک کے ساتھ کھیلنے کا عادی ہو وہ آگے چلکر مستقل مزاج ثابت قدم نوجوان ہوگا اور قوم و ملک کے لئے اپنی قوتیں ایثار کرے گا

ان تعریفات کے بعد اب ہم ان تخیلات اور تصورات کا ذکر کرتے ہیں جو بچے کھیل کے وقت کام میں لاتے اور ظاہر کرتے ہیں۔ اگر ہم اپنے بچپن کے زمانے پر نظر ڈالیں تو ہم کو یاد آئے گا کہ کھیل کے وقت تخیل اور تصور سے کام لے کر فرضی اشیاء کا پیدا کر لینا اور موجودہ اشیاء کو معدوم جاننا دوسرے فرضی چیزوں کو اصلی چیز قرار

دیکھ لینا اور لطف اٹھانا ہمارے لئے معمولی بات تھی۔ مثلاً لکڑی کو گھوڑا تصور کرنا
یا کرسی کو گاڑی سمجھنا وغیرہ۔

بعض کا یہ خیال ہے کہ کھیل کے وقت بچوں پر وہی کیفیت اور حالت طاری
ہوتی ہے جو ایک ناٹک کے (ایکٹر) کی ہوا کرتی ہے یہ خیال غلط ہے۔ ناٹک کا ایکٹر
جانتا ہے کہ وہ ایک فرضی چیز میں حصّہ لے رہا ہے اور اس کا تمام ماحول فرضی ہے
لیکن بچے کھیل کے وقت ایسا نہیں سمجھتے بلکہ ان کے لئے کھیل کی ہر ایک چیز حقیقت
کا رنگ رکھتی ہے۔ جو شخص کھیلتے ہوئے بچے کو ایکٹر (ACTOR) سمجھتا ہے وہ کھیل
کی اہمیت سے واقف نہیں۔

میں جب بچہ تھا تو یہ میرا معمولی کھیل تھا کہ تین چار کرسیوں کو مسلسل رکھکر ان کو
ریل فرض کرتا اور خود سب سے آگے کی کرسی پر بیٹھتا اور خود کو انجن ڈرایور فرض کرکے
ریل چلاتا۔ ریل کی سیٹی اور انجن کے آوازیں نکالتا اور اگر دوسرے بچے ساتھ ہوتے
تو ان کو مثل مسافرین پیچھے کی کرسیوں پر بٹھاتا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ اس کھیل میں
مجھے بہت لطف آتا تھا اور کبھی یہ خیال بھی ذہن میں نہیں گزرتا تھا کہ سارا کھیل فرضی ہے
میرے پاس ایک لکڑی کا گھوڑا تھا جس کو پیٹے تھے جب میں اس پر بیٹھتا اور
ملازم اس کو چلاتا تو مجھے وہ لطف آتا تھا کہ شاید اس وقت بہتر سے بہتر عربی گھوڑا
بھی رسواری کو ملے تو وہ مزا نہ آئے۔

جو والدین اور اساتذہ اپنی کوتاہ نظری سے بچوں کو کھیل سے روکتے اور اُنکے خواہشات
اور جذبات فطری کو قانون قدرت کے موافق ظاہر نہیں ہونے دیتے وہ بچوں کی
آیندہ ترقی کے مانع ہوتے ہیں جب سن شعور کو پہونچنے کے بعد بھی انسان اپنی
تفریح طبع کے اسباب سے ہاتھ نہیں اٹھاتا اور اپنے شوق کو پورا کرنا چاہتا ہے،
اور بصورت عدم امکان وہ منقبض اور مکدر ہو جاتا ہے تو اب غور کرو۔ بچہ جو منجانب

فطرت کھیلنے پر مجبور ہیں اگر ہیں سے روک دیئے جائیں تو ان کے ننھے دلوں پر کیا صدمہ ہوتا ہوگا۔

بچوں کا یہ خاصہ کہ کھیل کے وقت اپنی اصلی حالت کو بھول جانا اور اپنے لئے دوسری ہستی پیدا کر لینا بعض دفعہ عجیب پر لطف کیفیات پیدا کر دیتا ہے ایسا بھی ہوتا ہے کہ بچہ آپ کو ایک بادشاہ یا بی بی فرض نہیں کرتا بلکہ خود کو جانور بھی قرار دے لیتا ہے مثلاً گھوڑا یا ہاتھی وغیرہ میں نے بچوں کو کھیلتے دیکھا ہے کہ ایک بچہ گھوڑا بن گیا اور دوسرا اس کے منہ میں ایک پتلی سی ڈوری ڈال کر مثل سائیس کے پکڑ لیا اور دونوں دوڑتے ہیں اور جو بچہ گھوڑا بنا ہے گھوڑے کے حرکات کرتا ہے اور وہ بچہ جو سائیس بنا ہے مثل سائیس کے اس کو دوڑاتا روکتا مارتا ہے۔

بعض بچے گھنٹوں بلکہ دنوں ایسی فرضی حیثیت برقرار رکھتے مثلاً میری ایک چار سالہ لڑکی کی یہ کیفیت تھی کہ ایک روز وہ آپ کو لڑکا تصور کر لیتی اور دو تین روز تک سر پر پگڑی باندھے رہتی اور سب سے اصرار کرتی کہ اس کو لڑکا سمجھیں اور اگر کوئی ملازم اس کو "بی بی" کہہ دیتا یا اس کے اصلی نام سے پکارتا تو ناراض ہوتی۔

کھیل کے وقت فرضی ماحول سے اصل کا کام لینے کا مادہ ان بچوں میں زیادہ ہوتا ہے جن کو ساتھ کھیلنے کے لئے دوسرے ہم سن بچے نہیں ملتے اور جن کی زندگی تنہائی میں بسر ہوتی ہے میری ایک لڑکی تین سالہ ہے جس کی حالت یہ رہتی ہے کہ گھنٹوں وہ تنہا کمرے میں اس طرح کھیلتی ہے کہ کمرے کے کرسیوں کو مختلف مقامات قرار دیتی ہے۔ ایک کرسی نانی کا گھر ہے۔ دوسری کرسی دادی کا اور یہ ایک گھر سے دوسرے گھر کو جاتی ہے اور ان سے ملتی اور گفتگو کرتی ہے بعض وقت کسی چیز کو ایک لڑکی قرار دے کر اس کو کھلاتی پلاتی اور دوا دیتی ہے اور گھنٹوں اس قسم کے تصورات میں مصروف رہتی ہے اس لڑکی کی قوت تخیل ایسی ہے کہ سوتے وقت ان تمام

چیزوں کو جن کو دیکھ چکی ہے آنکھ بند کئے ہوئے دُہراتی ہے مثلاً ایک روز وہ باغ عام گئی اور جو جانور وہاں موجود تھے اُن کو دیکھا تو شب میں سوتے وقت آنکھ بند کئے ہوئے کہنا شروع کیا وہ شیر بکا تا ہے اور وہ بچھو ہے کالے بال ہیں وغیرہ اور اسی حالت میں سو گئی۔

اس دور کے بعد عمر کی ترقی کے ساتھ بچوں کے خیالات میں بھی ترقی ہوتی ہے اور وہ اپنے ماحول سے متاثر ہونے لگے ہیں اور تعیل کے لئے اصلی اشیاء کے متلاشی ہوتے ہیں اور جب اصلی اشیاء میسر نہیں آتے تو کھلونے کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور اسکو کھلونے اور گڑیوں کا دور کہا جا سکتا ہے۔

بچے گڑیوں اور کھلونے سے کھیلتے ہوئے جن جذبات اور تخیلات کا اظہار کرتے ہیں وہ نہایت سبق آموز اور دلچسپ ہوتے ہیں۔

ابھی بیان ہوا ہے کہ کھیل کے وقت بے جان اشیاء کو بچے زندہ تصور کر لیتے ہیں تو یہ تصور گڑیوں کے کھیل میں پوری قوت کے ساتھ بچوں میں کام کرتا ہے اسی طرح بچوں کا وہ خاصہ کہ ایک شئے کو دوسری قرار دینا اور فرضی کھیل کھیلنا گڑیوں کے ساتھ بدرجہ کمال نظر آجاتا ہے۔ مثلاً لڑکیاں گڑیا کے ذریعہ سے صدہا کھیل کھیلتی ہیں اور گڑیا کو مختلف حیثیتوں سے کھیل میں شامل کر لیتی ہیں مثلاً کبھی تو وہ بچہ بنائی جاتی ہے کبھی اماں کبھی دلہن وغیرہ۔ اور پھر لطف یہ ہے کہ گڑیا یا کھلونے کو زندہ تصور کرنا بچوں کو خاص مزا دیتا ہے اور اگر بچوں پر حقیقت کھول دیجاتی ہے اور ان کے اس خیال کی تردید کیجاتی ہے تو ان کو ناگوار ہوتا ہے اور صدمہ پہونچتا ہے مثلاً ڈاکٹر (HALL) ہال لکھتے ہیں کہ ایک دو سالہ لڑکا ایک لکڑی کے گھوڑے سے کھیلتا تھا اور اس سے اسی طرح باتیں کرتا گویا کہ وہ زندہ ہے سنتا اور بولتا ہے اور ہمیشہ گھر والوں سے کہا کرتا کہ "یہ گھوڑا لکڑی کا نہیں ہے گوشت کا ہے اس کو بڑھئی نے نہیں بنایا خدا نے بنایا"

اگر اس بات کی تردید کیجاتی تو وہ رہتا اور چیختا تھا۔

بچے خصوصاً لڑکیاں گڑیوں کے ساتھ وہ تمام باتیں پوری کرتی ہیں جو اُن سے متعلق ہوتی ہیں۔ مثلاً کھلانا۔ پلانا۔ سلانا۔ دوا پلانا۔ پیار کرنا۔ اُن پر خفا ہونا۔ ڈرانا۔ مارنا۔ غصہ سے اُن کو زمین پر پٹک دینا وغیرہ۔

بچے گڑیوں اور مفروضہ جانداروں کے ساتھ اپنے مختلف جذبات کے اظہار کے وقت ماں باپ کی نقل کرتے ہیں۔ ان کا سزا کے وقت غصہ کی صورت بنا لینا آواز کا بدل دینا تیوری چڑھانا آنکھیں نکالنا عجب دلچسپ نظارہ ہوتا ہے بعض وقت سزا اس حد تک پہونچ جاتی ہے کہ گڑیا کے ہاتھ پاؤں بھی توڑ دیے جاتے ہیں۔

سزا کے بعد اپنے اس فعل سے منفعل اور نادم ہونے کا بھی مادہ بچوں میں ہوتا ہے مثلاً مسٹر سلے لکھتے ہیں کہ ایک لڑکی غصہ سے لڑیا کو توڑنے کے بعد کئی روز تک پشیمان رہی

جیسے ہی بچوں پر گڑیوں کی بے جان ہونے کی حقیقت آشکار ہو جاتی ہے تو گڑیوں کا شوق غائب ہو جاتا ہے اور کھیل کے لئے اصلی زندہ ساتھیوں کی تلاش شروع ہو جاتی ہے یہ کہنا مشکل ہے کہ کس عمر میں حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے تجربے سے معلوم ہوا کہ زیادہ تر یہ بچوں کے قوائے دماغی کی صنعت و قوت پر موقوف ہے جن بچوں کی قوت متخیلہ قوی ہوتی ہے وہ بہ نسبت دوسروں کے زیادہ سن تک گڑیوں سے کھیلتے ہیں اسی طرح وہ بچے جو اپنے گھروں میں تنہا رہتے ہیں اور اُن کے ساتھ کوئی دوسرے ہم سن کھیلنے والا نہیں ہوتا بڑی عمر تک ان بیجان گڑیوں اور کھلونوں سے اپنا شوق پورا کرتے رہتے ہیں عام طور سے ۱۱ یا ۱۲ سال تک بچوں میں گڑیوں اور کھلونوں کا شوق باقی رہتا ہے۔

یہاں تک جو کچھ لکھا گیا اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ بچوں کی زندگی کا زیادہ حصہ کھیل میں

گزرتا ہے صبح سے شام تک خیالی دنیا میں بسر کرتے ہیں اور دوپہر کھیلوں میں مصروف رہتے ہیں اب میں یہ بتلاتا ہوں کہ بچوں کی زندگی ایک دوسرا رخ بھی رکھتی ہے اور مثل ہمارے بچوں پر ایسے اوقات اور مواقع آتے ہیں جبکہ خوف۔ یاس نا امیدی اور غم ان پر بھی طاری ہوتے ہیں۔

بچوں کی یہ کیفیت ضرور قابل دیکھنے کے ہوتی ہے۔ وہ بچہ ابھی خوش تھا ہنس رہا تھا۔ کود رہا تھا۔ دوڑ رہا تھا۔ دفعتاً مکدر اور منقبض ہو جاتا ہے اور چہرہ پر تغیر باطنی کے آثار ظاہر ہو جاتے ہیں۔

یہ کیفیات ان بچوں میں زیادہ نمایاں ہوتی ہیں جو اکثر مریض رہتے ہیں یا جن کے اعصاب کمزور ہوتے ہیں یا جن کے گھروں میں جن بھوت کے قصے بیان کئے جاتے ہیں اور ان پر اعتقاد کیا جاتا ہے۔

ایسے بچے بھی دیکھے گئے جن کو ڈرانے والے قصے کہانیوں اور کھیلوں سے زیادہ دلچسپی ہوتی ہے اور نہایت انہماک کے ساتھ اُن قصوں کو سنتے اور ایسے کھیل کھیلتے ہیں غور و فکر کرنے والے والدین اور معلمین بچوں کے خصائل اور خصوصیات فطری ان کے کھیلوں کے ذریعہ سے معلوم کر سکتے ہیں۔

ایک وقت میں نے دیکھا کہ تین چار بچے جو تقریباً سب ہم سن تھے اور سب ۱۲ سال کے اندر معلوم ہوتے تھے میدان میں کھیل رہے تھے۔ ایک پتنگ کٹا ہوا میدان میں گرنے لگا اور اس کو لوٹنے کے لئے سب دوڑے اور ایک لڑکا جو سب سے تیز تھا لپک کر پتنگ کو لے لیا اور گھر کی طرف دوڑنے لگا سب بچے تو اسی جگہ ٹھہر گئے لیکن ایک لڑکے نے پتنگ والے بچہ کا تعاقب کیا اور اس کو پکڑ لیا اور ہاتھا پائی اور کشمکش کر کے پتنگ کو پھاڑ ڈالا اور ہنستا ہوا پھر اپنے ساتھیوں میں آملا اور وہ غریب روتا رہ گیا۔

لڑکے کی یہ حرکت کہ پنسل دے بچہ کا پیچھا کرنا۔ تپنک پھاڑ کر خوش ہونا اس بات کو ظاہر کر دیتی ہے کہ اس لڑکے میں حسد کا مادہ زیادہ ہے کیونکہ اس کو گوارا نہ ہوا کہ جس چیز سے وہ محروم رہا وہ دوسرے کے پاس رہے اگر اس لڑکے کی تعلیم و تربیت اچھی ہوتو فبہا ورنہ جوان ہو کر حسد کا پتلا ہوگا۔ (ڈیڈیٹیر)

مقصدِ تعلیم

مفہومِ تعلیم مقصد تعلیم کی بحث و تمحیص سے قبل ہمیں اس امر کا پتہ لگانا چاہیئے کہ لفظ "تعلیم" کا اصلی مفہوم کیا ہے۔ یہ لفظ دو معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ ایک وسیع دوسرا محدود۔ وسیع معنی میں لفظ "تعلیم" سے وہ طریقے مراد ہیں جن کے ذریعہ انسانی طبائع اپنے قدرتی۔ معاشرتی اور روحانی احول سے خود بخود بلا قصد و ارادہ متاثر ہوتے ہیں چنانچہ اس وسیع مفہوم کے بموجب تمام وہ چیزیں جن کا اثر انسانی دل و دماغ پر راست یا بالواسطہ پڑتا ہے ذرائع تعلیم میں داخل ہیں۔ مثلاً ملکی آب و ہوا۔ قدرتی مناظر۔ گرد و پیش کے واقعات۔ معاشرتی حالات۔ خاندانی حیثیت۔ عام تہذیب و تمدن وغیرہ

لفظ "تعلیم" بالعموم اس وسیع معنی میں مستعمل نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کا اطلاق صرف ان خاص اثرات تک محدود رکھا گیا ہے جو نونہالان وطن کے دل و دماغ پر کسی جماعت کے مسن اور تجربہ کار افراد کی بالارادہ و بالقصد کوششوں سے ظہور پذیر ہوتے ہیں خواہ وہ افراد ارکان خاندان سے ہوں یا معاشرتی گروہ یا مذہبی فرقہ۔ یا ارباب حکومت سے۔

مسئلہ زیر عنوان کی اہمیت یہ بہت ممکن ہے کہ افراد جماعتہائے متذکرہ بالا جنہیں قومی

تعلیم میں ایک حد تک بہت بڑا دخل ہے بوجہ غلط فہمی منشائے تعلیم نوجوانان وطن پر برا اثر ڈالیں۔ لہٰذا ازالۂ غلط فہمی اور اس سے پیدا ہونے والے مضر اثرات کے امتناع کے لئے ضروری ہے کہ تعلیم کا نصب العین دریافت کیا جائے یا بالفاظ دیگر مقصد تعلیم کی تحقیق کی جائے۔ لیکن یہ امر آسان نہیں ہے کیونکہ مقصد تعلیم کوئی مستقل یا مقرر شے نہیں ہے بلکہ مختلف ازمنہ میں انفرادی اور اجتماعی مفاد باہمی کشاکش و تنازعات کے نتائج کے ساتھ ساتھ تعلیم کی غرض و غایت بھی بدلتی رہی ہے۔ ان تنازعات کے دوران میں کبھی اجتماعی پلہ بھاری رہا اور کبھی انفرادی اور بعض اوقات دونوں کے درمیان مساوات بھی قائم رہی۔

تنازعات مابین مفاد انفرادی و اجتماعی بہرکیف ازمنہ ماسبق میں مقصد تعلیم کے متعلق اختلافات آراء کی تشریح دلچسپی سے خالی نہ ہوگی لہٰذا ناظرین کے تفنن طبع کیلئے انفرادی و اجتماعی مفاد کی باہمی کشاکش اور مقصد تعلیم پر اس کے اثرات کا بیان بالاختصار درج ذیل کیا جاتا ہے۔

جب انسان تہذیب و تمدن کی ابتدائی حالت میں تھا تو خاندان کا سردار صاحب اقتدار ہوتا تھا اور بلا چون و چرا اس کی اطاعت کرنا ہر رکن خاندان کا فرض اولین تھا۔ اس لئے سردار تمام معاشرتی مفاد کا مرکز ہوتا تھا جس کے آگے انفرادی مفاد کی کوئی حقیقت نہیں تھی۔

جب ہم ممالک مشرقیہ پر جو زمانہ قدیم میں تہذیب و شائستگی کے مراکز تھے نظر غائر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ افراد کسی شمار میں نہ تھے بلکہ ان کی قسمتوں کا فیصلہ ایک خارجی مطلق العنان قوت کے زیر اثر ہوتا تھا لہٰذا اس وقت اجتماعی مفاد کا پلہ گراں ہوا کرتا تھا۔ لیکن یہ امر قابل توجہ ہے کہ مختلف ممالک میں اس خارجی مطلق العنان قوت کے منابع مختلف ہوتے تھے چنانچہ اس قوت کا منبع چین میں

قدیم روایات۔ ہندوستان میں ذات پات۔ ایران میں حکومت شاہی اور یہودیوں میں حکومت الٰہیہ تھا۔

یونان میں ریاستہائے بلدیہ کا جال بچھا ہوا تھا جن میں اتھنس (ATHENS) اور اسپارٹا کی (SPARTA) حکومتیں نہایت ممتاز و مشہور تھیں۔ یہاں شہری حکومتوں کے مفاد پیش تھے۔

اسپارٹا میں جو ہر چہار طرف آہنوں سے گھرا ہوا تھا افراد بالکل ریاست میں ضم ہو گئے تھے۔ بلکہ ان کے مفاد و سیاسی مفاد پر قربان کر دیے جاتے تھے۔

اتھنس میں بھی ابتداً انفرادی مفاد کی کوئی اہمیت نہ تھی لیکن پیریکلس کے عہد حکومت میں اقتصادی و معاشرتی حالات افراد کے موافق تھیں۔ یہ انفرادی میلان اس وقت تک قائم رہا جبتک اس کے سیاسی پہلو پر رومی شہنشاہیت کی جانب سے اور اس کے اخلاقی پہلو پر مسیحیت کی طرف سے مزاحمت پیش نہ کیگئی۔

اسپارٹا کی طرح رومی بھی اجتماعی مفاد کے حامی تھے۔ یہاں تعلیم بالکل عملی تھی صرف قوی دماغی کی ترقی اور نشو و نما کا نام تعلیم نہ تھا بلکہ تعلیم کی غرض و غایت یہ تھی کہ افراد کی کارکردگی میں اضافہ کر کے انہیں حکومت میں حصہ لینے کے قابل بنایا جائے۔ بقول منرو (MUNROE) "قدیم رومیوں کا طرز تعلیم فی الحقیقت نظام کارآموزی کے مماثل تھا"۔

جب ہم قرون وسطیٰ میں قدم رکھتے ہیں تو ہمیں زندگی کے ہر شعبہ پر مذہبی اقتدار بہت پیش پیش نظر آتے ہیں۔ مذہب نے افراد پر پورا تسلط جما رکھا تھا کلیسا نے نہ صرف مذہبی معاملات پر بلکہ علوم و فنون کے ہر صیغہ پر اپنا دست تصرف دراز کر رکھا تھا۔ لہٰذا نظام تعلیم بالکل مذہبی تھا لیکن اس دینی نظام تعلیم کے پہلو بہ پہلو ایک دنیاوی طریقہ تعلیم بھی نشو و نما پا رہا تھا جو "تعلیم مبارزت" کے نام سے

موسوم تھا اور جس کا رجحان انفرادی مفاد کی جانب تھا۔

قرون وسطیٰ کے بعد اصلاح مذہب کا زمانہ آیا جبکہ پاپا اور مذہبی پیشواؤں کے اقتدارات میں تزلزل پیدا ہو گیا اور لوگ کلیسا کے پنجۂ استبداد سے آزادی حاصل کرنے کے لئے حتی الامکان کوشاں ہوئے لہذا اصلاح مذہب بالکل انفرادی تحریک کہی جا سکتی ہے۔ چنانچہ اس زمانہ کے مشہور ماہر علم التعلیم ورجیریس (ERGERIUS) کا قول ہے کہ "نصاب تعلیم افراد کی دماغی اور ذہنی قابلیت کے مطابق ہونا چاہئے تاکہ وہ اچھے شہری بن سکیں"۔ شمالی تحریک، اصلاح اخلاقی اور دماغی دونوں پہلوؤں پر مشتمل تھی چنانچہ دماغی اصلاحات کو مدنظر رکھتے ہوئے انفرادی قوئی ذہنیہ کی ترقی پر زیادہ زور دیا جاتا تھا۔

موجودہ زمانہ میں معاشرتی و حرفتی تنظیم اس قدر پیچیدہ ہے کہ حکومت کے لئے یہ بالکل محال ہے کہ افراد کی قابلیت کے مطابق ان کے پیشہ و روزگار کے انتخاب میں مداخلت کرے۔ آج کل یہ بتانا مشکل ہے کہ کسی خاص فرد کی تعلیم کا حکومت پر کیا مفید اثر پڑ سکتا ہے بہرحال دور حاضرہ میں انفرادی خیالات کا زور شور ہے۔

بیانات مذکورہ بالا سے صاف روشن ہے کہ مختلف زمانوں میں تعلیم کا نصب العین مختلف رہا ہے۔ آج کل مسئلہ تعلیم سے صرف مدرسین ہی کو تعلق نہیں ہے بلکہ قوم کے ہر طبقہ کو سروکار ہے کیونکہ ہر شخص کو اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت ملحوظ خاطر ہے۔ لیکن چونکہ مختلف طبقہ کے لوگ مقصد تعلیم کے متعلق مختلف خیالات رکھتے ہیں اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند مشہور خیالات پر تنقیدی و تقریظی نگاہ ڈالی جائے۔

حصول معاش ایک اوسط درجہ کے انسان کے خیال میں تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ طلبا بعد حصول تعلیم اس لائق بنجائیں کہ وہ آئندہ پیشوں کے متعلق اپنے فرائض بہتر طریقہ سے ادا کر سکیں۔ ان کے نزدیک تعلیم کی قدر کا معیار مشاغل روزمرہ کی انجام

وہی ہے۔ بہرحال گو کہ تعلیم کا یہ مقصد بادی النظر میں ادنیٰ اور ذلیل معلوم ہوتا ہے لیکن اس میں روشن پہلو بھی مضمر ہے۔ چنانچہ جب والدین اپنی اولاد کو حصول تعلیم کی غرض سے "شریک مدرسہ کرتے ہیں تو اُن کی دلی تمنا ہوتی ہے کہ لڑکا ان کی نسبت بہتر طریقہ سے زندگانی بسر کرنے کے قابل ہو جائے۔ لہٰذا ان کی تمناؤں میں اعلیٰ حوصلگی اور ایثار کے جذبات بین نظر آتے ہیں۔ جو بلاشبہ عمدہ اور نیک صفات ہیں علاوہ بریں یہ مقصد جماعتی مفاد کا مخالف نہیں ہے کیونکہ جلب منفعت یا کسب معاش قوم وملت کی نفع رسانی کا سدباب نہیں ہو سکتا اس مقصد کی تیسری خوبی یہ ہے کہ وہ ابہام اور پیچیدگی سے پاک ہو کر بالکل روشن اور سادہ ہے۔

لیکن باوجود مندرجہ بالا خوبیوں کے اس مقصد میں بہت نقائص موجود ہیں چنانچہ یہ مقصد نامکمل اور ادھورا ہے کیونکہ یہ تعلیم کی غرض وغایت کا کل نہیں بلکہ صرف ایک جز پیش کرتا ہے اگر کسی شخص کا مطمح نظر صرف کسی دفتر یا کارگاہ تک محدود ہو تو لازماً وہ بمقابلہ ایک وسیع النظر اور اعلیٰ خیال انسان کے اسفل سطح پر زندگی بسر کرے گا دوم فی زمانہ جبکہ تمام دنیا میں جمہوریت کا دور دورہ ہے اور جبکہ ہر فرد بشر انتخاب روزگار میں آزاد ہے کوئی شخص یہ نہیں بتا سکتا کہ فلاں لڑکا اپنی آیندہ زندگی میں کونسا پیشہ اختیار کرے گا لہٰذا مدرسہ میں تعلیم کی تخصیص کر کے کسی فرد بشر کو کسی خاص پیشہ یا حرفہ کے قابل بنانے کی کوشش نہیں کیجا سکتی بلکہ تعمیم تعلیم کے اصول پر عمل پیرا ہو کر طلبا کو اس لائق بنانے کی سعی کیجاتی ہے کہ وہ زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق اپنے فرائض بحسن وخوبی انجام دے سکیں۔

کامیابی امتحانات جب اوسط درجہ کے انسان کے خیالات کو قطع نظر کر کے ہم معلمین کے نقطہ نگاہ پر غور کرتے ہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے مدرسین کے

نزدیک تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ طلبا حصول واقفیت واکتساب معلومات کے ذریعہ امتحانات میں کامیابی حاصل کرلیں۔ بدقسمتی سے سررشتہ تعلیمات کے عہدہ داروں نے بھی کسی مدرسہ کی کامیابی یا ناکامی کا معیار نتیجۂ امتحانات کو قرار دے رکھا ہے لہذا مدرسین ومعلمین اپنی تمام توجہ اس مقصد برآری کی جانب مبذول کرتے ہیں۔ لیکن یہ مقصد بھی مقصدِ حصولِ معاش کیطرح تنگ ہے اور اک رخ رکھتا ہے صرف معلومات وواقفیت کا ذخیرہ کسی شخص کو مکمل نہیں بنا سکتا کیونکہ ذخائر معلومات کے ہوتے ہوئے بھی انسان بہت سارے دیگر اوصاف حمیدہ سے معرا اور بے بہرہ رہتا ہے جنکی قدر وقیمت بہت اعلی وارفع ہے۔ جس طرح ایک بخیل صرف حرص وہوا لہوسی کے جذبات سے متاثر ہوکر ہمیشہ دولت جمع کرنے کی دھن میں لگا رہتا ہے اور اس دولت کو کسی مفید اور کام میں نہیں لگاتا۔ اسی طرح پیروانِ مقصدِ مذکور صرف کامیابی امتحانات کے لئے معلومات حاصل کرنے میں منہمک رہتے ہیں اور ان معلومات کو کسی خارجی اور عملی استعمال میں نہیں لاتے۔ لہذا یہ مقصد طلبہ کے دل ودماغ پر سفلی اثر پیدا کرتا ہے۔

تحصیل علم وفضل | بعضوں کا خیال ہے کہ تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ تحصیل علم وفضل کے ذریعہ اپنے ہمچشموں میں شہرت اور ناموری پیدا کی جائے۔ بعض طبقوں میں نانا ودادا سے علم وفضل کا ایک رسمی معیار قائم چلا آرہا ہے۔ اس معیار کے مطابق تعلیم حاصل کرکے اس طبقہ یا جماعت میں ممتاز شخص ہوجانا تعلیم کی غرض وغائت خیال کی جاتی ہے۔ جب تک کوئی شخص اس رسمی جانچ میں پورا نہیں اترتا۔ لوگ اسکی عزت وتوقیر نہیں کرتے۔ بہرحال تعلیم کا یہ مقصد بالکل ناقص ہے۔ کیونکہ علم وفضل جو مفید عملی کام میں نہ لایا جاسکے بالکل بے سود ہے۔ اور ایسا صاحب علم صرف "چار پائے برادکتابے چند" کا مصداق ہے۔ بہرکیف جس طرح بعض رسمیں کسی جماعت میں

اُس وقت بھی باقی رہتی ہیں۔ جبکہ ان کی ضرورت اور افادہ بالکل مفقود ہو جاتا ہے اسی طرح یہ مقصدِ تعلیم بھی بعض جماعتوں کے خیالات میں اب تک قائم ہے۔ باوجودیکہ کوئی شخص اس کی حمایت میں زبردست استدلال نہیں پیش کر سکتا ہے۔

متوازن ترقی بعض اشخاص کے نزدیک تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ انسان کے جسمانی۔ دماغی۔ مذاقی اور (Aesthetic) اخلاقی قوتوں میں علی السویہ ترقی ہو۔ یعنی جمیع قوتیں ساتھ ساتھ نشوونما پائیں اور ان میں توازن قائم رہے۔ اور کوئی قوت حد اعتدال سے تجاوز کر کے دوسری قوتوں پر [illegible] یہ مقصد انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے۔ اس لئے یہ تنگ نظری اور اک رخی کے نقائص سے پاک ہے لیکن لفظ "متوازن ترقی" کا مفہوم بہت پیچیدہ اور دقت طلب ہے اس مقصد کو مدنظر رکھتے ہوئے تعین نصاب میں بڑی مشکلات پیش آئیں گی۔ علاوہ بریں یہ بتانا مشکل ہے کہ قیام توازن کے کیا طریقے ہیں۔ اور کس نقطہ سے تجاوز کرنے پر اختلال توازن واقع ہوگا۔ بقول ریمنٹ (Raymont) "ہر ذی ہوش مدرس یا ولی کو اس نقطہ کے دریافت کرنے میں دقتیں پیش آتی ہیں۔ جس سے تجاوز کرنے میں دماغ کی تیزی نفاست پسندی اخلاق کی استواری اور بازی کے شوق کا توازن زائل ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے تعلیم کا یہ مقصد فوت ہو جاتا ہے"۔

اصلاح سیرت مذکورۂ بالا مباحث سے صاف ظاہر ہے۔ کہ تعلیم کے مقاصد متعدد ہیں اس لئے اب ہمیں کسی ایسے مقصد کی جستجو میں ساعی ہونا چاہئے۔ جو تمام دیگر مقاصد پر حاوی ہو۔ اور جس کے حصول سے وہی نتائج مترتب ہوں جو جملہ مقاصد کے فرداً فرداً حصول سے ماخوذ ہو سکتے ہیں تعلیم کے مصلحان کبار ایک بڑی حد تک اس امر پر متفق الرائے ہیں۔ کہ طلبار کی چال چلن کو پاک اور استوار بنانا مدرسین کا فرض اعلیٰ ہے یا بالفاظ دیگر تعلیم کا مقصد وحید "اصلاح سیرت ہے"۔ بعض حضرات کا اعتراض ہے کہ یہ

مقصد بھی مذکورہ بالا مستردہ مقاصد کی طرح ناکافی اور نامکمل ہے۔ لیکن یہ اعتراض لفظ "سیرت" کی غلط فہمی پر مبنی ہے۔ جس حد تک انسانی زندگی کا انحصار افعال واعمال پر ہے لفظ سیرت کا تعلق زندگی کے کسی ایک جزو سے نہیں بلکہ کل سے ہے اس کے علاوہ تمام محصلہ علوم وفنون کا آخری ثمرہ سیرت ہی کی درستگی ہے۔

(۱) انفرادی پہلو المختصر تعلیم کی غرض وغایت یہ ہے کہ وسیع پیمانہ پر طلبا کے سیرت کی اصلاح کیجائے۔ تاکہ ان کے تمام ظاہری وباطنی قوا ترقی کریں۔ اور وہ شریف اور مکمل انسان کہے جانے کے مستحق ٹھیریں۔

(۲) معاشرتی پہلو۔ یہاں تک صرف انفرادی مفاد کو پیش نظر رکھ کر مقصد تعلیم پر بحث وتمحیص کی گئی۔ لیکن یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ انسان مدنی الطبع ہے۔ وہ جماعت سے علیحدہ رہکر نشوونما نہیں پاسکتا۔ "جو شخص عزلت وتجرد کی زندگی بسر کرے وہ انسان نہیں ہے۔ بلکہ فرشتہ ہے یا حیوان مطلق"۔ لہذا تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ انسان کی سیرت کی اصلاح اس طرح کیجائے کہ وہ جماعت کو نفع پہنچا سکے۔ اور ایک "مفید شہری" ثابت ہو۔ اگر کوئی شخص جماعت کو فائدہ نہ پہنچا سکے تو اس کا وجود بیکار ومعطل ہے

(۳) قومی پہلو۔ لفظ "مفید شہری" کے سنتے ہی ہمارا خیال مقصد تعلیم کے قومی پہلو کی طرف منعطف ہوتا ہے۔ "شہری" سے مراد یہاں اس خاص قوم وملت کے شہری سے ہے جس میں وہ شخص پیدا ہوکر نشوونما پاتا ہے۔ بارنٹ کا قول ہے کہ "کسی انگریز یا جرمن لڑکے کا روحانی ترکہ انگریزی یا جرمنی ہے۔ اور اس کو اس ترکہ ہی کے اندر اپنی نجات تلاش کرنی چاہئے"۔ مدرسہ کی تعلیم قومی ترقی کا پہلا زینہ ہے۔ لہذا طلبا کی سیرت کی اصلاح اس طرح ہونی چاہئے کہ آئندہ وہ اپنی قوم وملت کی خدمت کرسکیں بلکہ اپنے ذاتی مفاد کو قومی مفاد پر قربان کردیں اسکے یہ معنی نہ سمجھنا چاہئیں کہ انسان اپنی خدمات صرف اپنی ہی قوم وملت تک محدود رکھے بلکہ اپنے قومی حلقہ کے باہر عام بنی نوع انسان

کے ساتھ بھی ہمدردی کرے۔ مگر "دل خویش بعدۂ درویش" کے مقولہ کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔

(۴) عملی پہلو۔ ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ کہ جو علم و فضل عملی طور سے استعمال میں نہ لایا جا سکے وہ بالکل بے سود ہے۔ یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ انسان مدنی الطبع ہے۔ لہذا ہر شخص کسی جماعت کا رکن ہونے کی حیثیت سے بے شمار فرائض عاید ہوتے ہیں۔ جن کی بحسن و خوبی انجام دہی کے لئے اعلیٰ پیمانہ پر تعلیم و تربیت کی ضرورت ہے۔ لہذا انجام دہی فرائض کا لحاظ کرتے ہوئے تعلیم کا عملی پہلو نہایت اہم و ضروری ہے۔ تعلیم کے اسی عملی پہلو کا ذکر کرتے ہوئے ملٹن (MILTON) کہتا ہے کہ "میرے نزدیک وہی تعلیم مفید اور مکمل ہے۔ جو انسان کو اس لایق بنائے۔ کہ وہ انصاف۔ زیرکی اور فیاضی کے ساتھ اپنے تمام فرائض کو انجام دے سکے۔ خواہ وہ فرائض خانگی ہوں یا معاشرتی۔ جماعتی ہوں یا سرکاری اور خواہ ان کا تعلق صلح سے ہو یا جنگ سے"۔

محمد حسین ایم اے۔ بی۔ ڈی
صدر مدرس مدرسہ فوقانیہ عثمان آباد

تعلیم

رُوسو

۱۷۱۲ء تا ۱۷۷۸ء

حالت زمانہ سترھویں صدی رسم و رواج کے تخت تاراج اور وہم پرستی کے تباہ و برباد کرنے میں منہمک تھی۔ اٹھارھویں صدی کے آغاز میں سوسائٹی کا قدیم ڈھانچہ ایسا مسمار ہو گیا تھا کہ جدید کی ضرورت اور اس کی تعمیر کی جستجو شروع ہو گئی تھی پہلے پہل تو اصحاب ادراک و فہم ایک طبقہ کی دماغی۔ معاشرتی و سیاسی حالت کا نظام ترتیب دینے میں مصروف رہے لیکن بموجب قدیم خیالات ادنیٰ و اعلیٰ ایک دائرہ میں جکڑے ہوئے تھے اور اب صرف اپنے ایک جز کی اصلاح سے مطمئن نہ ہو سکتے تھے۔ ہر متنفس صدیوں کی لگاتار جدوجہد اور انوکھے و متضاد خیالات کی تشہیر سے حالت اضطراب میں تھا۔ ایسے رہبر جنہوں نے اپنے مطمح نظر کو خواص تک محدود کر دیا تھا ہر گز قوم کی رہبری میں کامیاب نہ ہو سکتے تھے چنانچہ ان پیشواؤں کا سرتاج والٹیر باوجود غیر معمولی تالیف و تصنیف کے تھوڑے ہی عرصہ میں ایک شعلہ کی طرح بھڑک کر خاموش ہو گیا اور وہ جس نے گذشتہ واقعات سے سبق لیا۔ عوام کے رجحان کو پہچانا ہر طبقہ کے پوشیدہ احساسات کو سمجھ لیا۔ ان کا دوامی استاد بن گیا۔

حالات زمانہ رُوسو اٹھارویں صدی میں ایک ایسا دور شروع کرتا ہے کہ تحریک جمہوریت کے عروج کے قدم بقدم اس کے خیالات کی اہمیت و عظمت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ یہ زبردست ہستی جس نے تمام متمدن دنیا میں ایک تہلکہ مچا دیا ایسی

ہی بے سروسامانی میں عالم وجود میں آئی جو کہ ہر بڑی شخصیت اور ہر بڑی تحریک کا
دارمدار ہے۔ ۱۷۱۲ء میں بمقام جنیوا جین رُوسو ایک غریب گھڑی ساز کے
گھر میں پیدا ہوا۔ پیار و لاڈ سے پلا اور ہوش سنبھالتے ہی مدرسہ کے حوالہ کر دیا گیا
ماں باپ کاریگر تھے۔ علم کی قدر و قیمت سے لاعلم تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بچہ پڑھائی
سے جی چرایا۔ والدین نے پرواہ نہ کی بے توجہی و غفلت بڑھتی گئی۔ مدرسہ سے نفرت
پیدا ہو چلی۔ آخر کار طبیعت ایسی اچاٹ ہوئی کہ بارہ برس کی عمر میں مدرسہ چھوڑ دیا
ماں باپ نے اپنی غربت کا خیال کرتے ہوئے اس کو کام میں لگا دیا تاکہ وہ خود اپنا
پیٹ پالے اور ان کا بار کم کرے۔ گو رُوسو نے مدرسہ کو خیرباد کر دیا تھا لیکن فطرتاً
وہ مطالعہ کا شوقین تھا درسی کتابوں سے کوسوں بھاگتا تھا مگر قصہ کہانیوں کی کتابوں
میں ایسی دلچسپی رکھتا تھا کہ گھنٹوں ان ہی میں مصروف رہتا تھا۔ اب کام کرتے ہوئے
مشکل سے چار برس گزرے تھے کہ اس سے بھی پیچھا چھڑایا اور آزادانہ زندگی بسر کرنے کی
ٹھان لی۔ وہ اپنی سوانح عمری میں بیان کرتا ہے کہ اپنے چار برس محض کاہلی اور سستی
میں صرف کئے۔ اس کے بعد چالیس برس کی عمر تک مصیبت ہی مصیبت رہی۔ کوئی
مستقل ذریعہ آمدنی نہ تھا اس واسطے طرح طرح کے کام کر کے روٹی بہم پہنچانی پڑتی
تھی۔ کبھی تو مضمون نویسی میں کچھ مل جاتا تھا کبھی کوئی امیر دوست کی مہربانی سے وقت
گزر جاتا تھا۔ اکثر فاقے بھی ہو جاتے تھے۔ ان مصائب کی وجہ سے یہ نہ خیال کرنا چاہیے
کہ وہ روٹی کمانے کی صلاحیت نہ رکھتا تھا۔ واقعہ یہ تھا کہ رُوسو کی فطرت میں آزادی
بلند پروازی اور نازک خیالی اس بلا کی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی کہ خارجی تیور
کا وہ بالکل متحمل نہ ہوتا تھا گھر میں پیسہ نہ تھا پس سوائے مصیبت بھرنے کے اور کیا
چارہ تھا؟

اکثر دیکھا گیا ہے کہ غربت و عسرت عمدہ خیالات پیدا کرتے ہیں رُوسو کو اپنی

پراگندہ زندگی میں فطرت انسانی اور اپنے زمانے کی سوسائٹی کے مطالعہ و مشاہدہ کا خوب موقع ملا۔ ہر قسم کے آدمیوں کے میل جول سے اس کی اعلیٰ طبیعت میں جو فطرتاً بلند خیال تھی ایسے خیالات پیدا ہوئے کہ ان کے اظہار کے بعد یورپ میں ایک گوشے سے لیکر دوسرے گوشہ تک آگ لگ گئی اور شاہت کے تخت الٹ گئے۔ جمہوری حکومتیں قائم ہوگئیں۔ چنانچہ نپولین اعظم کی رائے تھی کہ انقلاب فرانس رُوسو کی تحریرات و تصنیفات کا نتیجہ ہے۔

تصانیف ۱۷۴۹ء میں فرانس کی ادبی انجمن نے اعلان کیا کہ جو شخص اس سوال کا کہ آیا سائنس نے انسانی اخلاق و عادات اچھے کئے ہیں یا بگاڑے ہیں عمدہ جواب دے گا اس کو انعام دیا جائے گا رُوسو نے جو عرصہ سے اسی مسئلہ پر غور کر رہا تھا اور ہمہ قسم کے تجربہ سے ایک مستقل رائے قائم کر چکا تھا کامل جواب لکھا جو ایک رسالہ کی صورت میں شایع ہوا۔ اس نے نہایت ہی دلپذیر و موثر پیرائہ میں بیان کیا کہ انسان کا موجودہ تمدن "حالت فطرت" سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا اور چونکہ دنیا کی رفتار فطرت کے خلاف ہے روز بروز خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں اور بڑھتی جاتی ہیں انسان جو ہر نقطہ نظر سے ایک دوسرے کے برابر و مساوی ہیں مختلف طبیعتوں میں منقسم ہوگئے ہیں باہم گرد و شمنی فریب اور مکاری میں مصروف ہیں۔ اس نے فرانس کی سوسائٹی کا مقابلہ اس زمانے سے کیا جب کہ انسانی ضروریات کم تھیں اور ہر شخص ایک سادہ زندگی قناعت۔ قناعت و ایمانداری سے بسر کرتا تھا۔ اس مضمون نے ہیجان پیدا کر دیا۔ اس زمانے کی مظلوم رعایا نے چند ہمدردانِ قوم کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ اکثر کو سادہ زندگی کا خوشگوار خواب نظر آنے لگا اور بلا تفریق ہر طبقہ نے رُوسو کے خیالات کی مدح سرائی کی اس کامیابی نے رُوسو کو تقویت دی اور تیرہ سال تک وہ "حالت فطرت" کو الاپتا رہا اور اس کے بابت متعدد کتابیں لکھتا رہا آخر کار اس نے سوسائٹی کو

اپنے رنگ پر لانے کے لئے ایک کتاب ایمیل لکھی جس میں تعلیم کے بنیادی اصول
سے ہدایتیں دیں۔ یہ ایک ناول کے پیرائہ میں تحریر کی گئی ہے جس میں [illegible]
ہے کہ ایک لڑکا اپنے ماں باپ سے الگ۔ اس کے زمانے کے مدارس [illegible]
سوسائٹی کے اثرات سے محفوظ ایک اعلیٰ درجہ کے آئیڈیل اُستاد کی نگرانی میں فطرت
کے مطابق پرورش و تعلیم پاتا ہے۔

اس کتاب کا پہلا جملہ یہ ہے "دست قدرت سے ہر چیز عمدہ آتی ہے لیکن
انسان کے ہاتھوں بگڑ جاتی ہے"۔ ذرائع تعلیم تین ہیں فطرت۔ انسان اور اشیاء
اگر ان تینوں ذرائع میں مناسبت نہ رکھی جائے تو انسان کی تربیت ناقص ہو جاتی
ہے۔ تعلیم میں مناسبت اُسی وقت قائم رہ سکتی ہے جب کہ انسان گرد و نواح
کے اثرات فطرت کے ماتحت کرے۔ فطرت سے مطلب حواس
انسانی ہیں۔ جس پر کہ انسان کو کوئی قابو نہیں۔ (باقی آئندہ)

سجاد مرزا

مطلب تعلیم جغرافیہ کا اصلی

تجربہ سے یہ ثابت ہوا ہے کہ اکثر طلبا، جغرافیہ کے نام سے کوسوں بھاگتے ہیں۔ اور اگر مجبور کرکے انہیں اس کے اسباق یاد بھی دلائے جاتے ہیں تو بہت جلد بھول جاتے ہیں۔ اور عذر یہ پیش کرتے ہیں کہ "اتنے بہت سے شہروں۔ پہاڑوں، نالوں دریاؤں، جزیروں، قوموں، وغیرہ کے نام کیونکر یاد رہ سکتے ہیں۔ ہم کو صرف جغرافیہ کا سبق یاد کرنا نہیں ہے بلکہ اور دوسرے اسباق کی جانب بھی رجوع ہونا لابد ہے" جب جغرافیہ میں طلبا، کی دلچسپی کا یہ عالم ہے تو اساتذہ کو اس مفید علم کی تدریس میں کیونکر کامیابی ہو سکتی ہے؟ ایسی صورت میں ہم اساتذہ کو چاہئے کہ ایسے اسباب اور سامان کی ٹوہ میں رہیں کہ جن سے یہ مفید فن دلچسپ اور دلکش ہو جائے۔

میں اساتذہ صاحبان کو مشورہ دیتا ہوں کہ طلبا، کو بغیر نقشہ کے ہرگز جغرافیہ کو ہاتھ نہ لگانے دیں بلکہ ہو سکے تو جس ملک کا جغرافیہ یاد دلانا ہو تو اس کا نقشہ کسی ایسی جگہ آویزاں کیا جائے جہاں ہمیشہ ان کی نظر پڑتی ہو اس سے یہ بات پیدا ہوتی ہے کہ اس نقشہ کو دیکھتے دیکھتے ان کی نظر اتنی آشنا ہو جاتی ہے کہ اگر نقشہ کی عدم موجودگی میں بھی کسی پہاڑ یا دریا کا نام لیا جائے تو فوراً نقشہ اُن کی آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے اور فوراً کہدیتے ہیں مستفسرہ دریا یا پہاڑ کہاں ہے۔

اُس سے بہتر ایک اور طریقہ یہ ہے کہ طالب علم سے ہی جس ملک کا جغرافیہ یاد کرانا ہو نقشہ کھنچوایا جائے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ کم سن طلبا، جن کو نقشہ کشی نہیں آتی وہ

نقشہ کے اُوپر ایک مہین کاغذ جس میں سے اصل نقشہ بخوبی دکھائی دیتا ہے رکھ کر نقل کر لیتے ہیں۔ جس کو انگریزی میں (Tracing Paper) ٹریسنگ کہتے ہیں۔ اس کے بعد جب لڑکے ڈرائنگ سے واقف ہو چکتے ہیں تو ہر ایک نقشہ بغیر مہین کاغذ کی مدد کے اپنے روبرو رکھکر نقل کھینچ سکتے ہیں۔ رفتہ رفتہ نقشہ اُن کے سامنے سے نکال دیا جائے تو قوت متصورہ اتنی حاوی ہو جاتی ہے کہ آسانی سے اصل نقشہ کی نقل بنا لیتے ہیں۔

اس کے علاوہ اس سے زیادہ دلچسپ طریقہ ایک اور بھی ہو سکتا ہے۔ جس کو ہم نے چھوٹے بچوں کو اپنے کھیلوں میں اختیار کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ کم سن لڑکے اور لڑکیاں مٹی اور ریت میں گھروندے باغیچے باؤلیاں وغیرہ بناتے ہیں۔ اگر اس کھیل کو منقلب کر کے ہم اساتذہ کسی ملک کا خاکہ۔ دریا۔ پہاڑ۔ وادی وغیرہ خود بنائے ہوئے ان سے بنواتے جائیں تو یقینی جغرافیہ یاد کرانے کا یہ ایک کامیاب طریقہ ثابت ہوگا۔

کسی ملک کے جغرافیہ کو یاد دلانے کا اس سے بہتر کوئی اور طریقہ نہیں ہو سکتا کہ نقشہ دکھلاتے وقت ان کی پوری توجہ سے کام لیا جائے۔ اور اچھی طرح سمجھایا جائے۔ نقشے دو قسم کے ہوتے ہیں ایک سیاسی دوسرا طبعی۔ سیاسی نقشہ معمولی ہوتا ہے اس میں مختلف رنگوں کے ذریعہ ملک کے حصص دکھلائے جاتے ہیں جن کو انسان نے غرض حکومت جدا کیا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کون ملک کس کے قبضہ اقتدار میں ہے اور وہاں کون حکمراں ہے؟ لیکن طبعی نقشہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے زمین کو کس طرح پہاڑ۔ وادی۔ جزیرہ کی شکل میں ڈھالا ہے! اور کونسی ندی کہاں سے کہاں تک بہتی ہوئی کس حصہ ملک کو شاداب کرتی ہے یا یوں کہا جا سکتا ہے کہ طبعی نقشہ سے زمین کی ساخت اور نشیب و فراز معلوم ہوتا ہے۔ سیاسی نقشہ سے

طبعی نقشہ زیادہ اہم ہے۔ کیونکہ ہمیں یہ معلوم ہونے سے زیادہ فائدہ حاصل نہیں ہوتا کہ انسان نے کس طرح زمین کے حصے اپنی حکومت وغیرہ کی خاطر کئے ہیں۔ لیکن ہم کو یہ معلوم ہونا زیادہ فائدہ مند ہے کہ قدرت نے پہاڑ۔ وادی، سمندر۔ دھوپ بارش وغیرہ سے انسان کی زندگی پر کس قسم کے اثرات مترتب کئے اور کرتی ہے اگر طلبا، کو کسی ملک کی ساخت اور نشیب و فراز اور آب و ہوا سے بخوبی واقف کرائیں تو ان کو آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس ملک کا کون حصہ انسانی زندگی کے لئے موزوں ہے اور کس جگہ مختلف قسم کے اناج آسانی سے انسان بو سکتا ہے۔ اور کون سے دریاؤں میں ریل اور جہاز چلا سکتا ہے۔ کس مقام پر ندیوں سے آبپاشی کا کام لے سکتا ہے۔ کس قسم کے مقامات پر شہر آباد ہو سکتے ہیں اور ریل پہاڑوں کے کونسے درّوں سے کونسی وادی کی ہموار زمین پر سے ایک شہر سے دوسرے شہر کو ملا سکتی ہے۔ ان سب باتوں کے واقف کرانے کے بعد اس ملک کی تاریخ بھی اچھی طرح پڑھائی جا سکتی ہے کیونکہ اس ملک کے مختلف حصے ہوئے جن کو سیاسی نقشہ میں دیکھا ہے۔

جغرافیہ کی تعلیم کا اصل مقصد یہ ہے کہ یہ معلوم کرایا جائے کہ قدرت نے کسی مقام کی زمین کو کسی خاص شکل میں کیوں پیدا کیا ہے۔ اور اس سے انسان کس طرح مستفید ہو سکتا ہے؟ صرف زمین کے حصوں کے نام یاد کرانا اور ان کے محل وقوع سے واقف کرانا اتنا ضروری نہیں ہے جتنا کہ اس سرزمین کی آب و ہوا اور تشکیل سے واقف کرانا ضروری ہے۔ جغرافیہ کی تعلیم میں اس بات کی جستجو ہونی چاہیے کہ یہ کیوں ہوا وہ کیسے ہوا؟ مثلاً جغرافیہ ہند میں یہ بات دریافت کرتے ہیں کہ یہاں کے ذرائع حصول معاش کیا ہیں؟ کیوں اکثر زراعت پیشہ ہیں؟ وہ کیا اسباب ہیں کہ کسی جگہ گیہوں کی کاشت ہوتی ہے تو چاول کی نہیں ہوتی اور اگر کسی جگہ چاول کی ہوتی ہے تو گیہوں کی نہیں ہوتی اور کیوں کوئی مقام چائے کی پیداوار کے لئے مختص ہے؟ کس طرح آب و ہوا نباتی

آفتاب انسان کی زندگی کے معاون ہیں۔ وہ کیا اسباب ہیں کہ کسی مقام کی زمین قابل کاشت ہوتی ہے اور کسی مقام کی نہیں ہوتی چند صدیوں میں آبادی زیادہ ہے تو چند میں کم اور کہیں تو بالکل ہی نہیں۔ کیوں بعض مقامات پر زیادہ شہر آباد ہیں اور بعض مقامات پر کم؟ کیوں بعض جگہ بندیاں زیادہ ہیں اور بعض جگہ کم؟ کیوں بعض جگہ ریلیں ہیں نہ دریا؟

ہندوستان کے ساحل کے سبب سے (جو بالکل کم پھٹا ہوا ہے اور اپنے قریب بہت سے جزائر یورپ کی طرح نہیں رکھتا) کیا یہاں کے قدیم اور موجودہ باشندوں میں کسی قسم کا آئینی یا معاشرتی فرق پیدا ہو لیا ہے، اگر ہوا ہے تو وہ کیا ہے؟ کن اسباب کی وجہ کوئی خاص شہر کسی خاص مقام پر آباد ہوا اور دوسرے پر نہیں ہوا؟ کیا سبب ہے کہ کسی شہر کی آبادی روز افزوں ترقی پر ہے اور کسی شہر کی انحطاط پر؟ جو طالب علم کسی سرزمین کے طبعی حالات کو اچھی طرح سمجھ گیا تو مندرجہ بالا سوالات کا حل کرنا اس پر قریباً آسان ہو جاتا ہے۔ اور یہ بھی بتا سکتا ہے کہ ایک دوسرے ملک میں معاشرتی اختلاف کے کیا اسباب ہیں؟

دنیا کی مختلف قوموں میں جو باہمی فرق نظر آتا ہے اس کا اصلی سبب یہ ہے کہ ہر ایک ملک کی آب و ہوا، شکل الگ الگ ہوتی ہے اس لئے ہمیں چاہئے کہ جغرافیہ پڑھاتے وقت طبعی حالات کی طرف زیادہ رجوع ہوں ۱۲

سید احمد علی کرمانی بی اے
صدر مدرس مدرسہ وسطانیہ انگریزی نلگنڈہ

شذرات

صدر انجمن اساتذہ گلبرگہ شریف کا پہلا جلسہ بتاریخ ۱۰۔ امرداد ۱۳۳۳ف بمقام گلبرگہ شریف منعقد ہوا۔ ہر ضلع سے مدرسین اور صدر مدرسین شریک ہوئے۔ بعض اہم مضامین مثلاً سائنس۔ دینیات۔ معلومات عامہ حفظان صحت وغیرہ پر تقاریر ہوئیں۔ ارکان انجمن نے متعدد تجاویز منظور کیں اور یہ مصمم ارادہ کیا کہ ان پر کاربند ہونے کی پوری کوشش کریں گے۔ ایک کمیٹی مقرر کی اور اس کو ہدایت دی کہ نصاب مروجہ کے نقایص برآمد کرکے حالات مقامی کے لحاظ سے تجویزات پیش کرے۔ امتحان تحتانیہ کو مزید پانچ سال تک جاری رکھنے کی استدعا پیش کی۔ اور خطاطی کے لئے نارمل اسکول میں انتظام کرنے اور عام طور پر اس طرف توجہ منعطف کرنے پر زور دیا۔

اس تعلیمی کانفرنس کے ساتھ ساتھ ایک تعلیمی نمایش بھی ترتیب دیگئی تھی جس میں خاص طور پر وہ کام پیش کیا گیا تھا جو طلبا، دوران تعلیم میں کرتے ہیں۔ بعض مدرسین نے اپنے اختراعات پیش کئے آلات تعلیمی۔ نئی کتابیں و نقشہ جات وغیرہ بھی جمع کئے گئے تھے تاکہ مدرسین کے معلومات تازہ رہیں۔

حکومت برار نے ایک کمیٹی اس غرض سے مقرر کی تھی کہ مادری زبان کی تعلیم کے متعلق مفصل تجاویز پیش کرے۔ چنانچہ اس نے اپنی رپورٹ میں تحریر کیا ہے کہ مروجہ طرز تعلیم کو مداخلت سے پاک رکھکر مادری زبان کی تعلیم کے لئے مدارس قائم کئے جائیں۔ اور ختم تعلیم پر ان مدارس کے فارغ التحصیل نوجوانوں کی معاش کا انتظام کیا جائے۔

اور ایسے مدارس کھولے جائیں جہاں کہ ماوری زبان میں تعلیم پائے ہوئے طلبا کوئی پیشہ سیکھ سکیں۔

برمی زبان میں نئے علوم کی کتابوں کو ترجمہ کرنے کے واسطے یہ تحریک کی ہے کہ پہلے خانگی انجمنوں کو امداد دے کر ترجمہ کرایا جائے اگر یہ طریقہ ناکامیاب رہے تو سرکاری طور پر دارالترجمہ قائم کیا جائے اس کمیٹی نے خاص خاص حلقوں میں جبری تعلیم رائج کرنے کی رائے بھی دی ہے۔

ہندوستان کے بنگالی شاعر ٹیگور چین وجاپان کے سفر سے واپس آگئے۔ ان کا خیال ہے کہ ان تمام ممالک میں ایشائیت کا احساس ہے۔ اور آیندہ ترقی کی اُمید کی آگ سلگ رہی ہے ایشائی یہ محسوس کر رہے ہیں کہ ان کا مطمع نظر یورپ سے جداگانہ ہے مغرب مادہ پرستی میں تو مشرق تخیلات میں غرق ہے۔

انگلستان میں انجمن معلمات کا سالانہ جلسہ منعقد ہوا تھا۔ اس جلسہ میں کئی دلچسپ وکارآمد تحریکات پیش ہوئیں۔ ایک یہ تھی کہ ہر مدرسہ میں ایک مد غریب طالبات کی مدد کے لئے قائم کیا جائے جس سے ان کو اعلیٰ تعلیم حاصل دلائی جائے قیمتی کتابیں فراہم کیجائیں۔ دوسری یہ کہ مدرسہ میں گڑیا گھر بنایا جائے۔ جو کہ اصلی مکان کا صحیح نمونہ ہو۔ مس بردم نے اپنے شاگردوں کا تجربہ بیان کیا کہ انہوں نے کس طرح مکمل گھر تیار کیا اور اس کے ذریعہ خانہ داری سیکھی۔ ہندوستان میں بھی گڑیا لڑکیوں کی ذریعہ تعلیم تھی موجودہ مدارس نسواں میں اس کا عدم وجود قابل افسوس ہے۔ مناسب ہوگا گڑیا کو پھر زندہ کیا جائے۔

امریکہ کے شہر نیویارک کے مدرسین نے ایک نصاب تعلیم تیار کیا ہے اور حکومت سے استدعا کی ہے کہ امتحاناً اس کو کسی ایک مدرسہ میں جاری کیا جائے۔

ماہ اگست کے آخری ہفتہ میں بمقام وارسا ایک بین الاقوامی تعلیمی کانفرنس منعقد ہوگی جس کی صدارت پولینڈ کے پریزیڈنٹ کریں گے۔ اس میں مدارس تانوی کے قومی نظام تعلیم پر غور کیا جائے گا۔

ایک امریکن خاتون جو حال ہی میں افغانستان سے واپس آئی ہیں تحریر فرماتی ہیں کہ کابل کا مدرسہ نسواں جدید ترین مدارس کے نمونہ پر ہے۔ اس کی عمارت عالیشان ہے۔ اس کا فرنیچر عمدہ ہے۔ اس میں سب طبقوں کی لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں جو ملک و قوم سے ہمدردی رکھتی ہیں اور ہمہ تن تحصیل علم میں مشغول ہیں۔ اس مدرسہ کی اکثر معلمات لاہور کالج کے تعلیم یافتہ ہیں۔

بمبئی کے گورنر نے ولنگڈن کالج کا افتتاح کرتے وقت اس امر پر زور دیا کہ غربت کو حصول تعلیم میں سدراہ نہونا چاہئے۔ آکسفورڈ و کیمبرج کی یونیورسٹیوں و کالجوں کا وجود محض چند الدار اشخاص کے ایثار کا نتیجہ ہے۔ اسی طرح یہاں بھی امرا کو کار خیر میں خرچ کرنے سے دریغ نہ کرنا چاہئے۔

آیندہ مارچ میں جب بہار اڈیسہ کے ماہرین تعلیم کا اجلاس ہوگا تو اس کے ساتھ انجمن جغرافیہ کا اجلاس بھی ہوگا۔ اس انجمن کا مقصد یہ ہے کہ حکام سررشتہ تعلیمات کے سامنے جغرافیہ کی اہمیت پیش کرے اور ظاہر کرے کہ تخیل بشریت عالم کی ترقی کے لئے جغرافیہ

ایک نہایت اہم مضمون ہے (تعلیم)

صدر مدرس صاحب مدرسہ فوقانیہ نام پلی نے اطلاع دی ہے کہ مدرسہ میں ایک انجمن بنام "انجمن مدرسین مدرسہ فوقانیہ نام پلی" قائم کی گئی ہے۔ انجمن کے قیام کا مقصد مدرسین میں پیشہ مدرسی کے متعلق معلومات بڑھانا ہے۔ حصول مقصد کے لئے انجمن کے تین شعبے قرار دئے گئے ہیں۔ (۱) دارالمطالعہ (۲) دارالتقریر (۳) دارالتعلیم۔ صدر مدرس صاحب اور مددگار صاحبان کی یہ کوشش قابل قدر اور لایق تقلید ہے۔ قواعد وضوابط انجمن وصول ہوئے ہیں لیکن رسالے میں گنجایش نہ ہونے کی وجہ طبع نہ ہوسکے۔ شایقین مدرسہ سے طلب فرماسکتے ہیں۔

مدرسہ وسطانیہ قندھار ضلع ناندیڑ میں ۱۶ ربیع الاول ۱۳۴۰ھ ہجرے سے ایک لٹریری سوسائٹی قائم ہے جو "بدر سبھا" کے نام سے موسوم ہے۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس کے جلسے ہر ماہ ہلالی کی چودہ تاریخ کو بعد مغرب موقع طلوع بدر میں منعقد ہوتے ہیں۔ اس وقت تک ۲۰ جلسے منعقد ہوئے جس میں طلبہ مدرسہ و مدرسین کے علاوہ مقامی اہل علم نے بھی شرکت کی اور عملی حصہ لیا۔ سبھا کی جانب سے بعض طلبہ کو انعامات تقسیم کئے گئے۔

جامع عثمانیہ کے تین طلبہ کو جنہوں نے۔ بی۔ اے۔ کے امتحان میں کامیابی حاصل کی انگلستان کا وظیفہ تعلیمی عطا کیا گیا۔

دفتر نظامت تعلیمات سرکار عالی نے ممالک محروسہ کے تعلیم گاہوں کی

ایک فہرست شائع کی ہے جس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۳۳-۱۹۳۲ء میں (۴) کالج (۳۱) مدارس فوقانیہ۔ (۱۰۵) مدارس سفلانیہ (۱۱۵۲) مدارس تحتانیہ شاہی (۷۸۱) مدارس تحتانیہ لوکلفنڈ۔ (۱۴۹۵) مدارس آزمایشی۔ (۲۶) اسپیشل اور (۲۸۹) امدادی مدارس تھے۔

مس ین سنگ ین ایک چینی قانون برا کے اخبار "برامینوز" کے خدمت ادارت پر مامور ہوئی ہیں۔ غالباً ایشیا میں یہ پہلی مثال ہے کہ ایک عورت نے اپنے ذمہ ایسا کام لیا ہو۔

اطلاعات

دفتر صدر محاسبی سے منتقلی مدارس شاہی بد لوکلفنڈ وادائی کنٹربیوشن کے متعلق حسب ذیل احکام جریدہ میں شائع ہوئے ہیں۔

(۱) جملہ شاہی پرائمری مدارس باستثنا چند آباد شاہی مدارس کے جن کی تعداد ہر تعلقہ میں تین سے زیادہ کی نہ ہوگی اور جو بطور ماڈل اسکول یعنے نمونہ کے مدارس کے بحال رکھے جائیں گے مدلوکل فنڈ میں منتقل کئے جائیں گے۔ اور جو جدید مدارس لوکلفنڈ اس طرح سے قائم ہوں گے ان کے اخراجات کا اسکیل بہ نسبت مدارس شاہی کے کم رکھا جائے گا۔ نیز جو زائد اخراجات مدارس مذکورہ بالا کی منتقلی کی وجہ سے مدلوکلفنڈ پر عائد کئے جائیں ان کی پابجائی کے لئے مدشاہی سے سروست کنٹربیوشن یعنے امداد لوکل بورڈ کو دیجائیگی

(۲) آیندہ مدارس لوکلفنڈ کے دو اقسام ہوں گے۔

(الف) ایسے مدارس لوکل فنڈ جو سابق میں شاہی مدارس تھے اور جو حسب رزولیشن نمبر (۱) مدلوکلفنڈ میں منتقل کیئے گئے۔

(ب) موجودہ مدارس اپکلفنڈ۔

(۳) موجودہ پرائمری مدارس کی شرح تنخواہ میں کوئی ترمیم نہ کیجائے گی مگر مدارس لوکلفنڈ ضمن (الف) کے اخراجات کی شرح سب ذیل ہوگی۔

صدمدرس { ٹرینڈ ۵۰ تا ۱۰۰ / ان ٹرینڈ ۴۰ تا ۸۰ } مددگار { ٹرینڈ ۳۰ تا ۵۰ / ان ٹرینڈ ۲۵ تا ۴۰ }

فراش ۴ ماہانہ صادر۔ پانچ مدرسین کے لئے ۵۰ سالانہ صادر (۱۳ مدرسین یا ان سے کم کیلئے) ۴۰ سالانہ صادر۔ ایک مدرس کیلئے ۲۰ سالانہ

الونس سورنگاری ... { دو اور اس سے کم معلمات کے لئے ۳ ، / دو معلمات سے زائد کے لئے ۵ ، }

کرایہ مکان ..... ۵ سالانہ

سرویس ٹکٹ ... { تین مدرسین اور کم کے لئے ۳۰ سالانہ / زائد از سہ مدرسین کے لئے ۶ سالانہ }

تعین تعداد مدرسین وغیرہ کی نسبت مدارس شاہی کے موجودہ قواعد کی پابندی کی جائے گی۔

۲۔ اس اسکیم کا نفاذ بتدریج ہوگا تاکہ موجودہ مستحق شاہی ملازمین کے حقوق اس سے متاثر نہ ہوں چنانچہ سردست اتنے ہی مدارس مدلوکلفنڈ میں منتقل کئے جائیں گے جن کیلئے مدارس شاہی سے ایسے اساتذہ مل سکتی ہوں جو بلحاظ عدم استقلال وعدم قابلیت و عدم استحقاق کارگزاری وغیر کامیابی امتحانات مقررہ وغیرہ شاہی ملازمت کے لئے مستقل حقوق نہ رکھتے ہوں اور آئندہ بھی تا وقتیکہ جملہ شاہی مدارس مدلوکلفنڈ میں منتقل نہ ہوجائیں

جدید تقررات شاہی مدارس میں مڈل یا اس سے کم قابلیت کے گریڈ میں عارضی طور پر اس شرط سے کئے جائیں گے کہ جب کبھی موقع اور ضرورت ہو یہ جدید مامورہ مدرسین لوکلفنڈ مدارس میں علاقہ مذکورہ کی شرح تنخواہ پر منتقل ہوسکیں گے۔

اگر بالفرض کسی ایسے شاہی ملازم کو مدلوکلفنڈ میں منتقل کرنے کی ضرورت داعی ہو جو ازروئے ضابطہ وظیفہ یا انعام کا مستحق ہو تو اس کا وظیفہ یا انعام اس بچت رقم سے ادا کیا جائے گا۔ جو مدارس شاہی کی منتقلی کی وجہ سے پیدا ہوگی۔

سررشتہ تعلیمات اس طرح جس بچت سے استفادہ کرسکے گا وہ دو نوعیت کی ہوگی

(۱) ایسے مصارف کی گنجایش جو منتقلی مدارس بہ علاقہ لوکلفنڈ کے بعد مسدود ہوجائیں یہ گنجایش علاقہ لوکلفنڈ کے مزید بار برداشت کرنے کی آمادگی یا بعض مدارس وغیرہ کے بند ہوجانے پر امداد علاقہ دیوانی کی مستقل مسدودی کی صورت میں مہیا ہوگی لیکن اگر مدارس منتقلہ کا خرچ لوکلفنڈ کی سالانہ آمدنی سے نہیں ادا کیا جائے گا۔ بلکہ لوکلفنڈ کی سلک سنواتی سے ہوگا تو ایسی صورت میں اخراجات شاہی میں جو عارضی بچت ہوگی اس سے سررشتہ تعلیمات کو مستفید ہونے کا حق نہ ہوگا۔

(۲) مدارس منتقلہ کے موجودہ خرچ بہ اسکیل دیوانی اور متوقعہ خرچ بہ شکل کنٹربیوشن بلحاظ اسکیل لوکلفنڈ میں جو تفاوت ہے بعد وضع اخراجات وظیفہ مستقل ملازمین شاہی منتقلہ بعلاقہ لوکلفنڈ اس بچت سے جیسے جیسے مدارس شاہی کی منتقلی علاقہ لوکلفنڈ میں ہو اور مصارف میں حقیقی کمی واقع ہو۔ سررشتہ تعلیمات استفادہ کرسکے گا۔

اشتہارات

مرتبہ مولوی عزیز نصیر صاحب مرحوم

وکرم اردوی

یعنی ہماکوی کالیداس کے ایک مشہور ناٹک کا ترجمہ مع ایک بسیط مقدمہ کے جس میں ہندو ڈراما کی تاریخ اور نوعیت پر مفصل بحث کی گئی ہے قیمت فی جلد ..... (عہ)

مؤلفہ سید محمد حسین جعفری بی اے اکسن

مفتاح التعلیم

اردو میں پہلی کتاب ہے جس میں سلیس زبان و عام فہم پیرائہ میں یورپ کے جدید ترین اصول طریقہ تعلیم کنڈرگارٹن تحریر کئے گئے ہیں اور ایسے طریقہ بتلائے گئے ہیں جسکی مطابق تعلیم مدارس تحتانیہ اضلاع میں ہوسکتی ہے اسمیں جابجا تصاویر دیگر مطلب واضح کیا گیا ہے قیمت فی جلد (عہ)

مؤلفہ سید محمد حسین جعفری بی اے اکسن

ہدایات برائے مدرسین

جن معائنہ مدارس جس قدر بھی ہدایات دیجاسکتی ہیں وہ سب ایک کتاب کی صورت میں شائع کی گئی ہیں۔ اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ اہم ترین امور معمولی اردو امور کے متعلق تفصیلی ہدایات درج ہیں قیمت فی جلد ..... (عہ)

مؤلفہ مسز فشر

خلاصہ تاریخ انگلستان

اب تک اردو میں کوئی ایسی مختصر تاریخ انگلستان موجود نہیں تھی جس کے پڑھنے سے انگریزوں کے حالات معلوم ہوسکیں۔ یہ کتاب اگرچہ میٹرک کے نصاب میں داخل ہے مگر ہر شخص اس سے فائدہ حاصل کرسکتا ہے قیمت فی جلد ..... (عہ)

ملنے کا پتہ

دفتر "المعلم" حیدرآباد دکن

دی انڈین کوآپریٹیو اینڈ سٹریل سوسائٹی لمیٹڈ چادرگھاٹ حیدرآباد دکن ہماری

دوکان میں ہر قسم کی ملکی مصنوعات موجود ہیں۔ عمدہ کپڑا سوتی وادنی و ریشمی۔ سنگاریڈی کا شہرہ کپڑا خالص ہاتھ کی بنی ہوئی کھادی پاتابے۔ دستیاں۔ توال چھپی ہوئی وسادی چادریں وغیرہ۔ بیدری سامان از قسم بٹن۔ بروچ۔ ڈبیاں۔ کنگتیاں وغیرہ وغیرہ چاندی کا سامان از قسم عطردان پاندان سگریٹ کیس کھیلوں کے انعامات مثلاً کپ شیلڈ وغیرہ اسٹیشنری۔ ہر قسم کا دیسی کاغذ پنسل وکل کی طرح طرح دواتیں کاغذ واب۔ پن ریک وغیرہ (نیم آنہ روانہ کرنے پر فہرست اشیاء مع قیمت مل سکتی ہے)

ایم۔ نظام الدین اینڈ کو منیجنگ ایجنٹ

اعلیٰ حضرت قدر قدرت حضور پرنور بندگانی متعالی مدظلہ العالی خلد اللہ الملکہ وسلطانہ

سے بذریعہ فرمان مبارک

میری ذاتی مشین پریس کو پیگا چکیم السیاست

۵ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ فرخندہ شہزادہ ولیعہد دولت عہد نواب اعظم جاہی دامت اللہ تعالیٰ اجلالہ کے مبارک نام نامی سے

اعظم اسٹیم پریس سے موسوم کرنے کی اجازت عطا فرمائی گئی۔ اس کی قدردانی اور کارروائی ہر قسم کی بدرجہ اعلیٰ لکھائی چھپائی رنگین سادہ اور مصنفین کی سہولت۔ دفاتر سرکاری کے موقع

طباعت کے عمدہ اور فوری انجام پانے کا خاص اہتمام کیا گیا ہے

سررشتہ تعلیمات کی جملہ طباعت کے متعلقہ جملہ اصلی کتب نصاب خلاصہ جات کتب اقسام اردو۔ فارسی عربی انگریزی سنسکرت

ڈرائنگ تصاویر بچوں کی ابتدائی تعلیم اور ڈرائنگ کے عملیات کے لئے مفید و کارآمد ہیں کتب ڈرائنگ

و کاپیاں و کھپاس و تصاویر نباتات و جانوران وغیرہ

نقشہ جات ہندوستان ایشیا۔ یورپ افریقہ امریکہ بھی موجود ہیں جن کی نہایت واجبی قیمت ہے

تفصیل کے لئے کتب خانہ ہذا کی فہرست کتب مفت طلب فرما کر ملاحظہ فرمائی جائے

خاکسار

سید عبد القادر تاجر کتب و سپرنٹنڈنٹ مالک اعظم اسٹیم پریس چاہ مینا حیدرآباد دکن

آتالیق کم سن طالبعلموں کا ماہوار رسالہ ہے چکنے سفید کاغذ پر خوشنما لکھوائی چھپوائی کے ساتھ نکلتا ہے اس میں بچوں کو سائنس اور طبیعات کے ابتدائی اصول آسان کرکے سمجھائے جاتے ہیں بچوں کو دلچسپ اور نتیجہ خیز کہانیاں سنائی جاتی ہیں اردو ایسی سلیس ہے کہ تیسری چوتھی جماعت کے بچے بھی مضامین سمجھ سکتے ہیں۔ ریاست نظام کے سررشتہ تعلیمات نے صدہا رسالے سرکاری مدارس کے لئے خرید لئے ہیں قیمت صرف (۴) سالانہ ہے نمونہ ۴ پرچے کا ٹکٹ وصول ہونے پر بھیجا جائے گا۔

ملنے کا پتہ دفتر آتالیق شاہ علی بنڈہ حیدرآباد دکن

رجسٹرشدہ ٹپہ سرکار عالی نشان ۲۱

جلد اوّل نمبر ۶

المعلّم

ماہ بہمن سنہ ۱۳۳۴ف

مطبوعہ

نظم اسٹیم پریس چارمینار

حیدرآباد دکن

قواعد

(۱) یہ محض تعلیمی رسالہ ہے جس میں تعلیم کے مختلف شعبوں کے متعلق مضامین درج ہونگے سیاسی یا مذہبی مضامین شریک نہ کئے جائیں گے۔

(۲) یہ رسالہ ہر ماہ فصلی کے پہلے ہفتہ میں شائع ہوا کرے گا۔

(۳) پرچہ وصول نہ ہو تو ہر ماہ فصلی کی ۲۵ تاریخ تک خریدار صاحبان بجوا نمبر خریداری مطلع فرمائیں۔

(۴) مضامین ناقابلِ طبع متصور ہوں گے انکی واپسی خرچۂ ڈاک کی روانگی پر منحصر ہوگی۔

(۵) اس رسالہ کی قیمت سالانہ (۲) مع محصولڈاک ہے جو پیشگی لیجائے گی۔

(۶) اجرتِ طبع اشتہارات درج ذیل ہے۔

	۱ صفحہ	نصف صفحہ	ربع صفحہ
ماہانہ	۸	۵ ۸ر	۳ ۸ر
سہ ماہ	۲۲	۱۱	۶ ۸ر
ششماہ	۴۰	۲۲	۱۱
سالانہ	۷۲	۴۰	۲۲

(۷) مراسلت ایڈیٹر رسالۂ المعلم سے پتۂ ذیل پر ہونی چاہیئے۔

سید محمد حسین جعفری بی۔اے (آکسن) ایڈیٹر

دفتر المعلم کوچہ چراغ علی محلہ سانچہ توپ حیدرآباد دکن

اطلاع

حیدرآباد میں طاعون شائع ہونے کی وجہ رسالۂ المعلم کی روانگی میں کسی قدر تاخیر ہو رہی ہے۔ اُمید کہ خریدار صاحبان اس تاخیر کو قابلِ درگذر تصور فرمائیں گے۔

ایڈیٹر

ہمارے نقاد

رسالہ اردو اورنگ آباد بابت ماہ اکتوبر ۱۹۲۴ء میں
المعلم پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ اس تبصرہ کے جواب میں ہم نے
ایک خط قابل ایڈیٹر صاحب رسالہ اردو کی خدمت میں روانہ
کیا تھا۔ صاحب موصوف نے ازراہ کرم خط کا جواب ادا فرمایا ہے
ہم ناظرین المعلم کی اطلاع کے لئے ہر دو خطوط ذیل میں
شائع کرتے ہیں۔

خدمت جناب ایڈیٹر صاحب رسالہ اردو

مکرمی تسلیم۔ رسالہ اردو بابتہ اکتوبر ۱۹۲۴ء میں "رسالہ المعلم" پر جناب نے جو تبصرہ فرمایا ہے اسے میں نے بڑی دلچسپی سے پڑھا۔ رسالہ میں جو غلطیاں پائی گئیں ان کے طرف توجہ دلانے کی جو زحمت جناب نے گوارا فرمائی ہے میں اس کی قدر کرتا ہوں لیکن انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ اس بات کو جتلادوں کہ جن غلطیوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ تقریباً سب کتابت اور چھپائی کی غلطیاں ہیں مثلاً:-

(الف) سرگذشت بجائے سرگزشت چھپ گیا۔
(ب) وقتاً فوقتاً " وقتاً فوقتٍ "
(ج) کہالیا " کہالی وغیرہ

ہمارے ملک میں چھپائی کی جو حالت ہے وہ جناب سے پوشیدہ نہیں اور طباعت کی اس منزل پر کسی کتاب یا رسالہ کا غلطیوں سے پاک ہونا تقریباً ناممکن ہے۔ چنانچہ خود رسالہ اردو

میں جس کی چھپائی میں اس قدر تامل قدر احتیاط برتی جاتی ہے اس قسم کی غلطیاں آ جاتی ہیں۔ اور رسالہ اردو بھی اس قسم کی لغزش سے اپنے آپ کو بچا نہ سکا۔ مثلاً:

(۱) تخسیر فرانس بجائے تسخیر فرانس (رسالہ اردو ماہ اکتوبر ۱۹۲۲ء صفحہ ۱۲۵)

(۲) قدیم بجائے قدم (رسالہ ماہ اپریل ۱۹۲۲ء صفحہ ۲۷۴)

(۳) آیا بجائے ایا (رسالہ ماہ اپریل ۱۹۲۲ء صفحہ ۲۷۴)

(۴) مباحثہ ہو رہی تھے (رسالہ ماہ اپریل ۱۹۲۲ء صفحہ ۲۷۴)

(۵) مومت بجائے موت (رسالہ ماہ اپریل ۱۹۲۱ء صفحہ ۳)

(۶) گنجھلک بجائے گنجلک (رسالہ ماہ اکتوبر ۱۹۲۲ء صفحہ ۱۴۶)

(۷) نجھنے بجائے سمجھنے (رسالہ ماہ جنوری ۱۹۲۲ء صفحہ ۱۲۰)

(۸) قطب شاہ کی کلیات کا ذکر ہے (رسالہ ماہ جنوری ۱۹۲۲ء صفحہ ۱۴)

(۹) بلوغت کی سرحد (رسالہ ماہ جنوری ۱۹۲۲ء صفحہ ۱۵)

(۱۰) اس نے عربی الماکی پرواہ نہ کی۔ پرواہ بجائے پروا (رسالہ ماہ جنوری ۱۹۲۲ء صفحہ ۲۰)

(۱۱) دوسری وجہ اس کی قیام کی وارن ہیسٹنگس نے یہ بیان کیا ہے۔ کیا بجائے کی (رسالہ ماہ اپریل ۱۹۲۲ء صفحہ ۲۷۴)۔

(۱۲) زور حاضرہ کی شاعرات۔ بجائے دور حاضر (رسالہ اکتوبر ۱۹۲۲ء صفحہ ۹۳)

(۱۳) چند ہی ورق لوٹنے کے بعد۔ لوٹنے بجائے الٹنے (رسالہ اکتوبر ۱۹۲۲ء صفحہ ۹۳)

محاورہ کی غلطی کے متعلق مجھے ماننا پڑتا ہے کہ بعض مقامات پر میں نے ان کے استعمال میں آزادی سے کام لیا ہے۔ لیکن آزادی کے ساتھ یہ احتیاط ملحوظ رکھی ہے کہ مطلب خبط یا مبہم نہ ہونے پائے۔ اس میں ایک حد تک میں نے جناب کی تقلید کی ہے۔ رسالہ اردو میں جو محاورات اور اصطلاحات کے استعمال میں آزادی اور جدت سے کام لیا گیا ہے اس کی چند مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

(۱) "رسالہ کسی قدر مُردہ معلوم ہوتا ہے" از روے محاورہ مضمون یا کتاب کو خشک یا بے لطف کہا جاتا ہے۔ (رسالہ اکتوبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۱۴۶)۔

(۲) "سنسار کی اثرات" یہ ترکیب غیر فصیح ہے اس کے بجائے عالمگیر اثرات عام فہم ہوتا (رسالہ ماہ اکتوبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۵۹)۔

(۳) "یہ داستان جیوٹ اور بہادری کے قصوں کا ایک سلسلہ ہے" جیوٹ بہادر کو کہتے ہیں نہ کہ بہادری کو۔ آتش کا مصرع ہے۔

ع "اس مقام پر جی چھوٹتا ہے جیوٹ کا"

المعلم کے طرز تحریر اور اس کے مضامین کے متعلق لفظ مردہ تبصرہ میں آیا ہے اس بارے میں یہ ظاہر کر دینا مناسب ہے کہ المعلم کا تعلق تعلیم سے ہے۔ عام طور پر فنی رسائل پبلک کے لئے دلکش اور شگفتہ نہیں ہوتے۔ حتی الامکان کوشش کی جاتی ہے کہ رسالہ میں ایسے مضامین شایع ہوا کریں جو اساتذہ کے لئے مفید اور عالم لوگوں کے لئے باعثِ دلچسپی ہوں۔

المعلم پر "ال" غیر ضروری بتلایا گیا ہے "ال" متروک ہو سکتا تھا لیکن عمداً اس لئے استعمال کیا گیا کہ اسما پر "ال" کا اضافہ ایک خاص شان اور کیفیت پیدا کرتا ہے۔ اور اس کی بے حساب مثالیں مل سکتی ہیں مثلاً:۔ المامون، الفاروق، کتابوں کے نام ہیں۔ البشیر، الہلال، اخبارات ہیں۔ العالم الاسلامی خود جناب کا ایک مضمون ہے۔

میں نے یہ خط جناب کی خدمت میں اس غرض سے لکھا ہے کہ جناب براہِ کرم اسکو اپنے رسالہ میں شائع فرما دیں تاکہ ناظرینِ رسالۂ اردو کو جناب کے تبصرہ سے جو کچھ بھی غلط فہمی رسالۂ المعلم کے بارے میں ہوئی ہو وہ دور ہو جائے۔

المعلم اس ملک کے لئے اپنی طرز کا پہلا رسالہ ہے اور ابتدائی حالت میں ہونے کی وجہ

کثیر مشکلات میں گھرا ہوا ہے۔ اس کو سنبھلنے کے لئے آپ جیسے اردو کے بہی خواہ حضرات کی حوصلہ افزائی اور مدد کی ضرورت ہے فقط

ایڈیٹر

نقل جواب جناب ایڈیٹر صاحب رسالہ اُردو

یکم اسفندار ۱۲۳۴ف

بخدمت جناب ایڈیٹر صاحب المعلم

مکرمی۔ تسلیم۔

آپ کا مراسلہ مورخہ یکم اسفندار مجھے پہونچا۔ میرا مقصد المسلم کے تبصرہ سے ہرگز یہ نہیں تھا کہ آپ یا آپ کے رسالہ پر حملہ کیا جائے۔ میں آپ کے خط کو بجنسہٖ اُردو میں شایع کر دونگا تاکہ اگر کوئی غلط فہمی واقع ہوگئی ہو تو دفع ہو جائے۔

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھے اس رسالہ کی اشاعت سے حقیقی مسرت ہوئی ہے اور میں اور رسالہ اردو ہر طرح سے اس کی مدد کرنے کے لئے آمادہ رہے گا۔ کیونکہ اس قسم کے فنی رسائل کی جو آپ جیسے تعلیم یافتہ اصحاب کی نگرانی اور ایڈیٹری میں شائع ہوں اس ملک کو شدید ضرورت ہے فقط

عبدالحق

ایڈیٹر اردو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

العلم

(۱) تصورات وتخیلات اطفال	ایڈیٹر	(۱ تا ۵)
(۲) ضبط مدرسہ کے چند نقائص	سید ساجد علی صاحب بی اے مہتمم تعلیمات ضلع پربھنی	(۶ تا ۱۷)
(۳) تعاون	نظیر حسین صاحب فاروقی مہتمم تعلیمات ضلع نظام آباد	(۱۸ تا ۲۱)
(۴) جنوبی ہند کے چند خاکے	محمد عصمت اللہ خاں مددگار ناظم تعلیمات	(۲۱ تا ۲۷)
(۵) تبصرہ		(۲۸ تا ۳۲)
(۶) اطلاعات		(۳۲)

جلد اول | ماہ بہمن سنہ ۱۳۳۴ف | نمبر ۶

تصورات وتخیلات اطفال

بچوں کے خیالات فاصلہ کے متعلق

(۱) جیسا کہ وقت کے بیان میں لکھا گیا فاصلہ کے متعلق بھی بچوں کے خیالات بڑوں سے جُدا ہوتے اور وحشیوں کے خیالات سے ملتے جلتے ہیں۔ ان کا خیال فاصلہ کی بابت اس وقت تک مبہم رہتا ہے جب تک کہ یہ چلنے پھرنے لگتے اور سفر کرتے ہیں۔

(۲) بچوں کا یہ طبعی میلان ہوتا ہے کہ دور کی چیز کو قریب سمجھتے ہیں مثلاً چاند کو پکڑنے چھوٹے بچوں کا ہاتھ پھیلانا اس کا ثبوت ہے۔ اسی طرح یہ خیال کرنا کہ ستارے وغیرہ تک سیڑھی کے ذریعہ رسائی ہو سکتی ہے۔ راقم کمسنی میں خیال کرتا تھا کہ اگر کئی کرسیاں ایک دوسرے پر رکھی جائیں اور ان پر چڑھا جائے تو ستاروں تک رسائی ہو سکتی ہے۔

(۳) ننھے بچوں کے چھوٹے چھوٹے پیر دور دراز فاصلے طے کرنے کی طاقت و قوت نہیں رکھتے اس لئے وہ فاصلہ جس کو ہم قلیل سمجھتے ہیں ان کے ذہنوں میں طویل معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً ایک کمسن لڑکا اپنی ماں کے ساتھ چلتا ہوا اپنے گاؤں کی سرحد پار کرتا ہے اور ماں سے پوچھتا ہے کہ "اماں کیا ہم اب دوسرے ملک میں آ گئے؟"

(۴) کمسن بچے مثل وحشیوں کے دنیا کو ایک کمرہ یا خیمہ سمجھتے ہیں۔ اسی طرح ان کے خیال میں آسمان قریب تر چیز ہوتی ہے مثلاً ایک چار سالہ لڑکی چند بلند درختوں کو دیکھکر کہتی ہے کہ "دیکھو وہ جھاڑ آسمان تک پہونچ گئے ہیں"۔

اساتذہ کو چاہیئے کہ حساب کی تعلیم کے وقت جب ابتدائی پیمایش کمسن بچوں کو سکھائیں تو بچوں کے ان تصورات کا لحاظ رکھیں جو ابھی اوپر بیان کئے گئے۔

مذہب کے متعلق بچوں کے خیالات

(۱) بعض حکماء اور فیلسوف کا خیال ہے کہ مذہبی خیالات کی بنیاد خوف ہے یعنی انسان ان تمام چیزوں سے جو اس کے جان و مال کے لئے باعث خطر ہوتے ہیں محفوظ رہنے کے لئے پرستش شروع کرتا ہے بعض علماء نے اس کی تردید کی ہے اور کہتے ہیں کہ صرف خوف ہی انسان کو مذہبی نہیں بناتا بلکہ اس کے اور دوسرے وجوہ ہوتے ہیں جو کچھ بھی ہو ہمارا مقصد یہاں اس بحث سے نہیں ہے بلکہ بچوں کے خیالات مذہب کے متعلق ظاہر کرنا ہے اسلئے اس بحث کو نظر انداز کرتے ہیں۔

(۲) بچّوں کے مذہبی خیالات کا مدار اکثر اوقات ان کے اطراف واکناف کے حالات پر منحصر ہوتا ہے اور بچّے جیسا کہ دوسروں کا عمل دیکھتے ہیں ویسا خود کرتے ہیں۔

(۳) خدا کے متعلق بچّوں کے خیالات مضحکہ خیز ہوتے ہیں اکثر بچّے (خصوصاً لڑکیاں) خدا کو عورت سمجھتے ہیں۔ مثلاً ایک چار سالہ لڑکی اپنی ماں سے پوچھتے ہوئے کہ کیا تم جانتی ہو کہ وہ محترمہ (خدا) جو اوپر ہوا میں رہتی ہے کیسی ہے؟ خود کہتی ہے کہ میں سمجھتی ہوں کہ وہ زیورات جواہرات اور موتیوں میں لدی ہوگی۔ ایک لڑکی نے جبکہ اس کی عمر ۵ سال ۶ ماہ کی تھی دریافت کیا کہ خدا مرد ہے یا عورت۔

(۴) یہ خیال کہ خدا ہر جگہ حاضر و ناظر ہے بچوں کو بہت پریشانی میں ڈالتا ہے اس کے متعلق ایک لطیفہ قابل ذکر ہے۔

ایک چار سالہ لڑکی کمرے میں تنہا جانے سے انکار کرتی ہے جب اس کی ماں اس سے وجہ انکار دریافت کرتی ہے تو کہتی ہے کہ "اماں تم نے کہا تھا کہ خدا ہر جگہ ہوتا ہے پس کمرے میں بھی ہوگا اور اوس سے تنہا میں مٹ بھیڑ نہیں کرنا چاہتی۔

(۵) بعض بچّے معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ خدا کس شغل میں مصروف رہتا ہے مثلاً ایک لڑکا لکھتا ہے کہ اس کی ایک ۵ سال، ۶ ماہ کی لڑکی نے دریافت کیا کہ "ابا خدا اور اس کی بیوی کیا کرتے رہتے ہیں؟ باپ نے لاعلمی ظاہر کی تو لڑکی نے جواب دیا "مجھے معلوم ہے دونوں ہاتھ میں بیکار بیٹھے رہتے ہیں نہ ہوا خوری کو جا سکتے ہیں اور نہ انہیں کچھ کام ہے۔ بچوں کا یہ خیال یہودیوں کے اس خیال کے موافق ہے جو کہتے ہیں کہ ید اللہ مغلولہ۔

(۶) بچّوں کے خیال میں خدا آسمان پر رہتا ہے اور یہ بچپن کا خیال اس قدر راسخ ہوتا ہے کہ بڑے ہونے کے بعد بھی انسان وقتِ دُعا آسمان کی طرف نظر کرتا ہے مثلاً ایک لڑکی جو خدا کو آسمان پر سمجھتی تھی کہتی ہے کہ اگر میں مکھی ہوتی تو اُڑ کر آسمان پر جاتی اور دیکھ آتی کہ آیا خدا درحقیقت ہے یا نہیں۔

(۷) یہ بات کہ خدا آنکھ کان وغیرہ نہیں رکھتا پھر سمیع و بصیر ہے۔ بچوں کو حیران کرتی ہے مثلاً راقم کی ایک ۵ سالہ لڑکی کو یہ بات بتائی گئی تو فوراً حیرت سے کہا کہ یہ عجیب بات ہے کہ خدا کو آنکھ نہیں کان ندارد اور پھر دیکھتا اور سنتا ہے اس کو ہزار سمجھایا گیا لیکن تشفی نہ ہوئی اور ہنسکر خاموش ہوگئی۔ میرا خیال ہے کہ کمسن بچوں کو جب مذہبی تعلیم دی جائے تو پہلے عمل سے تعلیم شروع ہو یعنے نماز وغیرہ سکھائی جائے اور بس ان گہری باتوں کا ذکر ان کے سامنے لاحاصل ہے کیونکہ بچے سمجھ نہیں سکتے۔

(۸) بچے خدا کو مثل انسان کے سمجھتے ہیں اور جو روبچے والا خیال کرتے ہیں مثلاً میری ایک ۴ سال ۹ ماہ کی لڑکی خارش میں مبتلا ہوئی تو ایک وقت حالت اضطراب اور تکلیف میں کہی کہ "اللہ میاں کو بھی ایسی خارش ہو جائے یا اُس کے بچوں کو ہو جائے"!

ایک ۹ سالہ لڑکی نے یوم عرفہ کی تیاریاں دیکھکر ماں سے دریافت کیا کہ عرفہ کیا چیز ہے اب اس بارے میں جو مکالمہ اس لڑکی اور ماں کے درمیان ہوا درج ذیل کیا جاتا ہے۔

ماں۔ کل بقرعید ہے اور آج کے دن کو عرفہ کہتے ہیں آج مکہ میں حاجی لوگ حج کرتے ہیں اور جو حج کو نہیں جا سکتے وہ اپنے گھروں میں عبادت کرتے ہیں۔

لڑکی۔ حج کیا چیز ہے؟

اس سوال کے جواب میں ماں نے ارکان حج اور مختصر حالات بیان کئے اور منجملہ ان کے یہ بھی کہا کہ ایک خاص مقام پر جانے کے بعد سر منڈوایا جاتا ہے صرف ایک کپڑا اوڑھا جاتا ہے اور پھر ایک مقام پر پہونچکر پتھر مارتے ہیں اور پھر ایک پتھر کو بوسہ دیا جاتا ہے وغیرہ

لڑکی نے یہ ساری باتیں سُنکر سوال کیا کہ اچھا اماں یہ سب کرنے سے خدا کو کیا فائدہ ہوتا ہے؟

ماں۔ خدا کو فائدہ نہیں ہم کو ثواب ہوتا ہے۔

لڑکی۔ سر منڈانے۔ پتھر پھینکنے۔ پتھر کو چومنے اور ایسے حرکات کرنے سے کیا ثواب ہوتا ہے میری سمجھ میں نہیں آتا۔

لڑکی کے اس جواب پر ماں نے اسکو ڈرایا کہ ایسی باتیں نہ کہے گناہ ہوتا ہے لڑکی خاموش ہوگئی لیکن اس کو تشفی نہ ہوئی۔

مثال بالا سے ظاہر ہوا کہ بچوں کے سامنے وہ باتیں نہ کہنی چاہیئے جس کو نہ بتا سکتے ہوں یا اُن کی عمر و عقل کے لحاظ سے ان کے سمجھ میں نہ آتی ہوں۔

یہ مضمون ان مدرسین کے لئے جو تعلیم مذہبی دیتے ہیں غور و خوض کا میدان وسیع رکھتا ہے مجھ کو یقین ہے کہ اس مضمون کے مطالعہ کے بعد مدرسین کو طریقہ تعلیم مذہبی میں اصلاح کرنے کی خود بخود ضرورت محسوس ہوگی فقط

ایڈیٹر

ضبطِ مدرسہ کے چند نقائص

مندرجۂ ذیل عیوب مدرسہ کے طلبہ میں عموماً پائے جاتے ہیں۔ اور مدرسین کو اون کے رفع کرنے میں بہت سی دقتیں پیش آتی ہیں۔ اکثر جسمانی سزا سے اُن کا علاج کیا جاتا ہے۔ مگر یہ علاج صحت بخش ثابت نہیں ہوا ہے۔ آجکل ماہرینِ تعلیم اس کے خلاف ہیں اور حقیقت بھی یہ ہے کہ جو سزا مدرسہ کو ہوّا بنا دے تعلیم سے نفرت پیدا کرے۔ وہ طلبہ کی کیا اصلاح کرسکتی ہے۔ یہ عیوب اگرچہ عام ہیں مگر نہ تو لاعلاج ہیں اور نہ ایسی تلخ دوا کی ضرورت ہے۔ سطور ذیل میں میرا ارادہ یہ بتلانے کا ہے کہ یہ امراض کیا ہیں۔ کن اسباب سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور کس طرح رفع کئے جاسکتے ہیں

(۱) دیر رسی۔

اس کے معنی دیر سے پہونچنا ہیں۔ یعنی طلبہ وقت مقررہ پر مدرسہ نہیں پہونچتے۔ کچھ نہ کچھ دیر کرکے آتے ہیں۔ دیر سے مراد دس پندرہ منٹ یا گھنٹہ آدھ گھنٹہ کی تاخیر ہی نہیں ہے بلکہ وقتِ مقررہ سے ایک منٹ بھی زیادہ ہوجائے تو دیر ہے۔ کیونکہ بلحاظ برائی دیر خواہ ایک منٹ کی ہو۔ خواہ ایک گھنٹہ کی۔ برابر ہے۔ دونوں کا اثر طلبہ کے اخلاق اور عادات پر پڑتا ہے۔ اس سے طلبہ کو بھی زندگی میں نقصان پہونچتا ہے اور مدرسہ کے کام میں بھی ہرج ہوتا ہے۔ دیر رسی کے اسباب عموماً اتفاقی واقعات۔ عادت۔ بے پروائی۔ ترغیبات ہوتے ہیں۔ یا والدین کی غفلت ہوتی ہے۔ کسی دوست رشتہ دار یا عزیز کا غیر ملک سے آنا۔ کسی سانحہ کا یکایک ہوجانا۔ اگر ایسے اتفاقات اکثر پیش آتے رہیں تو دیر رسی کی عادت پڑجاتی ہے۔ اب طالب علم بلاوجہ مدرسہ دیر سے آنے لگتا ہے اور اگر اوس سے وجہ

تاخیر دریافت کی جائے۔ تو بہانے کرتا ہے۔ جو اچھے اخلاق میں گہن کا کام کرتے ہیں۔ یہ عادت مدرسہ کے ناقص انتظام اور خراب تعلیم کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ اخلاق کو مُردہ کر دیتی ہے اور بے پروائی کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ عادت کے ساتھ جب یہ شامل ہو جاتی ہے تو طالب علم بہت مشکل سے راہِ راست پر آتا ہے۔ اکثر سستہ کے کھیل تماشے بھی دیر رسی کا سبب ہوتے ہیں۔ یہ ترغیبات بچوں کے لئے ایک خاص کشش رکھتے ہیں۔ اور جب تک ان سے قوی تر ترغیبات سے کام نہ لیا جائے۔ وہ دیر رسی جس کی وجہ تماشہ ہوتی ہے رفع نہیں ہو سکتی۔ والدین کی غفلت بھی بعض اوقات دیر رسی کا سبب ہوتی ہے وہ وقت پر کھانے کا انتظام نہیں کرتے۔ یا حسبِ ضرورت مدرسہ کی چیزیں خریدنے کے لئے دام نہیں دیتے۔ طلبہ کو انتظار کراتے ہیں۔ یہانتک کہ مدرسہ کا وقت ہو جاتا ہے۔

اتفاقی واقعات سبب دیر رسی ہوں تو طلبہ کو کسی قسم کی سزا نہ دینا چاہیئے۔ وجہ دریافت کر کے ٹھلا دینا چاہیئے۔ اگر یہ عیب عادت بن گئی ہے تو تکمیل سے روک دینا چاہیئے۔ مدرسہ کے اوقات کے بعد ٹھیرا لینا چاہیئے اور اس سے وہی کام کرانا چاہیئے جو چھوڑ دیا ہے ملامت کی جائے جماعت میں کسی مقام پر علیحدہ کھڑا کر دیا جائے۔ مدرسہ میں دلکشی پیدا کرنا چاہیئے۔ تعلیم کو دلچسپ بنانا چاہیئے۔ اور اگر اس پر بھی اصلاح نہ ہو تو صدر مدرس سے سزا جسمانی دلانی چاہیئے۔ اگر بے پروائی کی وجہ ہو تو طالب علم کو سمجھانا چاہیئے۔ کہ دیر رسی کے نتائج کس قدر مضر ہوتے ہیں۔ کوئی آدمی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا۔ نہ وہ کسی محکمہ میں ملازمت کے قابل ہے اور نہ کسی قسم کا پیشہ کر سکتا ہے۔ اگر دیر رسی کا سبب راستہ کی ترغیبات ہوں۔ تو طالب علم کو سزا نہ دینی چاہیئے۔ بلکہ مدرسہ میں خود دلاویزی پیدا کرنا چاہیئے یہاں خود ایسے ایسے کھیل کھلانا چاہیئے جو بچوں کی جسمانی صحت کے لئے بھی مفید ہوں اور بازاری تماشوں میں شرکت سے بھی روکیں۔ والدین کی غفلت پر انہیں اس کے مضر

نتائج سے یا تو بذات خود ملکر یا بذریعۂ ڈاک آگاہ کیا جائے۔ والدین کے جلسوں میں اس غفلت پر توجہ دلائی جائے۔

آوارگی۔

آوارگی کے معنے ہیں۔ مدرسہ سے غیر حاضر رہکر ادھر ادھر مارا مارا پھرنا۔ طلبہ طبعاً مدرسہ سے کہکر آتے ہیں۔ کہ ہم مدرسہ جا رہے ہیں۔ لیکن گلی کوچوں میں یا جنگل اور میدانوں میں پھرا کرتے ہیں۔ اپنی کتابیں یا تو کسی دوست کے گھر میں رکھ دیتے ہیں۔ یا ساتھ لیے رہتے ہیں۔ یہ دیر سی سے کہیں زیادہ مضر نتائج پیدا کرتی ہے۔ نہ صرف مدرسہ کے کام میں ہرج واقع ہوتا ہے۔ اور طالب علم کا وقت ضائع ہوتا ہے۔ بلکہ والدین بہت پریشان ہوتے ہیں یہ آوارگی یا تو اتفاقی ہوتی ہے یا عادتی اتفاقی آوارگی کی وجوہات یا تو کوئی تماشہ کھیل کا مقابلہ۔ نمایش۔ دنگل ہوتے ہیں۔ یا کسی دوست کا اثر ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی تیز قوی اور امیر لڑکا کسی کند ذہن۔ کمزور اور غریب طالب علم کو ستاتا ہے یا راستہ میں روک لیتا ہے بعض اوقات مدرس کی زیادتی سختی۔ غصہ بھی اس کا سبب ہوتا ہے۔ گھر کے لئے بہت سا کام دیدیا جاتا ہے۔ جسمانی سزا کے خوف اور غیر دلچسپ سبق سے بھی طالب علم مدرسہ نہیں آتے اگر تماشہ۔ نمایش وغیرہ۔ آوارگی کی وجوہ ہیں۔ تو گھر کے لئے زیادہ کام دیا جائے اوقات مدرسہ کے بعد روک دیا جائے۔ کھیل سے محروم رکھا جائے۔ یہ سزائیں کسی قدر سختی سے دی جائیں۔ کیونکہ مدرسہ کے کام کے مقابلہ میں راستہ کے تماشوں کو ترجیح دی ہے اگر کسی اور قوی اور بااثر طالب علم یا دوست کی وجہ سے وہ مجبوراً مدرسہ آنے سے روک دیا گیا ہے تو اُس طالب علم کو سزا دینا چاہیئے۔ صدر مدرس سزا جسمانی [illegible] ہیں کی سختی اور ترشی کی وجہ سے ہو تو اسے چاہیئے کہ اپنی روش درست کرے۔ طالبعلموں کے ساتھ ہمدردی سے پیش آئے۔ گھر کے لئے طالب علم کی قابلیت صحت اور فرصت کے لحاظ سے کام دے جسمانی سزا سے پرہیز کرے۔ مدرسہ کی تعلیم اسکے کام اور مکان کو دلچسپ و خوشنما بنایا جائے

عادتی آوارگی اکثر خود والدین کی بداخلاقی اور بے پروائی سے پیدا ہوتی ہے جب والدین خود ہی عادتوں میں مبتلا ہوں تو بچے مشکل سے با اخلاق ہو سکتے ہیں۔ گھروں میں تو یہ بے روک ٹوک آوارہ زندگی بسر کرتے ہیں بھلا مدرسہ کی پابندی اور قیود کیسے برداشت کر سکتے ہیں اور صرف والدین کی بدعنوانیاں اس آوارگی کا سبب نہیں ہوتی ہیں بلکہ وراثت کا بھی دخل ہوتا ہے اور موروثی عیب آس پاس کے مضر اثرات سے اور بڑھ جاتا ہے۔ ان اثرات میں بدطینت دوستوں کی صحبت بھی شامل ہے۔ ایسے آوارہ طالب علم کی درستی مدرس مشکل سے کر سکتا ہے۔ یہ مرض تو اس قدر راسخ ہوتا ہے کہ انگلستان میں ان آوارہ طالب علموں کے لئے علیحدہ مدارس قائم کئے گئے ہیں اور وہاں ان کی بڑی سختی سے نگرانی کی جاتی ہے البتہ مدرس یہ کر سکتا ہے کہ طالب علموں کو شریر اور بدمعاش ساتھیوں کی صحبت سے محفوظ رکھے اور مدرسہ کو اس قدر دلکش بنائے کہ طالب علم بھول کر بھی ان کی صحبت میں نہ جائے۔ مدرس یہ اور کر سکتا ہے کہ ایسے طالب علم کے والدین کو اس آوارگی کے بد نتائج سے آگاہ کرے۔ انہیں ترغیب دے کہ بری عادتوں کو ترک کریں۔ اور طالب علم کی زندگی برباد نہ ہونے دیں۔ اگر وہ مان جائیں تو پھر طالب علم کو ایک بیاض دینا چاہیئے۔ کہ مدرس روزانہ اس کی حاضری کی تصدیق کرے۔ اور والدین کو بتلائے۔ کہ وہ مدرسہ میں حاضر تھا۔ اگر والدین کسی وجہ سے روک لیں تو مدرس کو اطلاع دیں۔ آوارہ طالب علموں کے بلانے کیلئے دوسرے طالب علموں کو ہرگز نہ بھیجنا چاہیئے۔ اور نہ مدرسہ میں طلبہ کے سامنے بہت چرچا کرنا چاہیئے۔ جہاں تک ہو سکے مدرسہ میں طالب علموں کی آوارگی کا کم علم ہونا چاہیئے اگر والدین سزا دیں تو بہت ہی اچھا ہے

گستاخی

گستاخی گفتگو میں بھی ہو سکتی ہے۔ اور عام روش میں بھی۔ اگر طالب علم مدرس کو الٹ کر جواب دے یا اس قدر بلند آواز سے گفتگو کرے۔ جو ناقابل برداشت ہو۔ یا نہایت

شوخی سے کلام کرے تو یہ گستاخانہ گفتگو ہوگی۔ مگر جب طالب علم جماعت میں اٹھلاتا ہوا داخل ہوتا ہے۔ یا مدرس کے داخل جماعت ہونے پر نہیں اُٹھتا وہ تعلیم دے رہا ہے تو منہ بنائے ہوئے ہے تو یہ گستاخانہ روش ہوگی۔

گستاخی یا تو اتفاقی ہوتی ہے۔ یا فطری ہوتی ہے۔ اتفاقی گستاخی کی وجہ اکثر [illegible] کا ضرورت سے زیادہ متحکمانہ لہجہ یا بدکلامی ہوتی ہے۔ مثلاً جہاں یا طلبہ کی دقت کے متعلق طعن و تشنیع کیا ہی خاموش باحیا اور اطاعت گزار طالب علم کیوں نہ ہو وہ اپنی ذات پر حملے برداشت نہیں کرسکتا۔ مدرس کی ناانصافی بھی اسکی وجہ ہوتی ہے۔ طالب علم ناانصافی بہت ہی ناپسند کرتے ہیں۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ استاد صاحب ایک طالب علم پر بہت مہربان ہیں۔ اور دوسروں پر کم نظر عنایت رکھتے ہیں تو انہیں بہت ہی ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ ایک عرصہ تک اس ناراضگی کو دل میں دبائے رکھتے ہیں۔ اور جب وہ ناقابل برداشت ہو جاتی ہے تو گستاخی کر بیٹھتے ہیں۔

فطرتی گستاخی کا سبب والدین کی بدرویگی ہوتی ہے۔ طلبہ گھروں میں والدین کو درشتی اور سختی سے کلام کرتے ہوئے سنتے ہیں۔ وہ دیکھتے ہیں کہ ان کے والدین محکومین اور ملازمین پر جبر اور ظلم کرتے ہیں۔ اس لئے سمجھتے ہیں کہ سوائے اپنی نفس کے اور کسی کے ساتھ رواداری مناسب نہیں۔ اس کی ایک اور وجہ لاڈ پیار بھی ہوتا ہے گھر کے لاڈلے نوکر چاکر۔ بھائی بہن دوست احباب اُنہیں گودیوں میں کھلاتے ہیں خوشامد درآمد سے پیش آتے ہیں۔ ہر وقت اُن کی رضا جوئی کی فکر میں رہتے ہیں ایسے گھروں کے پروردہ بچے استاد سے بھی توقع رکھتے ہیں کہ وہ بے جا عنایت اور مروّت سے پیش آئیں مگر توقعات پوری نہیں ہوتیں تو بگڑ جاتے ہیں اور گستاخی پر اُتر آتے ہیں۔

اتفاقی گستاخی کا علاج تو زیادہ تر خود مدرس کے ہاتھ میں ہے۔ اسے چاہیئے کہ

طلبہ پر ہرگز فقرے نہ کسے طعن تشنیع سے ہرگز کام نہ لے۔ درشت کلامی اور بے جا جھڑکی سے ہمیشہ پرہیز کرے۔ طرفداری اور ناانصافی کو کبھی پاس نہ پھٹکنے دے۔ تمام طالب علموں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرے اور ہمیشہ سبق کی ہر مشکلات کے رفع کرنے کے لئے تیار رہے کیونکہ مدرس کی نااہلیت بھی بعض اوقات طلبہ کو گستاخ بنا دیتی ہے لیکن اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ جو طالب علم ان وجوہ سے گستاخی کریں انہیں سزا دئے بغیر نہ چھوڑنا چاہیئے۔ ایک طرف تو اپنی طرز و روش کی اصلاح کرنا چاہیئے۔ مگر دوسری طرف طلبہ کو یہ محسوس کرانا چاہیئے۔ کہ ایسی روش اگرچہ اس کی وجہ کچھ ہی ہو بیجا ہے مذموم ہے اور سزا کا مقصد حقیقتاً اظہار ناراضگی نہیں ہے۔ بلکہ اصلاح طالب علم ہے۔

فطرتی گستاخی کا رفع کرنا ذرا مشکل ہے کیونکہ جب تک والدین مدرس کے ہم نوا نہوں اُس وقت تک اس عیب کا ازالہ غیر ممکن ہے۔ اس کا علاج مدرس کے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ والدین کے ہاتھوں میں ہے۔ مگر خود والدین ان خبائث میں مبتلا ہیں تو اولاد کی کیا خاک اصلاح کرینگے۔ ہاں مدرس اتنا کرسکتا ہے کہ جہانتک ہوسکے والدین کو سمجھائے۔ طالب علم کے خوشامد پسند دوستوں سے اُسے دور رکھے اور مدرسہ کا انتظام ایسا رکھے کہ ایسے طالب علم کو اپنی گستاخی کے اظہار کا موقع نہ ملے۔

گستاخی رفع کرنے میں مدرس کو بہت ہی تحمل اور برداشت سے کام لینا چاہیئے۔ طالبعلم سے بحث ہرگز نہ کرنا چاہیئے۔ بہتر یہ ہے کہ اس وقت خاموش ہو جائے اور بعد میں اس بدتمیزی کا جواب طلب کرے۔ اور مناسب سزا دے۔ عموماً اخلاق و مروت سے پیش آئے۔

نافرمانی

جب طالب علم کو ایک حکم دیا جائے اور اس کی تعمیل نکرے خواہ یہ عدم تعمیل صاف صاف الفاظ میں ظاہر کردی گئی یا محض اشاروں اور کنایوں سے ظاہر کی گئی ہو مثلاً طالبعلم نے حکم سنکر خاموشی اختیار کی تو یہ نافرمانی ہے۔

نافرمانی بلاارادہ بھی ہوتی ہے اور بالارادہ بھی ہوتی ہے۔ چھوٹے بچوں کی نافرمانی اکثر بلاارادہ ہوتی ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ اس نافرمانی کے کیا نتائج ہوں گے۔ انہیں ایک حکم دیا جاتا ہے۔ ان کا دل اس کی تعمیل پر آمادہ نہیں ہوتا۔ وہ اسے نہیں ٹالتے اگر وجہ دریافت کی جائے یا تلاش کی جائے تو غالباً مشکل سے ملے گی۔ بعض اوقات احکام مبہم ہو جاتے ہیں۔ یا ان کا علم نہیں ہوتا۔ یا کام کے کرنے کا حکم دیا جاتا ہے وہ اون کی قابلیت سے بالاتر ہوتا ہے۔ بعض مرتبہ خود احکام ایسے ڈھیلے ڈھالے طریق سے دیے جاتے ہیں کہ بچے مدرس کی کمزوری کو محسوس کر لیتے ہیں اور تعمیل کرنے میں تامل کرتے ہیں۔

بالارادہ نافرمانی کی وجہ یا تو طالب علم کی بدمزاجی شرارت یا احکام کی ناقابل برداشت سختی ہوتی ہے۔ مدرس کی اخلاقی کمزوری اور علمی ناقابلیت بھی بعض اوقات اسکا سبب ہوتی ہے۔ بعض اوقات یہ نافرمانی مستعدی کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اور تمام مدرسہ میں ایک قسم کی ابتری پھیل جاتی ہے۔

بلاارادہ نافرمانی سے ابتداً چشم پوشی کرنا چاہیئے۔ اور طالب علم کو خاموش ہو جانے دیا جائے لیکن اسے دیکھتے رہنا چاہیئے۔ جب کسی قدر ٹھنڈا ہو جائے۔ تو پھر حکم دینا چاہیئے مگر یہ حکم مختصر ہو اور استحکام طبیعت سے دیا جائے۔ اب یہ بتلانے کی ضرورت نہیں ہے کہ حکم کیوں دیا گیا ہے اور اوس سے کیا کیا فائدہ ہونے کی امید ہے۔ غالباً اب اس حکم کی تعمیل ہو گی جب کچھ زمانہ گذر جائے تو طالب علم کو بتلانا چاہیئے کہ وہ حکم کیوں دیا گیا تھا۔ اور اگر خلوت میں ہو تو بہتر ہے۔ کم عمر طلب کے ساتھ نرم لہجہ سے گفتگو کرنا چاہیئے۔ ان سے شفقت اور مہربانی سے پیش آنا چاہیئے۔ انہیں ایسے احکام کی تعمیل میں مدد دینا چاہیئے اگر کوئی طالب علم دوسرے دفعہ بھی حکم نہ سنے تو پھر ذرا صبر کرنا چاہیئے۔ جب وہ سنبھلے تو پھر حکم دینا چاہیئے۔ مگر طالب علم سے بحث نہ کرنا چاہیئے۔ طالب علموں کو اس امر کا

ہونا چاہیئے کہ احکام کی تعمیل ان سے کرائی جائے گی خواہ وہ خوشی سے ہو خواہ ناخوشی سے بلا ارادہ نافرمانی کا تدارک نہایت مستقل مزاجی سے کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ایسا طالب علم نافرمانی پر تلا ہوتا ہے مدرس کو چاہیئے کہ اس خیال کا بالکلیہ استیصال کر دے۔ اور جہاں تک ہو سکے [illegible] اس کا اعلان کرنا چاہیئے۔ طالب علم کو جماعت میں علیحدہ بٹھایا جائے۔ کھیلوں سے روکدیا جائے بعد اوقات [illegible] سے روکدیا جائے۔ ممکن ہے کہ اس علیحدگی کی شرم وجہ اصلاح ہو۔

کھیلوں میں شریک نہونے کی تکلیف اور بعض اوقات مدرسہ ٹھیرنیکی مصیبت مفید ثابت ہوئی ہے۔ بعد طلباء کو بتلا دینا چاہیئے کہ احکام صدر الصحرا نہیں ہوتے بلکہ وہ تعمیل کے لئے ہوتے ہیں۔ اگر اس پر بھی اصلاح نہو تو صدر مدرس کو رپورٹ کر کے سزا دلانا چاہیئے۔

ناشائستگی۔

جب طلبہ ایک دوسرے سے اس طرح ہمکلام ہوں کہ دوسرے کی حسیات کو صدمہ پہونچے یا ایسا سلوک کرے جو دوسرے کے لئے اذیت کا باعث ہو تو ناشائستگی میں داخل ہے۔ یہی ترقی پاکر گستاخی اور ضرر رسانی تک پہنچ جاتی ہے۔ گالی گفتار سے پیش آنا تقسیم سامان میں دوسروں کا خیال نہ رکھنا۔ بدتمیزی سے اٹھنا بیٹھنا دیواروں پر لکھنا دوسروں کی اشیاء کا خیال نہ رکھنا ناشائستگی ہے۔ اس کے وجوہات مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) گھر کی ناقص تربیت والدین خود ناشائستہ حرکات کے مرتکب ہوتے ہیں بچے اکثر اوقات انہیں کی صحبت میں گزارتے ہیں۔ مدرس کی نگرانی میں تو دن کے بہت سے بہت ۴ گھنٹے رہتے ہیں۔ اس اثر سے جو ناشائستگی پیدا ہوتی ہے۔ اس کا رفع کرنا استاد کے لئے مشکل ہے۔

(۲) غرور و نخوت۔ اس کی وجہ سے وہ اپنی بڑائی دوسروں پر جتانا چاہتا ہے وہ چاہتا ہے کہ دوسرے اوس کی خواہش پر چلیں۔ اس کی شرارت تحکم پسندی پر دلالت کرتی ہے
(۳) لاعلمی۔ طالب علم دوسروں سے ناشائستہ طور سے پیش آتے ہیں مگر انہیں نہیں معلوم کہ ان کی روش اور گفتگو کس قسم کی ہے سوسائٹی میں مقبول ہے یا مذموم
(۴) خود مدرس کا برتاؤ بعض اوقات طلبہ کو ناشائستہ بناتا ہے۔ طلبہ تو نقال ہوتے ہیں جب وہ دیکھتے ہیں کہ ان کا استاد مغلظات بکتا ہے۔ بدتہذیبی سے پیش آتا ہے تو وہ اس کی تقلید کرتے ہیں۔

اس کے رفع کرنے کے طریقے حسب ذیل ہیں۔

(۱) مدرس والدین سے ملتا جلتا رہے اون کی حرکات کے مضر نتائج سے آگاہ کرتے رہیں بتلائے کہ ان کی تو شاد و ناشاد زندگی گذر گئی۔ مگر ان بچوں کو دنیا میں رہنا ہے۔ اگر والدین کی خو بوان میں سرایت کر جائیگی تو یہ سوسائٹی کے قابل نہ رہیں گے۔

(۲) مدرس کو چاہیئے کہ طلبہ کو اس بات پر مجبور کرے کہ اپنے دوستوں ہم جماعتوں اجنبیوں سے ہمیشہ شائستگی سے پیش آئیں۔ اگر غلطی سے تکلیف پہونچ جائے تو معافی مانگنے محسن کا شکر گزار ہو۔ عموماً انکساری سے کام لے ذرا بھی چوک ہو تو ٹوک دینا چاہیئے مغرور طالب علم کو بتانا چاہیئے کہ غرور اچھا نہیں ہوتا پہلے یہ سمجھانا چاہیئے کہ نصیحتیں کرنا چاہیئے ایسے لوگوں کے قصے سنائے جائیں جنھیں غرور سے نقصان ہوا ہے۔ ادب میں سے وہ جستہ جستہ قصے سنانا چاہیں جس میں شائستگی کی تعریف اور غرور نخوت کی مذمت کی گئی ہو۔ اگر اس پر بھی نہ مانیں تو حکماً شائستہ اطوار پر مجبور کرنا چاہیئے۔

بدکلامی سے ہمیشہ روکنا چاہیئے۔ ذرا بھی گالی گلوچ کی بھنک ان میں پڑ جائے۔ تو فوراً اس کا تدارک کرنا چاہیئے۔ مدرسہ کی دیواروں پر اکثر گالیاں لکھی ہوتی ہیں انہیں چونا پھیر کر مٹوا دینا چاہیئے۔ اگر لکھنے والے ہی سے یہ کام لیا جائے۔ تو بہت اچھا ہے۔ مدرسہ میں

تو طلبہ کسی قدر شائستہ بنے رہتے ہیں۔ مگر ان کی اصلی حالت یا تو مدرسہ سے باہر گلیوں اور بازار میں ظاہر ہوتی ہے۔ یا کھیل کے میدانوں میں۔ بازاروں اور گلیوں کے طرز عمل کا علم [illegible] کو بہت کم ہوتا ہے۔ نہ اس کا خاطر خواہ تدارک ہو سکتا ہے۔ البتہ [illegible] کے میدان ایسے ہیں جہاں طالب علموں کی یہ برائی بہت کچھ رفع ہو سکتی ہے مدرس کو ان کے کھیلوں [illegible] شریک ہونا چاہیئے ان کے عادات و اطوار دیکھنا چاہیئے اور حسب ضرورت نرمی اور ملائمت سے انہیں ناپسندگی سے روکنا چاہیئے مگر کھیلوں میں شرکت صرف ملامت اور اصلاح کی غرض سے نہ ہونا چاہیئے۔ ورنہ کھیل عذاب جان ہو جائیگا۔

برہمی۔

طلبہ بعض اوقات برہم ہو جاتے ہیں۔ انکی آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں۔ آواز میں کپکپی پیدا ہو جاتی ہے۔ حرکات اور سکنات میں فرق آجاتا ہے۔ بعض سمجھدار طلبہ خاموش ہو جاتے ہیں۔ جواب نہیں دیتے مگر چہرے کی کیفیت صاف زبان حال سے دل کی حالت ظاہر کرتی ہے۔ بعض طلبہ برگشتہ ہو جاتے ہیں۔ اوستاد کا مقابلہ کر بیٹھتے ہیں۔ اس جذبہ کا اظہار طلبہ ایک دوسرے پر بہت کرتے ہیں۔ چونکہ بچے نادان ہوتے ہیں۔ اور ساتھ ہی ذکی الحس بھی۔ تو جب کبھی کسی طالب علم کو اپنے سے ناروا فائدہ اُٹھاتا ہوا دیکھتے ہیں بگڑ جاتے ہیں۔ اس کی وجوہات کئی ہوتی ہیں۔

یہ ایک وحشیانہ جذبہ ہے۔ اور ہمیشہ کسی نقصان کے احساس سے پیدا ہوتا ہے اس میں انتقام کی خواہش ملی ہوئی ہوتی ہے۔ برہمی کسی شخص تک ہی محدود نہیں رہتی بلکہ اکثر اشیاء پر بھی غصہ اترتا ہے۔ مدرس کو دو کام کرنا پڑتے ہیں ایک تو اس کا رفع دوسرے اُس کا تحفظ۔ اُسے طلبہ کے مزاج۔ وجہ اشتعال اور غصہ کے اظہار کی نوعیت خاص کا بھی خیال رکھنا چاہیئے۔

فوری غصہ کا علاج

(۱) برہم طالب علم کو علیحدہ کر دو۔ انتقام کا موقع نہ دو۔ کیونکہ غصہ میں طالب علم نقصان کر بیٹھتا ہے۔ مگر جب وہ فرو ہوتا ہے تو پشیمان ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ انتقام سے خوشی حاصل ہوتی ہے جس سے غصہ کو تقویت ہوتی ہے۔

(۲) غصہ ٹھنڈا ہونے دو۔ اس وقت اور سے زیادہ باتیں نہ کرو یہ ایک قسم کا جنون ہوتا ہے۔ اشتعال سے اور بڑھتا ہے۔ مگر جب کوئی پریشان حال نہیں ہوتا تو خود بخود فرو ہو جاتا ہے۔ اور آئندہ کے لئے اصلاح ہو جاتی ہے۔

(۳) بعد میں غصہ کی وجہ دریافت کی جائے۔ جانبین کے بیانات سننا چاہیں۔ اور نہایت غیر جانبداری سے کام لینا چاہیئے کسی قسم کی تلافی کرانا چاہیئے۔ معافی اکثر اوقات کافی ہوتی ہے۔ تیز ذہن ذکی الحس طالب علموں سے اکثر بہت مٹھ بھیڑ ہوتی ہے اگر وہ صاف دل ہو تو اوس کی ناراضگی بہت جلد ظاہر ہو جاتی ہے۔ اسوقت اگر لعنت وملامت کی جائے تو غصہ اور مستقل ہوگا۔ ایسے مواقع پر بہتر یہ ہے کہ ہمدردی اور خندہ پیشانی سے پیش آئے۔

(۴) جہانتک ہو سکے نرمی سے کام لینا چاہیئے۔ ضبط میں سختی نہ کرنا چاہیئے۔ خصوصاً حکم دیتے وقت یا ملامت کرتے وقت تمہارے آواز میں متانت ہونا چاہیئے۔ اور اگر غصہ کا نتیجہ خود بخود طالب علم کو ملجائے تو بہت ہی اچھا ہے۔

(۵) ایسے قصے اور فسانے سنانا چاہیئے۔ کہ طلبہ کا غصہ اس طرف منتقل ہو جائے اور بجائے اس کے کہ غصہ کا استیصال ہو۔ اس میں اصلاح ہو جائے۔ تاکہ بجا معاملات پر برہم ضرور ہو مگر نہ اس قدر کہ ہوش وحواس باختہ ہو جائیں۔

(۶) طلبا کے حسیات کی تربیت کرنا چاہیئے۔ اسے تحمل اور بردباری کرنا سکھانا چاہیئے اس طرح سے طلبہ کے نقائص رفع ہو جائیں گے۔

ایک لڑکا دوسرے سے ناراض ہے۔ وہ اسے دل میں رکھتا ہے اور موقع کی تاک میں رہتا ہے۔ بعض اوقات یہ ناراضگی بہت دیرینہ ہوتی ہے۔ اور اوستاد لاعلم رہتا ہے۔ ناراض اور ناراض کرنے والے کو علیحدہ علیحدہ بٹھانا چاہیئے۔ اگر ایک ہی جماعت کے دو فریق ہوں تو ان کو علیحدہ علیحدہ فریق میں رکھنا چاہیئے کیونکہ اگر ایک ہی جماعت میں رکھا جائے گا تو اندیشہ ہے کہ اور طلبہ طرفداری کریں۔ اور اس طرح جماعت میں جتھے بن جائیں۔ ایسے غصّہ کا تدارک فوراً کرنا چاہیئے۔ کیونکہ جس قدر عرصہ تک قائم رہتا ہے۔ اسی قدر ظاہر ہوتے وقت زور شور سے ظاہر ہوتا ہے۔ مندرجۂ بالا طریقے بھی اس کے رفع کرنے کے لئے اختیار کرنا چاہئیں۔ مگر طلبہ کی عقل اور ارادہ سے زیادہ کام لینا چاہیئے۔ کیونکہ اس نے اس غصّے کے ہر پہلو پر اچھی طرح نظر ڈال لی ہے۔ انتقام کی تدبیریں سوچ لی ہیں اور بدلہ لینے کے لئے جو کچھ کرتا ہے۔ سمجھ سوچ کے کرتا ہے۔ اب اگر معقول طریقوں سے اس غیظ و غضب کے نتائج بتلائے جائیں۔ عفو و درگزر کے خوبیوں سے آگاہ کیا جائے تو بہت ممکن مدرس کامیاب ہو۔ اس جذبہ کے رفع کرنے میں مدرس کو اس امر کا خاص طور سے خیال رکھنا چاہیئے کہ ہم اس کی اصلاح چاہتے نہ کہ اس کا استیصال اس کی موجودگی حیات انسانی کے لئے ضروری ہے مگر اسے عقل کے تابع رہنا چاہیئے۔ عقل پر مسلط نہ ہونا چاہیئے۔

ساجد علی

تعاون

تعلیم کی کامیابی کا مدار یگانگت پر ہے لہٰذا یگانگت عام طور پر جس مفہوم میں استعمال کیا جاتا ہے ہمارا نقطۂ نظر اس سے متجاوز ہے۔ یگانگت سے ہمارا مقصود اس موقع پر ان تمام افراد کا اتحاد خیال۔ اتحاد عمل و ہمدردی ہے جس کا تعلق اس خاص کام سے ہے مثلاً عہدہ داران سررشتہ تعلیمی انجمن، اساتذہ و اولیا و طلبا وغیرہ کا اس قسم کا باہمی ربط۔ فقدان تعاون سے تعلیمی کام میں بہت کچھ دشواری پیش آتی ہے۔

ہم اس موقع پر عہدہ داران یا انجمنوں کے بارے میں کچھ بیان کرنا نہیں چاہتے صرف موخرالذکر یعنی اساتذہ و اولیا و طلبا کے باہمی ربط کے بارے میں کچھ بیان کرنا مناسب سمجھتے ہیں جن پر تعلیم کی کامیابی کا بہت کچھ مدار ہے۔

اولیا اور مدرسین کی بے تعلقی زیادہ تر اس وجہ سے ہوتی ہے کہ اولیا مدرسین کے فرائض و عمل سے اکثر ناآشنا ہوتے ہیں اور مدرسین کے اولیا کے ساتھ عدم ارتباط کی وجہ اکثر مدرسین کی لاپروائی اور عدم التفاتی ہوتی ہے۔

مدرسین اگر طلبا کے خانگی حالات سے واقف اور باخبر ہوں تو یقیناً انہیں طلبہ کے ساتھ خاص طور پر برتاؤ کرنے کی ضرورت ہوگی۔ طلبا کے اولیا سے وقتاً فوقتاً ملنا اور ان سے دوستانہ مراسم رکھنا اساتذہ کے کام میں بہت کچھ سہولت پیدا کرسکتا ہے۔ اس کے ماسوا اگر گاہے ماہے مدرسہ میں شام کے وقت کسی نہ کسی ترتیب میں اولیا کو مدعو کرکے طلبہ کے کام انہیں مشاہدہ کرایا جائے تو یقیناً اولیا میں ایک قسم کی دلچسپی پیدا ہوجائے گی اور تعاون پر آمادہ ہوجائیں گے۔ یہ بھی مناسب ہے کہ ایسے امور کے متعلق جن سے طلبا کی بہبود مدنظر ہو اولیا کو جمع کرکے مشورہ لینے سے بہت سی

پیچیدگیاں رفع اور امداد دستیاب ہوسکتی ہے۔ مثلاً مدرسہ میں ایسا کتب خانہ قائم کرنا جن سے طلبہ کے علاوہ ان کے اولیاء بھی مستفید ہوسکیں۔ بچوں کے ورزشی کھیلوں میں اولیاء کا بطور مہمان شریک ہونا طلبا میں ضبط و تادیب و حاضر باشی کا رجحان پیدا کرنے کی تدابیر ہیں۔ اس قسم کے دوسرے امور کے بارے میں اولیاء سے مشورہ کرنا مدارس کے فلاح و بہبود میں بہت کچھ اعانت پیدا کرسکتا ہے۔ ایسے جلسوں کے اختتام پر حاضرین کی تفریح طبع کیلئے طلبا سے نظم خوانی یا ڈرل کرانا خالی از دلچسپی و فائدہ نہیں۔ اولیاء اور مدرسین کے ربط و ضبط و میل جول سے ایک مفید نتیجہ یہ برآمد ہوسکتا ہے کہ طلباء کے خانگی زندگی کے بارے میں دونوں کے مشورے سے مفید تدابیر عمل میں لائے جاسکتے ہیں۔ طلباء کی خانگی اور تعلیمی حالات سے دونوں باخبر ہوکر اسقام کے دفعیہ کی کوشش کرسکتے ہیں۔ مدرسہ کی تعلیم چونکہ ایک محدود وقت تک ہوتی ہے اور گھر کا اثر و تربیت طلباء کے اطوار بناؤ بگاڑ کے لئے بہت موثر ہوتا ہے۔ اس قسم کے باہمی میل جول سے طلباء کی تربیت میں بہت کچھ مدد مل سکتی ہے۔ اس غرض کی تکمیل کیلئے مناسب یہ ہے کہ اوقات مدرسہ میں اولیاء سے ملاقات کرنے کے لئے ایک گھنٹہ ہفتہ میں ایک بار معین کردیا جائے۔ ایسے ملاقاتوں سے اس وقت فائدہ مرتب ہوسکتا ہے جبکہ اساتذہ ضبط و تحمل و اخلاق کو کام میں لائیں اور ان کے ناگوار برتاؤ سے برافروختہ نہوں اور اسطور پر اپنے طرز عمل سے اون کے دلوں میں اپنی وقعت و محبت پیدا کرلیں۔

اب ہم تعاون کے دوسرے پہلوؤں پر نظر ڈالنا چاہتے ہیں جس کا تعلق باہم اساتذہ اور طلبا سے ہے۔

اتفاق سے جس عمدگی سے انجام پاسکتا ہے باہمی نفاق سے کبھی انجام نہیں پاسکتا ہر شخص دوسرے کی دل آزاری کے خیال پر مائل رہتا ہے اور اپنا کام حقیقی دلچسپی سے انجام نہیں دے سکتا۔ صدر مدرسین کو لازم ہے کہ اپنے مددگاروں کے سامنے لطف و ملائمت سے پیش آئیں۔ ان کی حاجت روائی سے دریغ نہ کریں ہر ممکنہ

رعایت سے جس سے وہ جائز طور پر متمتع ہو سکتے ہوں انہیں مستفید ہونے کا موقع دے اور یہ امر ان کے ذہن نشین کرا دے کہ تعلیم کی گاڑی کا جو اجیر بطرح خود اسکے کندھے پر ہی اس طرح وہ بھی اس بار سے سبکدوش نہیں ہیں۔ مدرسوں کو یہ امر ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ صدر مدرس کا اور اور ان کا تعلق بعینہ اسی طرح ہے جس طرح موتی اور ڈورہ کا۔ بغیر ڈورے کے موتیوں کی لڑی بج نہیں سکتی اور خالی ڈورا بغیر موتیوں کی کوئی زینت نہیں رکھتا۔ مناسب یہ ہے کہ اوقات معینہ پر کم از کم مہینے میں ایک بار مدرسہ کے تمام اساتذہ یکجا جمع ہو کر ضروریات مدرسہ پر غور کریں۔ باہمی صلاح مشورہ سے بہترین تدابیر حصول مقاصد کے لئے اختیار کریں۔ ایسی صحبتیں نکتہ چینی اور طعن و تشنیع کے غرض سے نہوں بلکہ یکجہتی کی ترقی مدنظر رکھی جائے۔ تقسیم کار کا مسئلہ اس ضمن میں قابل غور رہنا چاہیئے اور جس مدرس کو جس خاص مضمون سے دلچسپی ہو اور اس میں اس کے معلومات وسیع ہوں اسی مضمون کی تعلیم اس کے تفویض کی جائے فرصت کے اوقات سب کے لئے یکساں رکھی جائیں اور کسی پر غیر معمولی بار نہ پڑے۔

طلبا و اساتذہ کے یگانگت و تعاون پر علم کی سرسبزی کا انحصار ہے۔ مدرسین کا طلبار کے ساتھ وہی برتاؤ و شفقت ہونا چاہیئے جو انہیں اپنی اولاد سے ہوتی ہے۔ ان کی ضرورتوں کو پورا کرنے اور جائز خواہشوں کو بر لانے میں کبھی دریغ نہ کرنا چاہیئے۔ زجر و توبیخ ایک مناسب حد تک گو فائدہ مند ہے لیکن محبت و انست سے کام بعمدگی انجام پا سکتا ہے۔ زجر و توبیخ کی مداومت طلبار کو نڈر اور بے حیا بنا دیتی ہے۔

عموماً مدارس میں مقابلہ و ترجیح کا عمل جاری ہے یعنی ہوشیار اور ذہین طلبار کو بھڑے اور کند ذہن طلبار پر ترجیح دی جاتی ہے اور اس طرز عمل سے رنجیدہ رشک کا مادہ ان میں پیدا کر دیا جاتا ہے۔ کوئی چیز فی نفسہ بری نہیں ہوتی۔ بعض اوقات اس عمل سے فائدہ پہنچنے کے بجائے نقصان ہوتا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ اس طرح کا امتیاز قائم

کرنے کے بجائے طلباء کے جوڑ بنا دئے جائیں اور ایک ذہین اور ہوشیار لڑکا دوسرے بھدے اور کند ذہن کا رفیق بنا دیا جائے تاکہ دونوں کی یگانگت سے تعلیم میں سہولت ہو اور ایسے اسباب جن میں تمام جماعت متفقہ طور پر کام انجام دے سکتے ہو بلا استثناء ہر فرد کو اس میں شریک کیا جائے مثلاً حساب کے سوالات بجائے اس کے کہ سلیٹ پر حل کرائے جائیں۔ عملاً حل کرانا زیادہ مناسب و مفید ہے۔ اس بارہ میں انشاء اللہ مزید صراحت بعد میں کی جائے گی۔ اس طریق عمل سے خود طلباء میں بہت زیادہ موانست و الفت پیدا ہو جائے گی جو مقاصد تعلیم کا اہم جزو ہے۔ بجائے اس کے کہ فرد واحد امتیاز حاصل کرے۔ جماعت کی متحدہ کارگزاری پسندیدہ متصور کی جاتی ہے۔ اس طریقہ میں جو خامیاں ہوں مدرسین اپنی نگرانی و ہدایت سے انہیں دور کر سکتے ہیں اور باوجود اتحاد عمل ہر فرد کو اپنا مفوضہ کام انجام دینے کی تشویق و ترغیب دلا سکتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اس طور پر جماعت میں شور و غوغا برپا ہو لیکن عملیت میں اس کا ہونا لازمی ہے اور تعلیم کا مقصد بھی یہی ہے کہ عملی زندگی کے لئے انہیں تیار کیا جائے۔

نظیر حسین فاروقی

جنوبی ہند کے چند خاکے

ڈراما (ناٹک) کی تعلیمی اہمیت مسلّمہ ہے۔ طلبہ کو اس سے فطرتاً لگاؤ ہوتا ہے۔ اگر تعلیمی مقصد کو پیش نظر رکھکر سبق آموز اور کارآمد چھوٹے چھوٹے ناٹک مہیا کئے جائیں اور مدرسہ میں ان کو کیا جائے تو علاوہ اس کے کہ بچوں کو کھیل تماشہ ہاتھ آئے کھیل میں حصہ لینے اور تماشہ دیکھنے والوں دونوں کو طرح طرح کے فائدے ہونگے۔ ذیل میں ایک مختصر اور دلچسپ تعلیمی کھیل کا ترجمہ دیا گیا ہے اور امید ہے کہ اس سے ہمارے ہاں کے اساتذہ کو بھی اس جانب شوق پیدا ہوگا اور وہ اس قسم کے مختصر کھیل انتخاب کرکے یا لکھکر طلبہ سے کرائیں گے۔

ڈراما کی جان یہ ہے کہ قصہ آنکھوں کے سامنے زندہ اور سچ مچ کا سا ہوکر آجائے۔ اس ڈھنگ سے اخلاقی نکتے علمی باتیں اور دلچسپ معلومات طلبہ کے ذہنوں پر نقش کی جاسکتی ہیں۔ جن حضرات نے بچوں کے نفسیاتی رجحانات کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ بچے اپنے کھیلوں میں ڈراما سے کس حد تک کام لیتے ہیں۔ وہ ہر چیز میں تخیل کی جادو کی چھڑی سے جان ڈال لیتے ہیں اور جیسا کہ ابھی کہا گیا ہے ڈراما کی روح یہی ہے۔

سین۔ ایک بڑے مدرسۂ نسواں کی یورپین منتظمہ صاحبہ کا دفتر۔ منتظمہ صاحبہ نئی نئی آئی ہوئی ہیں۔ لیکن اتنی نئی بھی نہیں ہیں کہ عام نو واردوں کی طرح اپنے

دل میں یہ تصور کئے ہوئے ہوں کہ میں اس وسیع ملک ہندوستان کے لوگوں۔ مذہبوں ذاتوں۔ عقیدوں اور رسم و رواج کی ہر بات سے واقف ہوں۔

کمل اما بی۔ اے طبقہ وسطانی کی صدر مدرسہ کمرہ میں داخل ہوئی ہیں وہ ٹماٹر کے رنگ کی سرخ سنہری کور والی ساڑی باندھے ہوئے ہیں۔ ان کے جسم پر گنتی کے اور سیدھے سادھے زیور ہیں۔ دو سونے کی اور کئی کانچ کی چوڑیاں۔ چاندی کا کمر پٹہ جس میں بیسیوں گھونگرو لٹک رہے ہیں۔ ایک یاقوت کی ناک کی کیل۔ اور دو چڑاؤ یاقوتی کان کی بالیاں گلے میں تالی لٹکی ہوئی ہے جس میں زرد ڈورا پڑا ہوا ہے چوٹڈے میں چنبیلی کے پھول ہیں اور پاؤں میں چاندی کے پازیب۔ قد پانچ فٹ چھ انچ ہے۔ ہندو مستورات کے نظر کرتے ذرا دراز قد ہیں خط و خال واضح اور آنکھیں خوبصورت ہیں۔

کمل اما۔ گڈ مارننگ مس مین۔ میں غیر حاضروں کی فہرست لائی ہوں۔ آج دو استانیاں اور ۱۷ لڑکیاں غائب ہیں۔

منتظم صاحبہ۔ اچھا کمل اما بیٹھئے تو سہی۔ لائیے ذرا فہرست کو غور سے دیکھیں

کمل اما۔ میرے خیال میں تو اس کی ضرورت نہیں۔ سوائے سات لڑکیوں کے اور سبھوں کے نہ آنے کی وجہ چپراسنوں نے بتلادی ہے۔ آج گوری کا سوموار ہے۔ اس مہینے یہ ہی حال رہے گا کہ ہر سوموار اور سکرو ار کو بہت سی لڑکیاں غیر حاضر رہینگی۔ نہائینگی۔ دھوئینگی۔ روزے رکھینگی اور پوجا پاٹ میں رہینگی۔ اور کل سے دوسرے بیاہ کی لگن بھی لگ چکی ہے۔ پانچ لڑکیوں کا بیاہ ہو رہا ہے وہ اس لئے حاضر نہیں ہو سکیں۔

م۔ ص۔ ان دنوں میں لگن کیسی؟ ابھی تو فروری سے جون تک آدھے شہر نے شادیاں ہی شادیاں رچائیں۔ اگلی بسنت تک اب بیاہ شادی نہیں ہوگی۔

ک۔ ا۔ یہ لگن ان مردوں کے لئے ہے جو دوسرا بیاہ کرنے والے ہیں۔ پاروتی اما۔

اور چیک اماّ بیاہی جا رہی ہیں اور دونوں کے دولھا پچاس سے اوپر ہیں۔

م۔ص۔ بیچاری بچیاں۔ ان کو زیادہ سے زیادہ گیارھواں برس لگا ہوگا۔

ک۔ا۔ نو بچیوں کی آنکھیں آگئی ہیں۔ اس دفعہ یہ ہوا غیر معمولی طور پر شدت سے پھیلی۔ لوگ تو کہتے ہیں کہ اس کا سبب یہ ہے کہ آبکے آم افراط سے نکلے ہیں اور بھنگ بہت ہو گئے ہیں۔ تیسرے درجہ میں رنگ اما اور گنگ اما (تری پتی) گئی ہیں۔ وہاں کے مندر کی مورتی پر اپنے بال چڑھائینگی۔ رنگ اماّ کو پلیگ ہوا تھا تو یہ منّت مانی گئی تھی۔ سر منڈا کر ایک دو ہفتہ میں لوٹ آئینگی۔ جنگ اما کو کل بچھو نے کاٹ لیا اور اسے بخار چڑھ آیا ہے۔ امید ہے کہ کل آئیگی۔ چنّا اماّ کو کھسر نکلی تھی وہ آئی مگر اسکو گھر لوٹا دیا وہ بہت کہتی رہی کہ میں اچھی ہو گئی ہوں۔ باگ تو مر چکی تھی مگر ابھی بھوسی اُڑ رہی ہے۔ ابھی دو ہفتہ اس سے ڈر ہے۔ طبقہ صغیر کی صدر معلّمہ نے رپورٹ دی ہے کہ دس بچیاں غیر حاضر ہیں۔ دو بیمار ہیں۔ ایک ننھی سی پانچ برس کی جان نہیں آسکی کہ اپنی چھوٹی بہن کو کھلاتی تھی۔ ایک اور کوئی سات برس کی ہو گی اسے دکان کی دیکھ بھال کے مارے گھر میں رکھ لیا اس کے باپ کو آج کسی مقدمہ میں کچہری جانا تھا۔ ایک اتنی سی گڑیا گندی سندی ہی چلی آئی اسے گھر بھیجدیا کہ دھو دھا کر بالوں میں کنگھی کرائے۔ دو لڑکیاں دریا کے کنارے گئی ہوئی ہیں۔ اگلے مہینے میں گہن ہے اس کی تیاری میں ہیں۔

م۔ص۔ ہاں ٹھیک ہے۔ اس ہفتہ حاضری بہت کم رہی ہے۔ کیا آجکل بھی لوگ اس قصّے کو سچ مانتے ہیں کہ راہو اور کیتو سورج اور چاند کو نگل جاتے ہیں ہندو جو تشی گہن کا حساب ایک ایک پل تک کا لگا سکتے ہیں۔ جو تشی اور پڑھے لکھے لوگ اور طلبہ تک جانتے ہیں کہ گہن کیوں لگتا ہے؟ کیا سچ مچ لوگ یہ ہی سمجھتے ہیں کہ غل غپاڑا اور دھپڑ اپٹنے اور روزہ رکھنے سے گہن چھوٹ جاتا ہے۔

ک۔ا۔ میرا یہ خیال ہے کہ ہمارے لوگوں کے دماغوں میں لاکھ الگ

خانے ہوتے ہیں اور اُن میں متضاد باتیں بکسوں میں کبوتروں کی طرح علیحدہ سما سکتی ہیں۔

م۔ص۔ یہی حال ہمارے لوگوں کا بھی ہے۔ بہت سے لوگ ہمارے ہاں کہتے ہیں کہ "ہم وہم نہیں کرتے" اور مزہ یہ ہے کہ یہ ہی کہنے والے سیڑھی کے نیچے سے کبھی نہ گذریں اور میز پر تیرہ آدمی ہوں تو کھانے کو کبھی نہ بیٹھیں۔

ک۔ ا۔ جی ہاں یہ ہی تو بات ہے۔ بہت سے آدمی گہن کے فطری قانون کو جانتے ہیں پہلے سے گہن لگنے کا حساب کرتے ہیں۔ اور اس پر بھی اتنی ہمت نہیں پڑتی کہ پوجا پاٹ نہ کریں۔ بھینٹ نہ چڑھائیں اور نہان وغیرہ کی رسمیں نہ کریں۔ یہ رسمی باتیں ضرور کرتے ہیں تاکہ راہو اور کیتو چاند یا سورج کو اُگل دیں۔

م۔ص۔ ان تمام تہواروں میں یہ بات بڑی دلچسپ ہے کہ نہانے پر بہت زور دیا گیا ہے۔

ک۔ ا۔ ہاں پیر کے دن خوب نہان ہوگا۔ گھر سے چلتے وقت نہائیں گے پھر دریا میں گہن لگنے کے وقت بعض تو گہن کے چھٹنے تک دریا ہی میں گیا تری جمے رہینگے۔ گہن کے بعد نہان ہوگا۔ اور پھر گھر پہونچ کر۔ کپڑے اور کھانے پکانے کے سارے برتن دھونے ضروری ہیں۔ خیال یہ ہے کہ راہو اور کیتو کی پرچھائیں سے بھی آدمی اس طرح گندا ہو جاتا ہے جس طرح بھنگی کے چھونے سے۔

(کمرے کے باہر سے سوکھی گھبرائی ہوئی سی کھنکارنے کی آواز برابر چلی آتی ہے۔ ہندوستان میں عام لوگوں میں کھٹکھٹانے کے بجائے کھنکارنے کا رواج ہے)۔

م۔ص۔ کون ہے؟

آواز۔ حضور کوئی نہیں۔

م۔ص۔ تم کیا چاہتے ہو؟

آواز۔ (بہت ہی گھگا کر) جی حضور کچھ نہیں۔

ک۔ص۔ سیتا اماں۔ ان دنوں بہت غیر حاضر رہی۔ چپراسن کہہ رہی تھی دودیا ساس نے غل مچا رکھا ہے کہ لڑکی کو مدرسہ سے اُٹھاؤ اور گھر میں گھرداری کا کام سیکھنے پر لگاؤ۔

م۔ص۔ غریب بچی۔ ابھی صرف بارہ برس کی ہی تو ہے اور پڑھنے کا اتنا شوق ہے ابھی کیا جلدی پڑی ہے۔ پکانا۔ رندھنا۔ گھر کی صفائی۔ ستھرائی سیکھنے کو کئی برس ملینگے۔ اس کے ہاں نوکر بہت سے ہیں۔ کپڑے دھوبی کے ہاں جاتے ہیں۔ چراغ بتی کا جھگڑا نہیں بجلی کی روشنی لے رکھی ہے۔ اب گھرداری کی کونسی ایسی بات رہ جاتی ہے وہ ایک مہینہ میں نہ سیکھ لے؟

ک۔ ا۔ کہتے ہیں اس نے مدرسہ آنے کے لئے رو رو کر آنکھیں سجھا لیں ہیں۔

م۔ص۔ میں آج اُس کے گھر جاؤنگی اس کے ماں باپ کو سمجھاؤنگی سمجھاؤنگی کہ چند مہینے کے لئے اور اُسے مدرسہ میں رہنے دیں۔

(کھنکار نیکی آواز چلی ہی آتی ہے اور ان دونوں کی بات چیت میں موقع بے موقع خلل ڈالتی ہے۔ پھر ایک دفعہ پوچھا گیا کون ہے؟ کیا کام ہے؟ تو جواب ملا "کوئی نہیں" "کچھ نہیں")

م۔ص۔ شاید کسی بچی کی بتا (باپ) چھٹی مانگنے کے لئے آئے ہیں۔

(دفتر کی چپراسن کو دریافت کرنے کا حکم دیا گیا اور وہ ایک تو ندل سوداگر کو لے آئی اس کی صورت سے ٹپکتا تھا کہ مالدار ہے بہت ہی تپاک سے سوال و جواب کے بعد اسنے بتایا کہ میں جوہری ہوں اور مدرسہ کی لڑکیوں کو اپنا بھاگوان گلوبند دکھانا اور ان میں سے کوئی لے تو اسکے ہاتھ بیچنا چاہتا ہوں)۔

جوہری۔ میم صاحب۔ میری بے نظیر چیزوں کے متعلق بہت کچھ لکھا گیا ہے

اگر حکم ہو تو آپ کو سناؤں۔

(میم صاحبہ نے ذرا درشتی سے کہا کہ میں دفتر کو بازار بنانا نہیں چاہتی اور بہت بہت کوشش کی کہ جوہری کو پڑھنے سے روکیں مگر بے سود)۔

جوہری۔ (بڑی ٹیم ٹام اور شان سے) ہر شخص کو چاہیئے کہ میرا قیمتی گلوبند دیکھے سنہری جھومٹے موتی جڑے ہیں اور دیکھنے میں کیسے بھلے لگتے ہیں۔ کنواری لڑکیاں ہوں یا جوان بیویاں جھوپڑی ہو یا محل جہاں کہیں جو دیکھتا ہے میرے گلوبند پر لٹو ہو جاتا ہے اور تڑپتا ہے کہ کسی طرح مول لے لے۔

م۔ص۔ (بڑی مشکل سے موقع پاکر)۔

میرے مدرسہ کی لڑکیاں زیور نہیں خرید سکتیں۔ جو زیور ان کے پاس ہیں وہ ان کے ماں باپ نے انہیں دیئے ہیں۔ بہر حال میں انہیں موتی خریدنے اور پہننے کا شوق دلانا نہیں چاہتی۔

جوہری۔ لیکن میم صاحب یہ گلوبند تو ایسی چیز ہے کہ اُسے پہنکر بھونڈی چڑیل بھی موہنی پری نکل آتی ہے۔ بڑھیا عورتیں جوان البیلی بنجاتی ہیں۔ اسکی چمک دمک کبھی مدھم نہیں پڑ سکتی۔ چاہے یہ کتنا ہی پرانا پڑ جاے اس کی چمک دمک سے آنکھیں چندھیا ہی جاتی ہیں۔ میم صاحب آپ کا ہاتھ تو بہت ہی بھاگوان دکھائی دیتا ہے۔ بس آپ ہی کے آج بھونی ہو جاے۔ آپ سے گلوبند کا سودا ہو جاے تو بس میرے وارے نیارے ہیں۔ میں آپ کو آدھی قیمت پر دونگا۔ صرف سوا روپیہ۔ آپ پہنئے اپنے دوستوں کو دکھائیے اور اپنے عزیزوں کو سوغات میں دیجئے (گلوبند پہنکر موہنی پری بنجانے کا اعتقاد منتظم صاحبہ کو بہت ہی کم تھا اُنہوں نے ایسے اچھے سودے سے انکار کیا اور بڑی مشکل سے اس جوہری سے پیچھا چھڑایا)۔

محمد عطاء اللہ خاں مددگار ناظم تعلیمات

تبصرہ

حال میں انگلستان کے بورڈ آف ایجوکیشن کے جانب سے دو نہایت مفید اور اہم رپورٹیں شائع ہوئیں تھیں "تحریکات مدرسین" اور "رپورٹ متعلقہ طریقۂ تعلیم انگریزی" اب تیسری رپورٹ طبع ہوئی ہے جو یقیناً گروہ اساتذہ کے لئے دلچسپ اور سبق آموز ثابت ہوگی۔ رپورٹ کی سرخی یہ ہے "نفسیاتی آزمایشیں طلبہ کی صلاحیت تعلیمی و قبول استعداد کے دریافت کے متعلق اور ان کا ممکنہ استعمال تعلیم میں۔

رپورٹ نہایت جامع اور مکمل ہے اور اس کی اشاعت سے تعلیمی معلومات کے ذخیرہ میں ایک گرانبہا اضافہ ہوا ہے۔ مدرسین کے افادہ کے لئے اس کا مختصر حال لکھا جاتا ہے۔

چار سال قبل بورڈ آف ایجوکیشن نے ایک کمیٹی کا تعین کیا اور اس کو ہدایت دی کہ پیمایش ذہن کے متعلق غور کرکے رپورٹ پیش کرے۔ چنانچہ زیر صدارت سر ہنری ہیڈ یہ کمیٹی منعقد ہوئی اور بحث مباحثے کے بعد اس نتیجہ کو پہنچی کہ یہ کام ایک بڑی کمیٹی سے بخوبی انجام نہیں پا سکتا۔ بلکہ ایک ذیلی کمیٹی منعقد کی جائے اور یہ کام اس کے سپرد کیا جائے جسکے ایک ذیلی مختصر کمیٹی مقرر کی گئی اور اس کے صدر نشین ڈاکٹر اڈامی مقرر کئے گئے۔ کمیٹی کو چونکہ اختیار دیا گیا تھا کہ حسب ضرورت غیر اشخاص سے جو کمیٹی کے ممبر ہوں مدد لی جا سکتی ہے اس لئے کمیٹی نے بہت سے ماہران فن سے مشورہ کیا اور ان کے خیالات سے فائدہ اٹھایا۔ اس کے علاوہ اندرون و بیرون ملک کے ونیز مشاہیر فن تعلیم و نفسیات سے سوالات کئے گئے کامل ایک سال کی تحقیق و تفتیش کے بعد ذیلی کمیٹی نے اپنی رپورٹ اعلیٰ کمیٹی میں

پیش کی۔ اور اعلیٰ کمیٹی نے مزید غور خوض اور اٹھائیس ماہرانِ فن کے بیانات سننے کے بعد آخری رپورٹ مرتب کی۔

اس مسئلہ پر غور کرنے کے بعد کمیٹی نے جو نتائج اخذ کئے ہیں ان میں سے چند درج کئے جاتے ہیں۔

(الف) یہ کہ نفسیاتی آزمائشات متعلق صلاحیت تعلیمی میں حسب ذیل چیزیں شامل کی جاسکتی ہیں۔

(۱) آزمائشات ذہن۔ یعنی وہ تمام آزمائشیں جن کے ذریعہ بچوں کی عام قابلیت اور خاص خاص قوائے دماغی کی جانچ ہوسکتی ہے۔

(۲) آزمائشات متعلق مضامین نصاب۔ یعنی وہ آزمائشات جس کے ذریعہ بچوں کی صلاحیت مختلف مضامین نصاب کے سیکھنے کے بابت معلوم ہو۔

(۳) صنعت وحرفت کی تعلیم حاصل کرنے کی صلاحیت کے متعلق آزمائشات ان میں وہ تمام آزمائشات شامل ہوسکتے ہیں جن کے ذریعہ بچوں کی صلاحیت اور میلان طبیعت دستکاری اور مختلف صنعتوں کے سیکھنے کے متعلق معلوم ہوسکے یعنی دریافت ہوسکے کہ وہ تمام مضامین مثلاً دستکاری۔ صنعتیں اور مشاغل جو مدارس میں جاری ہیں ان کے سیکھنے کا مادہ مختلف بچوں میں کس حد تک ہے۔

(۴) خاص خاص قوائے دماغی کے متعلق آزمائشات۔ مثلاً حافظہ۔ ادراک توجہ۔ تخیل وغیرہ۔

(۵) آزمائشات جسمانی۔ اس میں عام صحت اور خاص خاص قوائے جسمانی کی جانچ شامل کی جاسکتی ہے۔ جس کا راست اثر تعلیم پر ہوتا ہے۔

(۶) امزجہ کے متعلق آزمائشات۔ سب بچوں کے مزاج یکساں نہیں ہوتے جیسے انسان صورتوں میں مختلف ہیں۔ ویسے ہی مزاج بھی جدا جدا رکھتے ہیں انکی

آزمایش ضروری ہے کہ مختلف مزاج کے لڑکوں میں علوم و فنون حاصل کرنے کی کیا صلاحیت ہوتی ہے۔

(ب) یہ کہ تعلیم پانے کی قابلیت اور صلاحیت دریافت کرنے کے لئے اس وقت تک جتنی آزمائشیں کی گئیں ان میں نصاب تعلیم اور صنعت و حرفت کے متعلق جو آزمائشیں کی گئی ہیں مدارس کے لئے مفید ثابت ہوئیں۔

(ج) یہ اس وقت تک نہیں کہا جا سکتا کہ جتنی آزمائشیں کی گئیں ان کے نتائج مکمل برآمد ہوئے۔ لیکن بلاشبہ یہ ہوا کہ بہت سے امور پر روشنی پڑی اور معلوم ہوا کہ اگر خارجی امور سدراہ نہوں اور تعلیم حاصل کرنے کے پورے مواقع بچوں کو حاصل ہو جائیں تو تقریباً سب بچے حصول علم اور اکتساب فنون کی کم و بیش یکساں صلاحیت رکھتے ہیں۔

(د) یہ کہ اجتماعی آزمائشات بہ نسبت انفرادی آزمائشات کے بہتر ہوتے ہیں یعنی فرداً فرداً بچوں کی آزمایشیں کرنے سے کئے کو ملا کر آزمایش ذہن کرنا مناسب اور آسان ہے۔

(ھ) یہ کہ چاہے انفرادی آزمایش یا اجتماعی ہو دونوں کے لئے ضروری ہے کہ آزمایش کنندہ ماہر ہو اور سوالات احتیاط کے ساتھ مرتب کرے اور ترتیب سوالات میں بچوں کے سن کا لحاظ رکھے۔ آزمایش کنندہ کے لئے علم نفسیات سے واقف ہونا لازمی ہے۔ نااہل اشخاص آزمایشیں کرینگے تو غلط نتائج اخذ کرینگے۔

ان نتائج کے بیان کرنے کے بعد چند تحریکات پیش کئے گئے کہ مدرسین کو کس طرح اس کام کے قابل بنایا جائے مثلاً ایک تحریک یہ ہے کہ ہر مقام کی تعلیمی بورڈ مدرسین کے لئے علم نفسیات کا مختصر کورس مقرر کرے اور اسکے کورس کے اختتام پر ماہرین فن کے زیر نگرانی نفسیاتی آزمایشوں کے طریقے سکھائے جائیں۔

یہ چیز اس ملک کے لئے کسی قدر قبل از وقت ہے ابھی یہاں معمولی ٹریننگ مدرسین کا

بعید قحط ہے ایسی حالت میں ہم اگر تحریک کریں کہ اس کے سکھانے کا انتظام کیا جائے تو لاحاصل ہوگا۔ ہم نے رسالہ میں اس بحث پر مضامین صرف اس لئے شائع کرائے ہیں کہ ہمارے مدرسین کو معلوم ہوجائے کہ تعلیمی دنیا میں نفسیاتی آزمایشیں ایک چیز پیدا ہوگئی ہے اور اس کو کام میں لایا جارہا ہے۔ ممکن ہے کہ ناظرین میں سے چند ایسے نکل آئیں جو عامل ثابت ہوں اور ان کی جد وجہد سے یہ ہمارے ملک میں بھی رواج پکڑے۔

طلبہ کی صحت جسمانی۔ محکمۂ وزارت حفظان صحت انگلستان سے سالانہ رپورٹ بابت ۱۹۲۳ء شائع ہوئی ہے۔ رپورٹ دلچسپ ہے اور اس کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے انگلستان میں اوسط عمر بڑھ گئی ہے ۱۹۲۳ء میں تعداد اموات بہت کم رہی اور بہ نسبت سالہائے ماسبق کم عمر بچے کم فوت ہوئے۔ فی ہزار صرف ۱۱ بچے ہلاک ہوئے۔ سال زیر رپورٹ میں ان بچوں کی تعداد جو ایک سال کے اندر مرے ۵۲۵۸۲ تھے جو بمقابلہ ۱۹۲۲ء کے دس ہزار کم رہی۔

ڈاکٹر بتومن رپورٹ میں لکھتے ہیں کہ بچوں کے اموات میں جو کمی ہوئی ہے وہ ہر طرح اطمینان بخش ہے اور اس امر کی دلیل ہے کہ بچوں کے قوائے جسمانی اچھے ہورہے ہیں اور پبلک کی توجہ حفظان صحت کے اسباب مہیا کرنے کے جانب زیادہ ہورہی ہے۔

اس وقت انگلستان میں ۱۱۰ (بالک گھر NERSURIES) قائم ہیں جہاں ان بچوں کی نگرانی کی جاتی ہے جن کے مائیں محنت مزدوری کے لئے چلی جاتی ہے صبح میں کام پر جاتے وقت بچوں کو ان مقامات پر چھوڑ جاتے ہیں اور شام کو واپس لے جاتے ہیں۔ تمام دن ان بچوں کو کھلایا پلایا جاتا ہے سونے اور آرام پانے کا معقول انتظام ہے اور کھیلنے کے لئے مختلف کھلونے مہیا کئے جاتے ہیں۔

تحریک کی گئی ہے کہ موجودہ (بالک گھر) کافی نہیں ہے ان میں اضافہ کی ضرورت ہے۔ آخر میں ڈاکٹر بتو من خیال ظاہر کرتے ہیں کہ آئندہ نسلوں کو قوی اور تندرست بنانے اور قبل از وقت مرنے سے بچانے کے لئے اس کی بڑی ضرورت ہے کہ بچوں کو حفظان صحت کی تعلیم دی جائے۔ جس میں خصوصیت کے ساتھ زچگی کے بعد زچہ اور بچے کی حفاظت کے طریقوں شش کے امراض اور امراض خبیثہ کے متعلق کافی معلومات بہم پہونچائے جائیں۔ ان کا خیال ہے کہ حفظان صحت کی تعلیم مدارس تحتانیہ میں شروع اور عمر بھر جاری رہے۔

رپورٹ کی قیمت ۳ شلنگ ہے اور انگلستان کے کسی ایک کتب فروش سے طلب کی جاسکتی ہے۔

اطلاعات

۵ آذر ۱۳۳۴ف کو بمقام یادگیر ضلع گلبرگہ مدرسۂ وسطانیہ کا سالانہ جلسہ بہت تزک و احتشام سے منایا گیا مولوی غلام محمود صاحب صدر مدرس نے ایک نمائش تعلیمی بھی کی جسکو خاص و عام نے دیکھا خواتین بھی اس سے مستفید ہوئیں۔ مولوی غلام دستگیر صاحب ناظم عدالت تعلقے جلسہ کی صدارت فرمائی اور ایک پر معنی خطبہ پڑھا۔

مدرسۂ ترکش خانہ پور تعلقہ کلبگور ضلع میدک سے گذشتہ امتحان تحتانیہ میں (۱۱) طلبہ شریک اور (۱۰) کامیاب ہوئے تقسیم اسناد کے لئے زیر اہتمام مولوی سعید بن علی صاحب صدر مدرس بہ صدارت جناب محمد اکبر علی خاں صاحب جاگیردار موضع طاہر خاں پیٹھ بتاریخ ۱۲ آذر ۱۳۳۴ف منعقد ہوا۔ جلسہ میں مختلف حضرات نے تقریریں کیں اسپورٹس ہوئے۔ بہ ختم جلسہ چائے دوپان سے شرکا کی تواضع کی گئی۔ گرد و نواح کے باشندے شریک جلسہ ہوئے۔

اشتہارات

مرتبہ وکرم اروسی
مولوی عزیز مرزا صاحب مرحوم

یعنی مہاکوی کالیداس کے ایک مشہور ناٹک کا ترجمہ مع ایک بسیط مقدمہ کے جسمیں ہندو ڈراما کی تاریخ اور نوعیت پر مفصل بحث کی گئی ہے قیمت فی جلد ..... (عہ)

مؤلف مفتاح التعلیم
سید محمد حسین صاحب جعفری بی اے (آکسن)

اردو میں پہلی کتاب ہے جس میں سلیس زبان و عام فہم پیرایہ میں یورپ کے جدید ترین اصول و طریقۂ تعلیم گنڈر گارٹن تحریر کئے گئے ہیں اور ایسے طریقہ بتلائے گئے ہیں جسکی مطابق تعلیم مدارس تحتانیہ بخوبی صلاح میں ہوسکتی ہے۔ اسمیں جابجا قصاویر دیگر مطالب واضح کیا گیا ہے قیمت فیجلد (عاہ)

سید عبدالقادر تاجر کتب بیرون مینار حیدرآباد دکن سے طلب کیجئے۔

ہدایات برائے مدرسین
مؤلف
سید محمد حسین صاحب جعفری بی اے (آکسن)

جن معائنہ مدارس جسقدر بھی ہدایات دیجاسکتی ہیں وہ سب ایک کتاب کی صورت میں شائع کی گئی ہیں۔ اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ اہم ترین اور معمولی ہر دو امور کے متعلق تفصیلی ہدایات درج ہیں قیمت فی جلد ..... (عہ)

خلاصۂ تاریخ انگلستان
مؤلف
سید فرشتہ

اب تک اردو میں کوئی ایسی مختصر تاریخ انگلستان موجود نہیں تھی جس کے پڑھنے سے انگریزوں کے حالات معلوم ہوسکیں۔ یہ کتاب اگرچہ میٹرک کے نصاب میں داخل ہے مگر ہر شخص اس سے فائدہ حاصل کرسکتا ہے قیمت فی جلد ..... (عہ)

ملنے کا پتہ

دفتر رسالۂ المعلم حیدرآباد دکن

دی انڈین کوآپریٹیو اینڈ سپلائی سوسائٹی لمیٹڈ چادرگھاٹ حیدرآباد دکن

دوکان میں ہمہ قسم کی ملکی مصنوعات موجود ہیں۔ عمدہ کپڑا سوتی و اونی و ریشمی۔ سنگاریڈی کا مشہور کپڑا خالص ہاتھ کی بنی ہوئی کھادی پارچے۔ دستیاں۔ توالیں چھپی ہوئی و ساری چادریں وغیرہ بیدری سامان از قسم بٹن۔ بروچ۔ ڈبیاں۔ کنگھیاں وغیرہ وغیرہ چاندی کا سامان از قسم عطردان پاندان سگرٹ کیس کھیلوں کے انعامات مثلاً۔ کپ۔ شیلڈ وغیرہ اسٹیشنری۔ ہمہ قسم کا دیسی کاغذ۔ پنسل رنگل کی طرح طرح کی قوسیں کاغذ۔ داب۔ پن رکیک وغیرہ (نیم آنہ روانہ کرنے پر فہرست اشیاء مع قیمت مل سکتی ہے)۔

ایم نظام الدین اینڈ کو مینیجنگ ایجنٹ

علیاحضرت قدرقدرت حضور پرنور بندگان عالی متعالی مدظلہ العالی خلداللہ ملکہ وسلطنتہ

میری ذاتی تشویق کی وجہ سے پیشگاہ عظیم الشان سے بذریعہ فرمان مبارک

مورخہ ۱۳۴۱ ربیع الاول شریف شاہزادہ دلہر عزیز ولی عہد نواب اعظم جاہا اداما اللہ اقبالہ واجلالہ کے مبارک نام نامی

اعظم اسٹیم پریس سے موسوم کرنے کی اجازت عطا فرمائی گئی۔ جس کی قدردانی اور کاروبار کی ترقی کے

ہر قسم کی بدرجہ اعلیٰ لکھائی چھپائی رنگین اور سادہ اور مصنفین کی سہولت دفاتر سرکاری کے موقتی اور اہم

طباعت کے عمدہ اور فوری انجام پانے کا خاص اہتمام کیا گیا ہے۔

نقشہ جات تعلیمات کی ہر جماعت کے متعلقہ جملہ اصلی کتب نصاب و خلاصہ جات و کتب انعامی اردو۔ فارسی۔ عربی۔ انگریزی تلنگی مرہٹی

ڈرائنگ تصاویر جو بچوں کی ابتدائی تعلیم اور ڈرائنگ کے عملیات کے لئے مفید و کارآمد ہیں۔ کتب ڈرائنگ

وکاپیاں وکپاس و تصاویر نباتات و حیوانات وغیرہ

نقشہ جات ہندوستان ایشیا۔ یورپ۔ افریقہ۔ امریکہ بھی موجود ہیں جن کی نہایت واجبی قیمت ہے

تفصیل کے لئے کتب خانہ ہذا کی فہرست کتب مفت طلب فرماکر ملاحظہ فرمائی جائے

خاکسار

سید عبدالقادر تاجر کتب و پبلشر و مالک اعظم اسٹیم پریس چارمینار حیدرآباد دکن

آئندہ کم سن طالبعلموں کا ماہوار رسالہ ہے جس میں سفید کاغذ پر خوشنما لکھائی چھپائی کے ساتھ نکلتا ہے اس میں بچوں کو سائنس اور طبعیات کے ابتدائی اصول آسان کرکے سمجھائے جاتے ہیں بچوں کو دلچسپ اور نتیجہ خیز کہانیاں سنائی جاتی ہیں۔ اردو ایسی سلیس ہے کہ تیسری چوتھی جماعت کے بچے بھی مضامین سمجھ سکتے ہیں۔ ریاست نظام کے سررشتہ تعلیمات نے صدہا رسالے سرکاری مدارس کے لئے خرید لئے ہیں قیمت صرف (عاں) سالانہ ہے۔ نمونہ ۴ ر کے ٹکٹ وصول ہونے پر بھیجا جائیگا۔

ملنے کا پتہ

دفتر آئندہ شاہ علی بنڈہ حیدرآباد دکن

۷۸۶
رجسٹرشدہ ٹپہ سرکار عالی نشان

جلد اوّل نمبر ۷

المعلم

ماہ اسفندار سنہ ۱۳۳۴ ف

مطبوعہ
اعظم اسٹیم پریس چارمینار
حیدرآباد دکن

قواعد

(۱) یہ محض تعلیمی رسالہ ہے جس میں تعلیم کے مختلف شعبوں کے متعلق مضامین درج ہونگے سیاسی یا مذہبی مضامین شریک نہ کئے جائیں گے۔

(۲) یہ رسالہ ہر ماہ فصلی کے پہلے ہفتہ میں شائع ہوا کریگا۔

(۳) پرچہ وصول نہ ہو تو ہر ماہ فصلی کی ۲۵ تاریخ تک خریدار صاحبان بحوالۂ نمبر خریداری مطلع فرمائیں۔

(۴) مضامین ناقابلِ طبع متصور ہوں گے ان کی واپسی خرچۂ ڈاک کی روانگی پر منحصر ہوگی

(۵) اس رسالہ کی قیمت سالانہ (بیے) مع محصولڈاک ہے جو پیشگی لی جاے گی۔

(۶) اجرتِ طبع اشتہارات درج ذیل ہے۔

	اصفحہ	نصف صفحہ	ربع صفحہ
ماہانہ	ے	۸ر	۴ر
سہ ماہ	۲۰	۱۱	۶
ششماہ	۳۸	۲۰ر۸ر	۱۱
سالانہ	۷۲	۳۸	۲۰

(۷) مراسلت ایڈیٹر رسالۂ المعلم سے پتۂ ذیل پر ہونی چاہیئے۔

سید محمد محسین جعفری بی۔ اے (آکسن) ایڈیٹر

دفتر رسالۂ المعلم کوچۂ چراغ علی محلۂ سانچۂ توپ حیدرآباد دکن

اطلاع

حیدرآباد دکن میں طاعون شائع ہونے کی وجہ رسالۂ المعلم کی روانگی میں کسی قدر تاخیر ہو رہی ہے۔ اُمید کہ خریدار صاحبان اس تاخیر کو قابلِ درگذر تصور فرمائیں گے۔

ایڈیٹر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

المعلم

فہرست مضامین

(۱) گھر اور مدرسہ کا تعلق بہ لحاظ تعلیم و تربیت — مولوی محمد حسین صاحب سابق مدرس مدرسہ فوقانیہ عثمان آباد (۱ تا ۱۶)

(۲) اوقاتِ مدارس — مولوی عبد السلام صاحب انصاری مدگار مدرس فوقانیہ گلبرگہ (۱۶ تا ۲۰)

(۳) طلبہ کیلئے چند مفید ہدایات — م ۔ م ۔ ح (۲۰ تا ۲۱)

(۴) مدارس میں خطاطی کی تعلیم — مولوی فقیر محمد صاحب ناظر مدارس ضلع نلگنڈہ (۲۲ تا ۲۷)

(۵) تبصرے (۲۷ تا ۲۹)

(۶) شذرات (۲۹ تا ۳۱)

(۷) اطلاعات (۳۲)

جلد (۱) | بابتہ ماہ اسفندار ۱۳۳۴ف | نمبر ۷

گھر اور مدرسہ کا تعلق بہ لحاظ تعلیم و تربیت

"تاریخ تعلیم کے ہر دور میں 'خاندان' نونہالوں کی تعلیم کا خاص کفیل رہا کیا ہے۔ لہذا اسے تمام دیگر موسسات تعلیمی پر تفوق حاصل ہے" ایس لاری

"اصل تعلیم" اور "تدریس مدرسہ" بالعموم تمام مشرقی ممالک میں اور بالخصوص ہندوستان میں لوگ "اصل تعلیم" اور "تدریس مدرسہ" میں امتیاز نہیں کرتے جسکی وجہ سے اکثر بُرے نتائج ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ بہتیرے والدین اپنا فرض صرف یہی سمجھتے ہیں کہ اپنے لڑکوں کو شریک مدرسہ کردیں۔ تعلیمی اخراجات کے لئے انہیں کچھ روپیہ دیدیں۔ اور ان کے پڑھنے اور سونے کے لئے ایک کمرہ خالی

بعض حالتوں میں یہ اثرات عمر بھر بھی قائم رہتے ہیں۔

خانگی تعلیم کے نقائص باوجود مذکرۂ بالا خوبیوں کے گھر کی تعلیم میں چند نقائص بھی ہیں جن کی تصریح مناسب ہے۔ لڑکوں کے والدین اکثر ناخواندہ ہوتے ہیں اس لئے وہ نہیں جانتے کہ بچوں کی تعلیم کس طرح ہونی چاہیئے۔ علاوہ بریں گھر کی تعلیم اکثر بے ربط۔ بے قرینہ اور بے ترتیب ہوتی ہے۔ خانگی تعلیم پائے ہوئے لڑکے بالعموم شرمیلے اور بزدل ہوتے ہیں۔ وہ دلیری و قوی جوش سے مسرتی اور جماعت کے مفید اثرات و لطف صحبت سے بے بہرہ رہتے ہیں۔ ان کے خیالات و معلومات تنگ محدود ہوا کرتے ہیں۔ اجتماعی تعلیم کی وجہ سے طلبہ میں رشک و مقابلہ کے جذبات پیدا ہوتے ہیں لیکن گھر پر تعلیم پایا ہوا لڑکا ان جذبات سے نابلد رہتا ہے۔

مدرسہ کے فوائد جملہ ذرائع تعلیم میں مدرسہ بہترین ذریعہ ہے۔ تمام دیگر تعلیمی موسسات (انسٹی ٹیوشنس) مثلاً گھر۔ کلیسا۔ خانقاہ۔ دار المطالعہ۔ ندوۃ العلماء وغیرہ کو مختلف فرائض انجام دینے پڑتے ہیں۔ لہذا ان موسسات میں بہ مقابلۂ دیگر اہم فرائض کے کار تعلیمی پس پشت ڈالا جا سکتا ہے لیکن مدارس میں ایسی کوتاہی یا غفلت رونما نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وہ خاص تعلیمی اغراض سے قائم کئے جاتے ہیں۔ بعض اعتبار سے مدرسہ کو گھر پر تفوق حاصل ہے۔ جن طلبہ کے والدین ناخواندہ ہیں یا کم تعلیم یافتہ ہیں ان کی تعلیم و تربیت گھر کے بہ نسبت مدرسہ میں کہیں بہتر ہو گی نادار اور فلاک زدہ طلبہ کے لئے تو مدرسہ نعمت غیر مترقبہ ہے۔ کیونکہ بہت ہی کم خرچ سے یا اکثر مفت ان کو نہایت آسانی کے ساتھ ذی استعداد اور قابل مدرسین سے مستفیض ہونے کا موقعہ ملتا ہے۔ مدرسہ کے لئے درس و تدریس کا کام مختص ہے۔ والدین میں باوجود تعلیم یافتہ ہونے کے نہ کافی تدریسی قابلیت ہوتی ہے اور نہ اس کام کے لئے انہیں کافی وقت ملسکتا ہے۔ یہ بات بیان قابل ذکر ہے کہ مدرسہ گھر اور خارجی دنیا کے

امید خلیج حائل کو دور کر کے ان میں سلسلۂ ارتباط قائم کرنے میں مناط کا کام دیتا ہے علاوہ بریں مدرسہ حکومت کا ترجمان ہوتا ہے جسکے ذریعہ سے وہ اپنا اثر و اقتدار نہ صرف ان ملک پر قائم کرتی ہے لیکن اخلاق و عادات کی تربیت اور عام چال چلن کی اصلاح جس بہتر طریقہ سے گھر پر ہو سکتی ہے ویسی مدرسہ میں مشکل ہے۔ علاوہ بریں لڑکوں کے انفرادی رجحانات اور دلچسپیوں کا علم بہ نسبت والدین کے مدرسین کو بہت کم ہوتا ہے۔ اور اگر زیادہ بھی ہو تو مدرسہ میں اجتماعی تعلیم کی وجہ سے انفرادی ذہانت و فراست پر کم توجہ کیجاتی ہے

گھر کی تعلیم اور مدرسہ کی تعلیم میں مناسبت

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ تہذیب و تمدن کی ترقی اور کاروبار کی تخصیص کی وجہ سے والدین نے اپنی تعلیمی ذمہ داریاں مدرسین کے تفویض کر دیں۔ لہذا کار تعلیمی اسی وقت سہولت اور صفائی سے چل سکتا ہے جبکہ گھر اور مدرسہ میں مناسبت ہو۔ عہد طفولیت میں بچوں کی تعلیم کے لئے گھر بہترین جگہ ہے تاہم بچے مدارس صغیر میں بھی بھیجے جا سکتے ہیں بشرطیکہ وہاں گھر کی طرح محبت ہمدردی اور آزادی حاصل ہو۔ لیکن بڑے لڑکوں کو تو ضرور داخل مدرسہ کرنا چاہیئے کیونکہ گھر میں لڑکے اکثر سیدھے سادے اور بے فنون ہوتے ہیں۔ ان میں چستی چالاکی اور زیرکی نہیں ہوتی۔ ان کی ہمدردی بھی محدود رہتی ہے۔ لیکن لڑکے کے شریک مدرسہ ہونے پر بھی گھر کے اثرات نظر انداز نہیں کرنے چاہئیں کیونکہ مدرسہ کی تدریسی ذمہ داری بہ نسبت تربیت اخلاق کے زیادہ اہم ہے۔ لیکن والدین خاص طور سے اصلاح سیرت کے ذمہ دار ہیں۔ تدریسی کام سے انہیں زیادہ واسطہ نہیں ہے۔ لہذا تعلیم اور تربیت دونوں کا لحاظ کرتے ہوئے مدرسین و اولیائے طلبہ کے درمیان مضبوط باہمی تعاون و اشتراک عمل کی ضرورت ہے۔ مدرسین کو جاننا چاہیئے کہ ان کے مقاصد کے حصول میں اولیائے طلبہ کی اعانت و امداد کی وجہ سے بڑی سہولت واقع ہوگی۔ اور والدین کو چاہیئے کہ بچوں کی انفرادی ذہانت

ویسا درست نہیں ہو سکتے جیسا گھر کی تربیت سے۔

روسو اپنے ہمعصر فرانسیسی خاندانوں کی خانگی حالات سے متنفر تھا اسلئے وہ مشہور تعلیمی کتاب "امیل" میں بطل (ہیرو) کو یتیم فرض کر لیتا ہے اور اس کے اتالیق پر پدرانہ ذمہ داریاں عائد کر دیتا ہے۔

روسو اپنی دوسری کتاب "نیو ہلوئس" میں مقر ہے کہ "والدین بچوں کے بہترین معلم ہو سکتے ہیں لیکن خرابی یہ ہے کہ ارکان خاندان کی حیثیت کے بجائے وہ آزاد افراد کی حیثیت سے تعلیمی کام اختیار کرتے ہیں۔" ایام طفولیت میں والدین بچوں کی خورش اور پوشش کی نگہداشت کرتے ہیں لیکن بہ دور زمانہ جسمانی مفاد کی یہ نگہداشت وسیع ہو کر دماغی اور اخلاقی مفاد پر بھی حاوی ہونی چاہیئے۔ لیکن ادنیٰ خاندانی زندگی عمدہ تعلیم کی ضامن نہیں ہو سکتی ہے۔

پستلوزی کے نزدیک گھر بچوں کی تعلیم و تربیت کا لازمی و لابدی ذریعہ ہے۔ اس کا قول ہے کہ "گھر اور مدرسہ کے درمیان کوئی خلیج حائل نہیں ہونی چاہیئے" چنانچہ "برگ ڈورف" کا مدرسہ اس قول کا مصداق تھا۔ ایک مرتبہ ایک لڑکے کے والد نے اس مدرسہ کے ملاحظہ کے وقت کہا کہ "اسے مدرسہ کون کہتا ہے؟ یہ تو اچھا خاصہ گھر ہے۔"

پستلوزی کے خیال میں یہ تبصرہ اس کے مدرسہ کی بہترین تعریف تھا۔

گھر کے تعلیمی اثرات اب ہم گھر کے تعلیمی اثرات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ایام طفولیت میں بچوں کی تعلیم کی بہترین جگہ گھر ہے۔ یہیں پہلے پہل ان کی جسمانی تربیت ہوتی ہے۔ یہیں وہ اپنے اعضاء کو استعمال کرنا سیکھتے ہیں۔ اور حواس خمسہ کے ذریعہ خارجی دنیا کا ادراک حاصل کرتے ہیں۔ یہیں ان کو بولنے اور دوسروں کی بات سمجھنے کی قوت پیدا ہوتی ہے۔ اور اسی گفت و شنید کے دوران میں وہ اپنے خاندان کے

خیالات و افکار کو جذب کر لیتے ہیں اور ایک نامعلوم طریقہ سے اپنی زندگی کو خاندانی زندگی کے مطابق بنا لیتے ہیں۔ گھر پر مختلف چیزوں کے چھونے اور اُلٹ پلٹ کرنے سے بچہ خارجی دُنیا کے متعلق دھندلے تصوّرات قائم کرتا ہے۔ رفتہ رفتہ تجربات کے بڑھنے سے یہ تصوّرات صاف ہوتے جاتے ہیں۔ یہی تصوّرات و خیالات مدرسہ کی تعلیم کی اساس ہیں۔ اس طرح گھر تعلیم کا سنگ بنیاد قائم کرتا ہے جس پر مدرسہ عمارت تیار کرتا ہے۔

گہوارۂ نیکی گھر گہوارۂ نیکی ہے۔ مندرجۂ بالا جسمانی اور دماغی تربیت کے علاوہ گھر پر اعلیٰ درجہ کی اخلاقی تربیت بھی ہوتی ہے۔ یہیں بچوں کی خصائل بہیمی دور کی جاتی ہیں اور وہ حیوان سے انسان بنتے ہیں۔ گھر پر بچے خواہ بذریعۂ تقلید خواہ والدین کی تاکید سے صفائی اور ستھرے پن کی عادت حاصل کرتے ہیں۔ ماں اور بچوں کے درمیان باہمی محبت۔ ہمدردی اور مہربانی کا قیام بچوں میں مُدتی (سوشل) اور دوستانہ جذبات پیدا کرتا ہے۔ سچی محبت اور سچی اُلفت گھر ہی میں نشو و نما پاتی ہیں کھیل کود میں بھائی بہنوں کی مدد۔ غم و الم میں عزیز و اقارب کے ساتھ ہمدردی اور والدین کے احکام کی تعمیل سے لڑکے باہمی اعانت۔ غمخواری۔ اور اطاعت و فرمانبرداری کا عملی سبق حاصل کرتے ہیں جو بہترین مدارس میں بھی بمشکل حاصل ہو سکتا ہے۔ مدرسہ میں اخلاق کے متعلق اکثر صرف زبانی پند و نصائح دی جاتی ہیں لیکن جب تک انہیں عملی جامہ نہ پہنایا جاوے وہ بالکل بے کار و بے سود ہیں۔ لیکن گھر پر عمل کا بہترین موقعہ ملتا ہے۔ چنانچہ چھوٹی نیکیوں اور بھلائیوں سے لڑکے نہایت مفید سبق سیکھتے ہیں جو ان کے دل و دماغ پر منقش ہو جاتے ہیں۔ اور کبھی محو نہیں ہوتے۔ بہر حال یہ خانگی اثرات ایامِ طفولیت ہی کے ساتھ ختم نہیں ہو جاتے۔ بلکہ عنفوانِ شباب تک قائم رہتے ہیں۔ لیکن بالتدریج ان کی قوت گھٹتی جاتی ہے۔

کردیں۔ زاں بعد وہ خود کو تمام تعلیمی فرائض سے سبکدوش خیال کرتے ہیں۔ گھر پر مدرسوں کی معلومات عامہ کی توسیع۔ ان کی دلچسپیوں کی ترقی۔ ان کے فطری خصائص کی نشوونما۔ ان کے لب و لہجہ اور زبان کی صحت۔ اور ان کے اخلاق و عادات کی اصلاح کی جانب مطلق توجہ نہیں کرتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بسا اوقات مدرسہ کو طلبہ کے خانگی مضر اثرات کی بیخکنی میں بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا اس امر کی سخت ضرورت ہے کہ اولیائے طلبہ تعلیم کا سچا مفہوم سمجھیں اور اپنے لڑکوں کی تربیت کے متعلق اپنی ذمہ داریاں محسوس کریں۔ "اصل تعلیم" کو "تدریس مدرسہ" سے تعبیر کرنا کوتاہ نظری و تنگ خیالی پر دلالت کرتا ہے۔ ایسی تعبیر سے عوام الناس کے دماغ میں "تعلیم" اور "زندگانی" کے مابین بجائے مناسبت کے تضاد پیدا ہو جاتا ہے۔ ہمیں جاننا چاہیئے کہ ہر وہ تجربہ یا مشاہدہ جو طلبہ کی آئندہ زندگی پر اثر ڈالتا ہے اُن کے مسلۂ تعلیم میں ایک کڑی کا اضافہ کرتا ہے۔ چنانچہ "تعلیم" کی دو قسمیں ہیں ایک بے قاعدہ۔ دوسری باقاعدہ۔ بے قاعدہ تعلیم میں وہ تمام اثرات داخل ہیں جو ہر فرد بشر کی طبیعت پر بغیر اس کی کوشش و ارادہ کے خود بخود مختلف طریقوں سے پڑتے رہتے ہیں۔ لیکن باضابطہ تعلیم صرف ان اثرات پر مشتمل ہے جنھیں کوئی درسگاہ متعلم پر بالقصد و ارادہ ڈالتی ہے یا جن کے حصول و قبول کے لئے خود متعلم کوشاں و ساعی ہوتا ہے۔ چونکہ بے قاعدہ تعلیم بالالتزام و باقرینہ نہیں ہوتی اسلئے ہم لفظ "تعلیم" صرف موخرالذکر معنی میں استعمال کرتے ہیں۔

خانگی تعلیم کی اہمیت باقاعدہ تعلیم کی بنیاد گھر ہے کیونکہ وہاں کی فضا اُن ارادی خواہشات و ترغیبات سے معمور رہتی ہے جن کے زیر اثر بچہ تہذیب و تمدن کے اُس زینہ پر پہنچنے کے لئے گامزن ہوتا ہے جس کی نمایندگی ارکان خاندان سے ہوتی ہے۔ فی الحقیقت گھر کے تعلیمی اثرات کی اہمیت پر جس قدر زور دیا جائے مبالغہ

نہوگا۔ خود درسہ نے اپنا تعلیمی کام گھر ہی سے حاصل کیا ہے۔ تہذیب و تمدن کے ابتدائی دور میں گھر تعلیم کا واحد ذریعہ تھا۔ والدین اپنے بچوں کی تعلیم کی نگرانی خود کرتے تھے اور انہیں فن شکار یا فن حرب سکھاتے تھے جس کی ان کو آئندہ زندگی میں ضرورت پیش آتی تھی۔ لیکن تہذیب و تمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ سوسائٹی کی تنظیم پیچیدہ ہوتی گئی اور کاروبار زندگی وسیع اور مختلف ہوتے گئے۔ اب بچوں کی تعلیم کے لئے والدین کے پاس نہ کافی وقت تھا اور نہ ان میں کافی استعداد و قابلیت تھی لہذا جب کاروبار میں تخصیص ہونے لگی تو والدین نے اپنے تعلیمی فرائض ان لوگوں کے سپرد کر دئے جنھوں نے مدرسی کو اپنا پیشہ اور وجہ معاش بنا لیا۔

خانگی تعلیم کے متعلق چند مصلحان تعلیم کے خیالات | جملہ معترضہ الآ راسکل تعلیم میں جن پر بہترین دل و دماغ نے اپنی توجہ مبذول کی ہے بچوں کی خانگی تربیت کی اہمیت تسلیم کی گئی ہے۔ ہر مصلح تعلیم نے اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر خانگی تعلیم کی ضرورت پر زور دیا ہے۔

جان لاک کے مدرسہ کا زمانہ نہایت ناخوشگوار تھا۔ اس لئے اس کے خیال میں مدرسہ برائیوں کا جولانگاہ ہے۔ اس کی رائے ہے کہ بچوں کو گھر پر اتالیق کے زیر نگرانی تعلیم دی جائے۔ اس کا قول ہے کہ اکتساب علوم دنیوی کے مقابلہ میں حصول نیکی کہیں ارفع و اعلیٰ ہے۔ کیونکہ بچے اگر نیکی کم کر دیں تو پھر اسکا پانا محال ہے اکثر خانگی تعلیم میں یہ نقص بتایا جاتا ہے کہ اسکی وجہ سے لڑکے شرمیلے اور تنگ خیال ہو جاتے ہیں۔ لیکن فی الحقیقت یہ نقائص خانگی تعلیم کے نتائج نہیں ہیں اور اگر بالفرض ہوں بھی تو ان کا اندفاع ناممکن نہیں ہے۔ البتہ اگر خوے بد طبیعت میں بیٹھ جائے تو وہ نہایت درجہ خطرناک ہے اور اس کا ازالہ دشوار ہے۔ لہذا بچوں کو بری عادت سے محفوظ رکھنا والدین کا فرض اولین ہے لیکن بچوں کی عادات و اطوار مدرسہ کی تعلیم سے

اور دلچسپیوں کی ترقی میں کوشاں ہوں کیونکہ مدرسین اجتماعی تدریس کے باعث لڑکوں کے انفرادی رجحانات کی طرف زیادہ توجہ مبذول نہیں کر سکتے ہیں۔

ہندوستانی والدین کی حالت ہندوستان میں اولیائے طلبہ عموماً ناخواندہ اور جاہل ہوتے ہیں لہٰذا یہاں خانگی تعلیم مفید نتائج نہیں پیدا کر سکتی ہے اکثر اس جہالت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اگر مدرسین اور طلبہ کا مطمح نظر ایک جانب ہے تو والدین کا نقطۂ نگاہ ٹھیک اس کے مخالف ہوا کرتا ہے لیکن جب تک تینوں کا خیال متحد نہو گا رمدرسہ میں بڑی دشواریاں واقع ہونگی۔ اکثر اولیائے طلبۂ مدرسہ کے کام میں بجائے امداد کے رکاوٹیں پیدا کرتے ہیں۔ جدید طریقۂ تعلیم پر بیجا تنقید کیا کرتے ہیں بلکہ موجودہ درسیات میں بھی نقص نکالتے رہتے ہیں لیکن یہ اُن کا ذاتی قصور نہیں کہا جا سکتا کیونکہ وہ بے چارے قدیم رسم و رواج کی زنجیر سے ایسے مضبوط جکڑے ہوئے ہیں اور اُن کی قدامت پسندی کا جذبہ اس قدر قوی ہے کہ وہ جدید نصاب و طرز تعلیم کی مخالفت کرنے پر مجبور رہیں۔ بہتیرے خواندہ والدین بھی اپنے قدامت پسند جذبات سے متاثر ہو کر پرانی روش کی حمایت کرتے ہیں۔ چنانچہ حال ہی میں ایک تعلیم یافتہ لیکن قدیم الخیال اعلیٰ عہدہ دار میرے پاس یہ شکایت لیکر پہنچے کہ مدرسہ میں ان کے لڑکے کا قیمتی وقت نقشہ کشی۔ اسباق الاشیا۔ ڈرل اور باغبانی جیسی مہمل چیزیں سکھانے میں ضائع کر دیا جاتا ہے۔ بلکہ فارسی کے مدرس صاحب بھی خطوط نویسی۔ القاب و آداب تحریر کرنے کے قواعد سکھانے کے بجائے گھر سے کوئی مضمون لکھکر یا کسی اردو عبارت کا ترجمہ لانے کے لئے کہتے ہیں۔ بہرحال ان کو سمجھایا گیا کہ تعلیم کا مقصد یہ نہیں ہے کہ طلبہ کو چند رسمی القاب و آداب کے قواعد رٹا دئے جائیں یا ان کے دماغ میں ان کے ادراک سے بالاتر معلومات ٹھونس دی جائیں۔ یا انہیں کسی دفتری یا کاروباری خط و کتابت کے لائق بنا دیا جائے بلکہ تعلیم کی غرض و غایت

کہ بعض حروف یا الفاظ کو لکھنے میں شروع کس طرح کرتے ہیں؟ اکثر لڑکے آدھی جیسی عجیب طریقہ سے لکھتے ہیں۔ چنانچہ ان شکلوں میں اُن کے طرز تحریر کو دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ لفظ "بھی" کو اس طرح لکھتے ہیں۔ بھی۔ بھی۔ بھی۔ بھی۔ بھی۔ بھی۔ "وہ" لکھنا ہو تو "ہ" ہلے ہوئے کو ایسا لکھتے ہیں جیسا انگریزی میں صفر لکھا جاتا ہے۔ بعض تا اور کا لکھنا ہو تو اُلٹا الف سے شروع کرکے ت پر یا کاف کے مرکز پر ختم کرتے ہیں۔ مدرسین طلبہ کو لکھتے ہوئے روز دیکھتے ہیں مگر کبھی اصلاح نہیں کرتے۔ یا تو اس وجہ سے کہ اس طرف ان کی توجہ نہیں ہے یا اس لئے کہ خود ان حروف کے طرز تحریر سے ناواقف ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ دیہات کے اکثر طلبہ غیر مستطیع ہوتے ہیں۔ نواتالیق کی کاپیاں تو کیا سادہ کاغذ بھی نہیں خرید سکتے۔ لیکن جو مستطیع طلبہ خرید سکتے ہیں اُنہیں بھی مدرسین ترغیب نہیں دلاتے۔ نواتالیق کی کاپیوں میں اگر ایک ایک ورق کے بعد دو دو سادہ کاغذ کے اوراق لگا دیئے جائیں تو بکفایت کام چل جاتا ہے اور نواتالیق کی ایک ہی کاپی سال بھر کام دے سکتی ہے۔ جو طلبہ خرید نہیں سکتے۔ اُن کے لئے لکڑی کی تختیاں قدیم طریقہ پر تیار کرا دی جائیں تو بدرجۂ مجبوری مناسب ہے۔ واسطے قلم دیہات کیا قصبات میں بھی نہیں مل سکتے۔ جوار کے بعض ڈنٹھل سخت ہوتے ہیں اُن سے قلم بنائے جا سکتے ہیں بہرحال ہر کام میں شوق اور دلچسپی شرط ہے۔ اس سے موانع دور اور مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں۔ بعض طلبہ کو ابھی سے شکستہ خط لکھنے کا خبط ہوتا ہے شکستہ خط بھی خوشخط آدمی ہی کا بانکا اور خوشنما ہوگا۔ اور بدخط آدمی کا شکستہ خط پارہ پارہ ہو جائے گا اور پڑھا نہ جائیگا۔ مدرسین کو چاہیئے کہ طلبہ کے دلوں سے یہ خبط دور کریں اور انہیں تاکید کریں کہ حروف کو سنوار کر لکھیں۔ دائرے اور شوشے پورے بنائیں۔ نقطے برابر دیا کریں۔ جب اس کی مشق ہو جائے تو آئندہ شکستہ لکھنے کی اُنہیں اجازت ہے۔

اکثر مدارس میں خطاطی کا گھنٹہ برائے نام ہوتا ہے۔ طلبہ اگر کچھ لکھتے بھی ہیں تو گھر سے لکھ کر لاتے ہیں اور مدرس صاحب ہیں کہ تکمیل ضابطہ کے لئے کاپیوں پر دستخط کر دیتے ہیں۔ چاہیئے کہ مدرسہ میں اپنے سامنے سطر دو سطر طلبہ سے لکھوائیں۔ لکھتے وقت نگرانی اور خط کی اصلاح کرتے جائیں کسی حرف کے لکھنے کے صحیح اصول اور طریقہ سے واقف ہونا ضروری ہے۔ اس سے واقف ہونے کے بعد مشق کرنے سے اُس حرف کا خوشخط لکھنا آجاتا ہے۔

گر تو میخواہی کہ باشی خوشنویس می نویس و می نویس و می نویس

کا یہی مطلب ہے۔ غلط اصول سے سالہا سال بھی مشق کرینگے تو کبھی خط درست نہ ہوگا۔ کسی مدرس کا خوشخط ہونا اس کے شاگردوں کو خوشخط بننے کی ترغیب دلاتا ہے چنانچہ خوشخط مدرس کے شاگردوں کو آپ بالعموم خوشخط ہی پائیں گے۔ پس مدرسین کو چاہیئے کہ مثل دیگر مضامین کے اس طرف بھی خاص توجہ کریں۔ پہلے اپنا خط درست کرلیں اور پھر طلبہ کے خط کی اصلاح کی جانب متوجہ ہوں۔

فقیر محمد
ناظر مدارس ضلع گلگدہ

سیاسی معاملات میں گذرا ہے اگرچہ کہ آپ آکسفورڈ یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ ہیں لیکن اب تک انہیں تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں تھا اور نہ آپ نے کسی نارمل اسکول میں ٹریننگ حاصل کی۔ متمدن اقوام ردی کاغذوں (اسنادوں) کو نہیں دیکھتے بلکہ ذاتی قابلیت اور کام کی قدر کرتے ہیں۔

مسٹر ٹریویلین نے اپنے زمانۂ وزارت میں بیان کیا تھا کہ مدارس کی تعلیمی حالت درست کرنے کے لئے یہ امر لابد ہے کہ پیشۂ مدرسی کے لئے اعلیٰ قابلیت کے لوگ منتخب کئے جائیں تاکہ تعلیمی حالت اچھی ہو اور پبلک میں بھی اساتذہ کی وقعت قائم ہو۔ اس چیز کی ضرورت جتنی ہمارے ملک کو ہے شاید ہی کہیں ہو۔ سالزبری کمیشن نے مدرسین کی تنخواہوں میں معقول اضافہ کر دیا لیکن مدرسین کی لیاقت وہی رہی۔ اب بھی صدہا ناکامیاب اور اسپیشل کامیاب مدرسین مدارس میں مامور ہیں ناکامیاب یا اسپیشل کامیاب مدرسین کی جو لیاقت ہوتی ہے ظاہر ہے ان سے کیا توقع ہو سکتی ہے کہ کما حقہ مضامین نصاب کی تعلیم دے سکیں۔ سررشتۂ تعلیمات کو بہت جلد اس جانب توجہ کرنی چاہیئے اور مدرسین کے انتخاب میں احتیاط برتنی چاہیئے۔

اطلاعات

جامعۂ عثمانیہ کے امتحانات ۱۳۴۳ف حسب ذیل تواریخ سے شروع ہوں گے۔

(۱) امتحان میٹریکیولیشن شعبۂ فنون و دینیات۔ شنبہ ۴ر تیر م ۹ر مئی
آخری تاریخ وصولی فیس و درخواست شرکت ۵ر اردی بہشت م ۹۔۰ر مارچ۔

(۲) امتحان انٹرمیڈیٹ شعبۂ فنون و دینیات۔ شنبہ ۲۸ر خورداد م ۲ر مئی
آخری تاریخ وصولی فیس و درخواست شرکت برائے طلبہ کلیۂ جامعۂ عثمانیہ
۱۴ر اردی بہشت م ۱۸ر مارچ۔
آخری تاریخ وصولی فیس و درخواست شرکت برائے طلبہ خانگی۔ ۲۹ر فروردی
م ۲ر مارچ۔

(۳) امتحان بی۔ اے شعبۂ فنون و دینیات۔ شنبہ ۴ر تیر م ۹ر مئی۔
آخری تاریخ وصولی فیس و درخواست شرکت برائے طلبۂ کلیۂ جامعۂ عثمانیہ۔ ۲۰ر اردی بہشت
م ۲۰ر مارچ۔
آخری تاریخ وصولی فیس و درخواست شرکت برائے طلبۂ خانگی۔ ۵ر اردی بہشت م
۹ر مارچ۔

نوٹ درخواست شرکت امتحان کے فارم دفتر مجلس امتحانات جامعۂ عثمانیہ سے ۲۰ر اسفندار ۱۳۴۲ف سے دستیاب ہونگے
بیرونی طلبہ کو ایک آنہ کا ٹکٹ روانہ کرنا ہوگا۔

حسب تصفیۂ مجلس شعبۂ دینیات ۱۳۴۳ف کے امتحان میٹریکیولیشن شعبۂ دینیات سے "تاریخ انگلستان" خارج کردی گئی۔

ف امتحان میٹریکیولیشن شعبۂ فنون کے لئے حسب سالگذشتہ تاریخ انگلستان امتحان لازمی رہیگی

اشتہارات

مفتاح التعلیم
مولفہ
سید محمد حسین صاحب جعفری بی اے (آکسن)

اردو میں یہ پہلی کتاب ہے جس میں سلیس زبان عام فہم پیرایہ میں یورپ کے جدید ترین اصول و طریقۂ تعلیم گنڈر گارٹن تحریر کئے گئے ہیں اور ایسے طریقہ بتلائے گئے ہیں جسکے مطابق تعلیم مدارس تحتانیہ اضلاع میں ہوسکتی ہے اس میں جابجا تصاویر دیگر مطلب واضح کیا ہے قیمت فی جلد دو روپیہ سکۂ عثمانیہ علاوہ محصول ڈاک۔

نوٹ اب تک دفتر رسالہ المعلم میں اس کتاب کے جتنے آرڈر آئے تھے وہ سب ہم نے سید عبدالقادر صاحب تاجر کتب چارمینار کو دیدئے ہیں۔ پس براہ کرم دوکان مذکور سے اگر وی پی مفتاح التعلیم وصول ہو تو فوراً واگذاشت فرمالیا جاوے۔

یہ امر واضح رہے کہ مفتاح التعلیم کے سابقہ دو ایڈیشن ختم ہو جانے کی وجہ بروقت آرڈر کی تعمیل نہ ہوسکی۔ اب تیسرا ایڈیشن چھپ چکا ہے اس لئے اب کتب مذکور کی ترسیل میں تعویق نہ ہوگی جسقدر نسخے مطلوب ہوں سید عبدالقادر صاحب تاجر کتب چارمینار حیدرآباد دکن سے طلب کیجئے۔

وکرم اروسی
مولوی عزیز مرزا صاحب مرحوم

یعنی مہاکوی کالیداس کے ایک مشہور ناٹک کا ترجمہ ایک بسیط مقدمہ کہ جسمیں ہندو ڈراما کی تاریخ اور نوعیت پر مفصل بحث کی گئی ہے قیمت فی جلد یکروپیہ علاوہ محصول ڈاک

ہدایات برائے مدرسین
سید محمد حسین صاحب جعفری بی اے (آکسن)

جن معائنہ مدارس جس قدر بھی ہدایات دیجا سکتی ہیں وہ سب ایک کتاب کی صورت میں شائع کی گئی ہیں۔ اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ اہم ترین اور معمولی امور کے متعلق تفصیلی ہدایات درج ہیں قیمت فی جلد یکروپیہ علاوہ محصول ڈاک

خلاصۂ تاریخ انگلستان
مسنر فشر

ابتک اردو میں کوئی ایسی مختصر تاریخ انگلستان موجود نہیں تھی جسکے پڑھنے سے انگریزوں کے حالات معلوم ہوسکیں۔ یہ کتاب اگرچہ میٹرک کے نصاب میں داخل ہے مگر ہر شخص اس سے فائدہ حاصل کرسکتا ہے قیمت فی جلد یکروپیہ بارہ آنہ سکۂ عثمانیہ علاوہ محصول ڈاک۔

ملنے کا پتہ

دفتر رسالہ المعلم چراغ علی گلی حیدرآباد دکن

دی انڈین کوآپریٹو انڈسٹریل سوسائٹی لمیٹڈ چادرگھاٹ حیدرآباد دکن

ہماری دکان میں ہر قسم کی ملکی مصنوعات موجود ہیں۔ عمدہ کپڑا سوتی و اونی و ریشمی سنگاریڈی کا مشہور کپڑا اعلیٰ قسم کی اونی ہوائی کھادی پاتابے۔ دستیاں۔ تولیاں چھپی ہوئی و سادی چادریں وغیرہ بیدری سامان از قسم ٹین۔ بروچ۔ ڈبیاں کنگھیاں وغیرہ وغیرہ چاندی کا سامان از قسم عطردان پاندان سگریٹ کیس کھیلوں کے انعامات مثلاً کپ شیلڈ وغیرہ اسٹیشنری ہر قسم کا دیسی کاغذ بنسلوں کی طرح طرح کی دوائیں کاغذ دابہ۔ پن رکیب وغیرہ (نیم آنہ روانہ کرنے پر فہرست اشیاء مع قیمت ملسکتی ہے)

ایم نظام الدین اینڈ کو منیجنگ ایجنٹ

ہر قسم کے تعلیمی معاملات پر آزادانہ بحث کرنے والا مدرسین کا وکیل اور ترجمان طلبا کا معاون و مددگار افسران محکمۂ تعلیم کا خیر خواہ سررشتۂ تعلیم کا مشیر ہر قسم کے علمی علمی اخلاقی طبی وغیرہ مضامین کا مخزن ہفتہ وار اخبار تعلیم لاہور سے شائع ہوتا ہے۔ قیمت سالانہ چار روپیہ ششماہی دو روپیہ آٹھ آنہ سہ ماہی ڈیڑھ روپیہ۔

منشی طالب علی صاحب پانڈ قریشی ایڈیٹر اخبار تعلیم لاہور سے طلب کیجئے

سررشتۂ تعلیمات

کی ہر جماعت کے متعلقہ جملہ کتب نصاب و خلاصہ جات و کتب انعامی۔ اردو۔ فارسی۔ عربی۔ انگریزی تلنگی مرہٹی

ڈرائنگ و تصاویر

ڈرائنگ تعلیم اور ڈرائنگ کے عملیات کے لئے مفید و کارآمد ہیں کتب ڈرائنگ کا پنسل و کمپاس و تصاویر نباتات و حیوانات وغیرہ

نقشہ جات

ہندوستان۔ ایشیا۔ یورپ۔ افریقہ۔ امریکہ بھی موجود ہیں جن کی نہایت واجبی قیمت ہے تفصیل کے لئے کتب خانہ ہذا کی فہرست کتب مفت طلب فرما کر ملاحظہ فرمائی جائے

مشتہرہ سید عبدالقادر تاجر کتب و پبلشر و مالک اعظم اسٹیم پریس چارمینار حیدرآباد دکن

رجسٹر شدہ پتہ سرکار عالی نشان ۲۱

جلد اوّل نمبر ۸

المعلم

ع

ماہ فروردی سنہ ۱۳۳۴ ف

ایڈیٹر..... محمد سجاد مرزا بی۔ اے (کنٹب) صدر مہتمم تعلیمات صوبہ گلبرگہ شریف

جائنٹ ایڈیٹر... محمد عظمت اللہ خاں بی۔ اے مددگار محکمہ نظامت تعلیمات ملک سرکار عالی

مطبوعہ

اعظم اسٹیم پریس چارمینار

حیدرآباد دکن

قواعد

(۱) یہ محض تعلیمی رسالہ ہے جسمیں تعلیم کے مختلف شعبوں کے متعلق مضامین درج ہونگے۔ سیاسی مذہبی مضامین شریک نہ کئے جائیں گے۔

(۲) یہ رسالہ ہر ماہ فصلی کے پہلے ہفتہ میں شائع ہوا کرے گا۔

(۳) پرچہ وصول نہ ہو تو ہر ماہ فصلی کی ۲۵ تاریخ تک خریدار صاحبان بحوالہ نمبر خریداری مطلع فرمائیں

(۴) جو مضامین ناقابل طبع متصور ہونگے ان کی واپسی خرچہ ڈاک کی روانگی پر منحصر ہوگی۔

(۵) اس رسالہ کی قیمت سالانہ (۱۲) مع محصول ڈاک ہے جو پیشگی لی جائے گی۔

(۶) نمونہ کا پرچہ پانچ آنہ کے ٹکٹ وصول ہونے پر ارسال کیا جائے گا۔

(۷) جوابطلب امور کے لئے جوابی کارڈ وصول ہونا چاہئے ورنہ ادائی جواب میں مجبوری ہیگی

(۸) اجرت طبع اشتہارات درج ذیل ہے۔ رقم وصول ہونے پر اشتہارات طبع کئے جائیں گے۔

تعداد مدت	صفحہ	نصف صفحہ	ربع صفحہ
ایک بار	۱۰	۸ /	۷ / ۸
سہ ماہ	۲۷	۱۵	۸ / ۱۰
ششماہ	۱۵	۲۷ / ۸	۱۰
سالانہ	۲۰	۱۵	۱۲

(۹) جملہ مراسلت و ترسیل رقوم منی آرڈر وغیرہ موسومہ جائنٹ ایڈیٹر پتہ ذیل پر ہونی چاہئے

محمد عظمت اللہ خاں بی اے جائنٹ ایڈیٹر

دفتر رسالہ المعلم کوچہ چراغ علی واقع سانچہ توپ

حیدرآباد دکن

تبدیل ادارت

جب کسی ملک میں ایسے افراد مہیا ہونے لگتے ہیں جو تعلیم یافتہ ہوں اور اپنے خاص فرائض منصبی کو انجام دینے کے بعد اپنی فرصت کے وقت کا بھی کچھ حصہ ایسے علمی اور ادبی کام کے لئے اپنے شوق سے وقف کریں جس سے ابنائے وطن کی نظر وسیع اور معلومات میں اضافہ ہو تو یہ ترقی کے لئے ایک نیک فال ہوتی ہے۔ یہ ایثار انہیں تعلیم یافتہ افراد سے ہو سکتا ہے جن کے نصب دماغ ہی روشن ہوں بلکہ دل میں وطن اور برادران وطن کا درد بھی ہو۔ "المعلم" کے وجود میں آنے کا سبب ایک ایسی ہی تعلیم یافتہ دردمند دل والی ہستی ہوئی۔ مولوی سید محمد حسین صاحب بی۔ اے (آکسن) نے اپنی صدر مہتمی تعلیمات صوبہ میسور کی ذمہ داریوں اور نظمی سرگرمیوں کے باوجود "المعلم" کے اجرا کا یہ دیکھکر کہ ممالک محروسہ سرکار عالی میں اس قسم کے رسالہ کی خصوصاً اساتذہ اور عموماً پبلک کی واقفیت کے لئے شدید ضرورت ہے تہیہ کیا کام کی چیٹک اور درد والا دل اوروں کو بھی اپنی سرگرمی اور جوش سے متاثر کر دیتا ہے چنانچہ اس کام میں مولوی سجاد مرزا صاحب صدر مہتمم صوبہ گلبرگہ کو اس رفاہ اساتذہ اور بہبودی ملک کے کام میں اپنا شریک کر لیا مولوی سجاد مرزا صاحب کا قیام مجبوراً گلبرگہ میں تھا اس لئے مولوی سید محمد حسین صاحب کو ہی بیشتر تن تنہا "المعلم" کو چلانا پڑا اور اس کے انتظامی اور ادبی امور کو خود ہی انجام دیتے رہے۔ جو اصحاب ایک رسالہ کی اجرائی اور اس کی طباعت اور ادارت کے جھمیلوں سے واقف ہیں وہ اندازہ فرما سکتے ہیں کہ ایک اہم خدمت کی ذمہ داریوں کے علاوہ اشاعت اور ادارت کے بکھیڑوں کو وہی شخص سہار سکتا ہے جس کا

نصب العین پبلک کی بہبودی اور ملک کی ترقی ہو۔

مولوی صاحب کی ان ہی خصوصیات کی بنا پر ان کا انتخاب نائب نظامت تعلیمات کی اہم خدمت کے لئے عمل میں آیا اور اس عہدہ کی ذمہ داریوں کے اضافہ کے بعد مولوی صاحب ممدوح نے محسوس کیا کہ وہ 'المعلم' کی متعلقہ ذمہ داریاں کماحقہ انجام نہ دے سکیں گے۔ لہذا یہ مناسب خیال کیا کہ اب مولوی سجاد مرزا صاحب جو پہلے سے اس کام میں شریک تھے بہ حیثیت مدیر ادارت کے بار کو اپنے ذمہ لیں اور راقم الحروف ان کے ہاتھ بٹانے کے لئے بہ حیثیت شریک مدیر اپنی ناچیز خدمت سے دریغ نہ کرے۔ اتفاق کی بات ہے کہ مولوی سجاد مرزا صاحب کو حال ہی میں ایک طویل رخصت لینی پڑی اور آیندہ چند ماہ تک ادارت اور اشاعت کا کام شریک مدیر کے ذمہ ہی رہیگا۔

اگرچیکہ مولوی سید محمد حسین صاحب اپنی اہم خدمت کی وسیع سرگرمیوں کی وجہ سے 'المعلم' کو جو ابھی اپنی طفولیت کی منزل میں ہے اب خود اپنے دردمند ہاتھوں سے پال پوس نہ سکینگے لیکن یہ انکا لگایا ہوا پودہ انکی محبت کی نگاہ سے دور نہیں رہیگا اور انکے قیمتی مشورہ اور انکے وسیع مطالعہ اور دیرینہ تعلیمی تجربہ کی اخلاقی اور ادبی مدد اور راہنمائی سے محروم نہ رہے گا۔

آیندہ تا اطلاع ثانی جملہ مراسلت شریک مدیر کے نام سے ہونی چاہئے فقط

محمد عظمت اللہ خاں

شریک مدیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

المعلم

فہرست مضامین

(۱)	بمبئی یونی ورسٹی کا خطبہ جلسہ اسناد	از مولوی محمد عظمت اللہ خاں صاحب بی۔ اے	(۱ تا ۱۱)
(۲)	کم فرصت اساتذہ کیلئے	از م۔ ع۔ خ	(۱۲ تا ۱۴)
(۳)	مشاہدہ تصویر	از مولوی مرزا عصمت اللہ بیگ صاحب عصمت	(۱۵ تا ۱۸)
(۴)	جغرافیہ	از مولوی محمد عظمت اللہ خاں صاحب بی۔ اے	(۱۹ تا ۲۱)
(۵)	تبصرے	از م۔ ع۔ خ	(۲۲ تا ۲۳)
(۶)	ارتقاء	از م۔ ع۔ خ	(۲۴ تا ۲۷)
(۷)	رفیق التعلیم		(۲۷)
(۸)	النساء		(۲۸)
(۹)	شذرات		(۲۹ تا ۳۲)

جلد (۱) | بابتہ ماہ فروری سنہ ۱۹۳۴ء | نمبر (۸)

بمبئی یونی ورسٹی خطبہ جلسہ اسناد

بمبئی یونی ورسٹی کے جلسۂ عطائے اسناد کے موقع پر سر رلزلی اورم ول سن (احاطۂ بمبئی کے گورنر) نے بہ حیثیت امیر جامعہ (چین سلر) جو خطبہ پڑھا وہ نہایت دل چسپ اور سبق آموز ہے۔ ناظرین کی دل چسپی اور غور و فکر کی غرض سے اس کا ترجمہ ذیل میں درج ہے۔

میں بھی اس دستور کے مطابق جو اس جامعہ کے میرے پیشرو امیروں کا رہا ہے ایک بار اس موقع پر آپ لوگوں سے خطاب کرونگا۔ اور میں نے 'جمہوریت' کے لفظ کو اپنے لئے

خطبہ کی سرخی کے لئے چُنا ہے۔ یہ ایک ایسا لفظ ہے اکثر اس کا غلط استعمال ہوتا ہے اس کا مفہوم غلط لیا جاتا ہے اور اسے بے محل برتا جاتا ہے۔

قبل اس کے کہ میں جمہوریت اور جمہوری اعلیٰ تصورات پر ہندوستان اور ہندوستانی مسائل کو پیش نظر رکھ کر کچھ کہوں میری رائے میں اس لفظ کے ابتدائی مفہوم پر ایک نظر ڈالنی مناسب ہوگی۔ سیاسیات کے ابتدائی دور میں جمہوریت سے مراد ایسی حکومت لی جاتی تھی جس میں جمہور۔ یعنے ایک گلہ کی جملہ آبادی اپنے اوپر آپ راست یا اپنے نمایندوں کے توسط سے حکمرانی کرے۔

لے تھی نی جمہوریت کی اخلاقی پستی کو دیکھ کر ارسطو کے خیالات جمہوریت کے سخت خلاف ہوگئے تھے۔ اس لئے اس نے جمہوریت کی اصلاح کو بھیڑ راج کا ہم معنے قرار دیا ہے۔ اور ارسطو کے ہاں اس لفظ کا مفہوم یہ ہوگیا۔ بُرا لوگ راج۔ جمہ غفیریت۔ بھیڑ کا راج ارسطو کے بعد سے اس لفظ نے اپنے فطری مفہوم پر عود کرلیا ہے۔ یہ ضرور یاد رہے کہ پرانے یونان میں اسے تھی نی جمہوریت پے رک لیز کے دور دورے میں بھی حکومت کی ایک نہایت محدود اور مخصوص صورت تھی آج کل جمہوریت سے ہماری مراد حکومت کی وہ اعلیٰ ترین صورت ہوتی ہے جس میں لوگ (راست) اپنے اوپر آپ راج نہیں کرتے بلکہ معینہ اوقات پر نمایندوں کا انتخاب کرتے ہیں اور یہ نمایندے عامۃ الناس کی جانب سے حکمرانی کرتے ہیں۔

جب میں نے جمہوریت کے مضمون پر آپ کو خطاب کرنے کا تہیہ کیا تو میں نے ساتھ ہی اس کام کے خطروں کو بھی محسوس کیا۔ حزم و احتیاط کا تقاضہ ہے کہ بحث انگیز امور سے اپنے آپ کو بچاؤں اس لئے اس وقت میرا منشا یہ نہیں ہے کہ ہندوستان کی سیاسی تاریخ پر تفصیلی بحث کروں لیکن ایسے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے مجھے اس امر واقعی پر مجبوراً زور دینا پڑتا ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت

کے دنوں سے آج کے دن تک ایک ہی پالیسی رہی ہے یعنے ایک واضح مقصد جمہوریت کی جانب برابر قدم اُٹھتا رہا ہے۔ بعض حضرات اس بات پر کم وبیش زور دینگے کہ ترقی کا قدم بہت دھیما رہا ہے۔ میں یہاں آج اس لئے نہیں آیا ہوں کہ اس مسئلہ پر بحث کروں۔ میں صرف آپ کو اس بات کا یقین دلانا چاہتا ہوں کہ اس مدعا کی جانب پیش قدمی کی کوشش ایک امر واقعی ہے اور یہ امر تسلیم کرنے کے لائق ہے کہ دنیا کی کوئی قوم جمہوری حکومت کی جانب پیشقدمی کا اخلاصمندانہ ثبوت اس سے زیادہ نہیں دے سکتی تھی جو انگریزوں نے عین ۱۸۵۷ء کے غدر کے ڈراؤنے زمانہ میں اس جامعہ (بمبئی یونیورسٹی) کو قائم کرکے دیا ہے۔

جمہوریت برساتی چھتری کی طرح نہیں ہے کہ رات بھر میں اُگ آئے برطانوی پارلیمنٹ کو دنیا کے اور پارلیمنٹ پیار سے پارلیمنٹوں کی ماں پکارتے ہیں اور برطانوی پارلیمنٹ کو یہ پیار کا نام اس لئے ملا ہے کہ اس پارلیمنٹ نے پشت پشت اور کئی صدیوں کے بعد اپنا طریقہ کار قائم اور اپنے کام کو برطانوی پبلک کی ترقی پسند رایوں کے مطابق کیا ہے۔ خواہ کوئی ملک ہو جمہوریت کی پیشقدمی اگر ہوسکتی ہے تو اسی طرح رفتہ رفتہ بھی ہوسکتی ہے۔ ٹے نی سن نے اسی مطلب کو یوں ادا کیا ہے

آزادی دھیرے دھیرے نیچے کو پھیلتی جائے
ماضی کی نظیروں سے مستقبل کی نظیروں تک

اس وقت میں طلبہ کی ایک بڑی تعداد سے مخاطب ہوں اور یقین ہے کہ وہ میرے اس کہنے کو معاف کرینگے کہ جوان دماغ ہمیشہ خیالی منصوبوں کے شیدائی ہوتے ہیں بعض اوقات بے صبر بھی ہو جاتے ہیں لیکن ہمیشہ انوکھے تغیر اور تجربہ کی ٹوہ میں بے چینی کے ساتھ لگے رہتے ہیں۔ مگر آج کے طلبہ کل کے مقنن اور مدبر اور لوگوں کے رہنما ہونگے۔ ہندوستان اس وقت ایسے مقام پر ہے جہاں سے

کئی راستے پھوٹتے ہیں اور کیا آپ مجھے اجازت دینگے کہ میں چونکہ مجھے کچھ سیاسی تجربہ بھی حاصل ہے۔ آپ کو یہ مشورہ دوں کہ آپ اپنے سیاسی خیالات اور رایوں میں اعتدال احتیاط اور بلند نظری سے کام لیں۔ جوش اور جذبات یا غیر عملی کٹر مصب۔ نئی زمین اور نئے آسمان۔ کے خوابوں سے دھوکا کھا کر بھٹکئے نہیں۔ احمق سے احمق آدمی بگاڑ سکتا ہے۔ مگر جو بنیادیں ڈالی جا چکی ہیں ان پر تعمیر کرنا موجودہ نظیروں کی روشنی میں اور ان کی رہنمائی سے نئی نظیریں قائم کر کے ایک واقعی جمہوری دولت (STATE) کا کھڑا کر دینا۔ یہ صرف مدبروں کا ہی کام ہے۔ کوئی قریب کی بٹیا ایسی نہیں کہ ہم کو جلدی سے عہدہ برآ کر دیں، تک پہونچا دے بھارت ماتا کا مستقبل آپ کے ہاتھ ہے اور میری یہ آرزو ہے کہ آپ لوگ اس بھاری ذمہ داری کو جو آپ کے کندھوں پر رکھی گئی ہے بخوبی محسوس کریں۔

آپ اجازت دیں تو میں اس موقع پر اُن چند شروط اور خصائص پر تحقیقی نظر ڈالوں جو جمہوریت کی کامیابی کے لئے اٹل ہیں۔ ان میں کی پہلی چیز برادری ہے تمام شرقی مذہبوں کی سب سے زبردست تعلیم بھائی بندی کی ہے۔ اُس بڑے ولی اور صوفی۔ کبیر کے متعلق ایک نہایت حسین روایت بیان کی جاتی ہے۔ اور سچی بھائی بندی کے مفہوم کو واضح کرنے کے لئے اس روایت سے بہتر اور کوئی مثال آپ کو نہیں ملے گی۔ کبیر کے چیلوں یا مریدوں کے زمرے میں ہر شخص شامل ہو سکتا تھا جب ان کا وصال ہوا تو اُن کے ہندو اور مسلمان پیروؤں میں نزاع پیدا ہوئی کہ آیا نعش کو جلایا جائے یا دفن کیا جائے۔ آپس میں یہ حجت ہو ہی رہی تھی کہ کبیر کی روح ان کے درمیان ظاہر ہوئی اور کہا کہ "کفن کی چادر اُٹھاؤ" چادر اُٹھائی گئی اس کے نیچے کچھ نہ تھا۔ نرا مہکتی گلاب کی پنکھڑیوں کا ایک ڈھیر تھا۔ یہ پنکھڑیاں آدھی تو مسلمانوں نے لیں اور مگھر میں دفنا دیں اور باقی ہندوؤں نے گنگا کے کنارے

جلا دیں۔

جمہوریت مذہب خاندان یا نسل کے امتیازات سے ناآشنا ہے۔ اور اسکی سزاوار ہیں جو ان سے کام لے سکتا ہے۔" یہ ہے جمہوریت کا مقولہ۔ نپولین کا قول ہے کہ "ہر معمولی سپاہی بھی اپنے تھیلے میں سپہ سالاری کا نشان رکھتا ہے۔" جو سیاسی اور سماجی حقوق کہ ہم اپنے ہم وطنوں کو نہیں دے سکتے اُن حقوق کا ہم اپنے لئے بھی دعوے نہیں کر سکتے۔ یہ وہ سبق ہے جو یورپ میں ہم نے اس دفعہ کی جنگ کے دوران میں خندقوں میں سیکھا ہے۔

"ہم مٹھی بھر ہیں ہاں ہم خوش قسمت ہیں مٹھی بھر ہیں ہم بھائیوں کی
ایک ٹولی ہیں۔
میرے کارن آج جو ساتھی اپنا خون گرائے گا وہ میرا بھائی ہے
ذات کا وہ کچھ ہی ہو آج کا دن تمغائے شرافت اسکو دلوائے گا۔"

یہ ایک ایسا سبق ہے جو یقین مانئے ابھی ہندوستان کو سیکھنا ہے۔ یاد رکھئے کہ جاپان نے اپنے موجودہ بے نظیر رتبہ کی جانب اسی وقت قدم اُٹھایا جبکہ سامورائی خوشی کے ساتھ اپنے تمام موروثی حقوق سے دست بردار ہو گئے۔

ہندوستان کبھی صرف ایثار سے ہی ترقی کر سکتا ہے اور ایثار بھی کیسا بہت سی چیزوں کا جو قدیم قابلِ احترام اور نظر فریب ہیں۔ یہ دونوں باتیں ایک ساتھ میسر نہیں ہو سکتیں۔ قدیم وضع کے قلعے میں ایک زرہ پوش سورما بہت ہی بھلا دکھلائی دے لیکن آج کل کی مشین گن اور توپوں کے سامنے یہ چیزیں ہنسی کے قابل اور اوپری اوپری نظر آئیں۔ اصلی جمہوریت میں چھوت چھات کا وجود ہی غیر ممکن ہے۔ اور اس معاملہ میں آپ لوگوں کی کالج کی زندگی ایک بڑا سبق ہونا چاہئے۔ کالج کے برابر کہیں جمہوریت ہو ہی نہیں سکتی۔ پڑھائی کے کمرہ یا کھیل کے

میدان میں بلالحاظ مذہب اور ذات - ہر طرح کے آدمیوں کے کھوے سے کھوا ٹکراتا ہے - ہمیں چاہیئے کہ اس سبق کو کالج سے گھر اور گھر سے زندگی کے اور وسیع تر میدانوں میں بھی کام لیں -

دوسری ضروری شرط ایکا ہے - جمہوریت کا بڑا خسارہ پھوٹ کے ان رجحانات کے پھوٹ پڑنے میں ہے - جو ہندوستان میں سماجی سطح ہے کچھ بہت زیادہ نیچے نہیں ہوتے - اگر ہندوستان کو صحیح معنوں میں جمہوری ہونا ہے تو یہ لازمی ہے کہ اس ملک میں سچا ایکا ہو جائے - شہنشاہ تراجن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے آپ میں دو نہایت متضاد خوبیاں یکجا کی تھیں - حکومت اور حریت - ہم کو بھی ہندوستان میں یہ سبق سیکھنا ضروری ہے - وہ یہ کہ غیر اساسی امور میں اس پر متفق ہو جائیں کہ اختلاف رائے رکھیں لیکن اساسی اُصول پر یہ سمجھوتہ کہ متحد رہیں - یعنے آپ جئیں اور اوروں کو بھی جینے دیں -

ہندوستان کی اُس شاندار تخیلی تصویر سے آپ ضرور روشناس ہونگے جو ٹے نی سن نے اکبر کی زبان سے یوں کھینچی ہے -

یاں سے واں سے جگہ جگہ سے چن لوں
اچھے پودوں کے سب سے سندر پھول
اک تاج بناؤں راجا پرجا کے لئے
اک تاج مسلمان برہمن پارسی عیسائی کے لئے
جو اس پھوٹ کی بھومی میں بستے ہیں

ہندوستان کا یہی نقشہ ہے ہمارے بھی دل میں رہنا چاہیئے - اُ
ایسی بھومی جس میں ہر شخص اپنے آپ کو پہلے تو ہندوستانی سمجھے اور پھر

مرہٹہ ہندو یا مسلمان عیسائی یا پارسی بعد کو خیال کرے۔

جمہوریت کی آخری ضروری شرط وہ صحیح تصور ہے محنت مزدوری کے وقار کا جو ہمیں اپنے ذہن نشین کرلینا چاہیئے۔ پچھلے زمانہ میں مختلف پیشے مختلف ذاتوں کے لئے مخصوص کردئے گئے تھے۔ جمہوریت میں اس قسم کے امتیاز کی گنجایش نہیں۔ ہم ہاتھ کی محنت کو نظروں سے گرانے کے عادی ہوگئے ہیں۔ اس عادت کو خیرباد کہنا ضروری ہے۔ اپنے وطن میں جو ثروت کے فطری منبعے ہیں ان کو ترقی دینا ہمارا فرض ہے۔ اس کی کوئی وجہ ہی نہیں کہ ایک بی۔ اے پاس ہل نہ جوتے یا موٹر نہ ہانکے۔ آج کل یہ آواز بہت سنائی دیتی ہے کہ صنعتی نظرے اور طریقے دراصل خرابی کی جڑ ہیں۔ یہ خیال غلط ہے صنعتی نظر کے اصول اور طریقے تو قومی عظمت کی جان ہیں بشرطیکہ پوری طرح دیکھ بھال کر ان کو مناسب راستوں پر ڈالا جائے۔ آپ کے مجھ سے پہلے امیر جامعہ نے کہا تھا کہ مل (Mill) برک اور میکالے سے زیادہ جیمس واٹ نے انگلستان کی خدمت کی ہے۔ یہ کہنا اگرچہ کہ ایک سخت بات ہے لیکن اس کے سچے ہونے میں شبہ نہیں اور آجکل ہندوستان کو میکالوں کی اُتنی ضرورت نہیں جتنی جیمز واٹ جیسے افراد کی حاجت ہے ہندوستان ایسے ہی نفوس کے بل پر قومیت کا پورا رتبہ حاصل کرسکتا ہے۔ ایک صدی قبل نپولین کو کچلنے کے لئے انگلستان کو (۸۰۰،۰۰۰،۰۰۰) پونڈ کی ضرورت پڑی اور اُس وقت واٹ اور اس صنعتی انقلاب نے جس پر آج اتنی لے۔ دے ہورہی ہے۔ یہ زخطیر مہیا کیا اور یہ رقم عشر عشیر ہے اس روپیہ پیسہ کے مقابلے میں جو عہد حاضر کے نپولین کو ۱۹۱۴ء میں نیچا دکھانے کی غرض سے فراہم کرنا پڑا محض گڈریوں اور چرواہوں کی بستی ہر حملہ آور کے آگے جو ڈال دیتی ہے

اس لئے کہ وہاں جنگ کا ساز و سامان فراہم نہیں ہو سکتا۔ اگر ہندوستان کی قسمت میں اعلےٰ ترین ترقی کا دن دیکھنا ہے تو یہ اُسی وقت ہوگا جبکہ آئندہ ایسے نوجوان پیدا ہوں جو بی۔ اے بھی پاس کریں اور اس پر آمادہ رہیں کہ موقع پر ذات اور کتاب کو الگ رکھدیں اور آستینیں چڑھا کر زمین کو جوتنے اور بونے پر پل پڑیں۔ اور اس ضمن میں آپ کو میں یہ جتلانا چاہتا ہوں کہ اس وقت ہندوستان کی زبردست ضرورت یہ نہیں ہے کہ آرٹ کالج ہوں بلکہ سب سے اہم اور ضروری بات یہ ہے کہ سائنٹفک فارک اور مویشیہ وری کی تربیت ہو۔ اسکی ضرورت ہے کہ ہمارے کالجوں اور مدرسوں کے کام میں سائنٹفک طریقے اور اُصول سرایت کر جائیں۔ موجودہ دنیا میں ہر چیز سائنس کا کرشمہ ہے۔

ہندوستان میں اس وقت وہی پرانا مسئلہ درپیش ہے۔ نئی شراب کو پرانی بوتلوں میں بھرنا۔ آپ ایک ایسی نسل سے ہیں جو ایک پہلو سے بالکل اپنی آپ ہی نظیر ہے۔ آپ لوگ اس بات پر ناز کر سکتے ہیں کہ آپ کا تمدن اس وقت دنیا کے سارے زندہ تمدنوں میں سب سے پرانا ہے۔ روم نے ابھی اپنی راج دھانی کی سات پہاڑیوں پر بنیاد نہ ڈالی تھی اس وقت ہندوستان پھول پھل رہا تھا۔ آپ کی شمال مغربی سرحد کی جو دے نگہبانی کرتے ہیں ان میں سے جب سکندر نے اپنا راستہ نکال لیا تو اس نے دیکھا کہ اس عہد کے اور ملکوں کے مقابلہ میں ہندوستان خوش حال تھا اور یہاں خوش اسلوبی سے حکمرانی ہو رہی تھی اور اس سرزمین میں ایسا کلچر موجود تھا جو اور ملکوں کے کلچر سے برابری کا دعویٰ کر سکتا تھا۔ روم کی زبردست شہنشاہی صدیاں گذریں کہ پاش پاش ہو گئی یونان کی ایک دھندلی سی یاد رہ گئی ہے لیکن ہندوستان اب بھی موجود ہے اور بہت سی باتوں میں وہ کا وہی ہے جیسا کہ سکندر کے ہمراہی عالموں نے

اسے پایا اور جس کی اپنی تحریروں میں انہوں نے تصویر کھینچی ہے۔ آپ کی تاریخ واقعی فخر کرنے کے قابل ہے۔ سر فلپ سڈنی نے کہا ہے کہ جب وہ پرسی اور ڈگلس کا پرانا گیت سنتے تھے تو ان کے دل میں وہ جوش و خروش پیدا ہوتا تھا جو لڑائی کے بگل سے نہیں ہوتا۔ جس نے ہندوستان کی تاریخ کا مرقع مطالعہ کیا ہے وہ بھی اس قسم کے احساس کا اقبال کریگا۔ رامائن اور مہابھارت کے نہایت پرانے زمانہ سے لیکر چتوڑ کے راجپوت سورماؤں تک کی بہادریاں سیواجی کی لڑائیاں پانی پت کے میدان میں شکست کے بعد مرہٹہ رسالہ کی جوانمردی اور سب سے آخر میں ہندوستانی رجمنٹوں کے ۱۸-۱۹۱۴ء کی جنگیں یہ کارنامے ایسے ولولہ انگیز سرہیں جن سے بقول اسٹیون سن "مرد کا شجاعت کا طالب دل پھڑک اٹھتا ہے" اسوک اور اکبر جیسے فرمانرواؤں شنکراچاریہ کے سے فلاسفر اور کالی داس کے مثل ڈراما نویسوں کو بھی فراموش نہ کیجئے ان سب نے دنیا کے بڑے لوگوں کے زمرہ میں بین قومی شہرت حاصل کرلی ہے۔ آپ کے مقدس ویدوں کی تاریخ طلوع تمدن سے جا بھڑتی ہے آپ کے زبردست مذہبی مصلح۔ گوتم بدھ۔ اس زمانہ میں وعظ کہہ رہے تھے جبکہ سالامس کے سامنے ماراتھان کے میدان میں یونانیوں اور ایرانیوں میں گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی۔ کرلا۔ الی فنٹا۔ اور ایلورا کے غار۔ اجنٹہ کی عجیب و غریب نقاشیاں۔ کوہ آبو کی نفیس سنگ تراشیاں۔ پیشواؤں کا محل مرہٹوں کی ڈراونی پہاڑی گڑھیاں جو مغربی گھاٹ کی چوٹیوں کو زیب دے رہی ہیں۔ یہ وہ مقامات ہیں جہاں آپ کے بزرگوں کے علوم اور فنون حکومت اور جبروت کے آثار اب بھی زندہ ہیں۔ اور یہ سب آپ کے پڑوس میں آپ کے گھروں کے سامنے ہی موجود ہیں۔ یہ ایسی یادگار

ہیں جن سے آپ کے دماغوں میں بلند منصوبے پیدا ہونے چاہیئے۔ بہت سی بیرونی تمدنوں کی مٹھ بھیڑ کے باوجود بھی ہندوستان نے اپنے تمدن کا خاص رنگ نہیں بدلا بلکہ ان باہر کے تمدنوں کی بہت سی بہترین چیزونکو لیکر اپنی کٹھالی میں ڈالا اور اپنے مطلب کا بنالیا۔ اب یہ آپ لوگوں کا کام ہے کہ بھارت ماتا کے لئے ایسا مستقبل پیدا کریں جو اس کے عہد ماضی کی ٹکر کا ہو اور یہ کہ ہندوستان پھر اپنے آپ کو نئے خیالات کے مطابق کرلے لیکن اپنی تاریخی حیثیت اور خصوصیت کو مٹنے بھی نہ دے۔

آخر میں مجھے شہری زندگی کے ایک اہم رُخ کی جانب آپ کو توجہ دلانی ہے ہندوستان میں ایک جمہوریت ہونے والی ہے اور اس وقت ہر شہری کا یہ فرض ہوگا کہ وہ اپنے وطن کی مدافعت کے لئے ہتھیار اُٹھانا سیکھے۔ کچھ عرصہ ہوا کہ بہت سے ہندوستانی حضرات کے اصرار پر گورنمنٹ نے یونی ورسٹی رے ننگ کور اور ہندوستانی ٹے ری ٹوریل فوج قائم کی نوجوان ان دونوں میں اس جوش وخروش سے شامل نہیں ہوئے جسکی توقع تھی۔ اور اے نوجوان حضرات! اس الزام کو دور کرنا آپ لوگوں کے ہاتھ ہے۔

سر ولیم جونس سنسکرت کے پہلے انگریز عالم گذرے ہیں۔ وہ ہندوستان کو بخوبی جانتے تھے اور اس کو چاہتے بھی تھے۔ ان کے چند اشعار ہیں جن میں ان تمام امور کو جو میں آپ سے آج بیان کر رہا تھا سر ولیم جونس نے مختصر طور پر یکجا کر دیا ہے۔

دولت کے انجر پنجر کیا ہیں؟

اونچے اونچے برج اور قلعے سورچے بھاری بھاری پہاڑی

بڑی بڑی فصیلیں اور گہری گہری خندق نہیں۔ انسان
بڑے دل کے انسان وہ انسان اپنے فرائض کو پہچانیں۔
حقوق اپنے بھی جانیں اور پھر اپنے اک اک حق کی جان سے
سیوا کرتے ہوں ایسے مرد ہیں دولت کے انجر پنجر۔

محمد عظمت اللہ خاں

کم فرصت اساتذہ کے لئے

چند سوال اور ان کے جواب ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ یہ انگلستان کے ایک مہتمم مدارس کی تحریر پر مبنی ہیں۔ اساتذہ ان سوالوں کے جواب پہلے اپنے آپ تحریر کریں اور بعد جو جواب دئے گئے ہیں ان سے اپنے جوابوں کا مقابلہ کریں۔

اردو
اور
زبانی اظہار خیال

سوالات	جوابات
(۱) کامیابی کی وہ کونسی علامت ہے جس پر بات چیت کے سبق یا اشیا کے سبق کے دوران میں نقاد کی نظر رہنی چاہیئے۔	(۱) سبق کی ناکامیابی کی یہ یقینی علامتیں ہیں۔ (الف) اگر استاد ہی زیادہ تر بولتا رہے اور (ب) اگر سبق ایک طرح کا لکچر ہو جائے جیسے لڑکے مٹکنا سے بیٹھے

(۲) جماعت کو ایک کہانی یا ایک نظم پڑھانی ہے۔ اُستاد کو اس کا کس طرح انداز کرنا چاہیئے کہ کس حد تک مشکل الفاظ یا فقروں کے معنی سبق کے دوران میں بتلائے جائیں۔

(۳) کم سن بچوں کے لئے ان میں سے آپ کس کو ترجیح دینگے۔ سیدھی سادی نظمیں اور کہانیاں جو خاص بچوں کے لئے نہیں لکھی گئی ہیں اور جن میں ادبی محاسن موجود ہیں یا ایسی نظمیں اور کہانیاں جو خاص بچوں کے لئے لکھی گئی ہیں اور جن میں کوئی مشکل جملہ یا فقرہ تام کو نہ ہو۔

(۴) کیا مدرسوں میں اس قسم کے کھیلوں کی اجازت دیجا سکتی ہے جیسے کسی کہانی کو ایکٹ کرنا یا بوجھنے اور قیاس دوڑانے کا کوئی کھیل۔

مُسَدَّس مُثَمَّن سنا کریں اور استاد ایسی باتیں بتاتا رہے جو لڑکے زیادہ مفید طور پر اپنے آپ کتابوں سے معلوم کر سکتے ہوں۔

(۲) اگر نظم یا کہانی کے اصلی مفہوم اور اسپرٹ کا لطف بچے اُٹھا رہے ہوں تو یہ بات دانشمندی سے بعید ہوگی کہ ابتدا ہی سے اس کیفیت میں بے ضرورت تفصیل یا وضاحت سے خلل ڈالا جائے۔

(۳) تجربہ سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ بچے ایسی نظموں کے مقابلے میں جو خاص انہیں کے لئے لکھی گئی ہوں ایسی آسان نظموں سے زیادہ لطف اُٹھاتے ہیں جیسی رابرٹ لوئی اسٹی ون سن نے لکھی ہیں۔ اور جن کا ترجمہ ہندوستانی بچوں کی سمجھ کے مطابق مولوی سید غلام مصطفےٰ صاحب ذہین نے اپنی کتاب "بالک باغ" میں کیا ہے۔

(۴) ایسی چیزوں کا ضرور شوق دلایا جائے ان سے بچوں کی قوتِ گویائی زیادہ ہوتی ہے۔

(۵) آج کل جماعت میں بچوں کو بات چیت کرنے سے کم روکا جاتا ہے اس کا کیا سبب ہے۔

(۵) یہ بات اب مان لی گئی ہے کہ جماعت میں ضرورت سے زیادہ اور غیر فطری خاموشی کا قائم رکھنا شاگردوں کو کم گو بنا دیتا ہے۔ حالانکہ چاہیئے یہ کہ بچے دل کھول کے بولا کریں۔

(۶) مختلف سبقوں کے بیچ میں جو آرام کا وقفہ ہوتا ہے۔ اس میں کیا بچوں کو اجازت دیجا سکتی ہے کہ آپس میں بات چیت کریں۔

(۶) ہاں کافی اور مناسب نگرانی ہو تو ضرور بات چیت کی اجازت دینی چاہیئے ایسا نہ کیا جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ بچوں کو بول چال اور اظہار خیال کا موقع ہی نہیں دیا جاتا۔

(۷) ایک ساتھ جواب دینے اور دہرانے کو کیوں برا خیال کیا جاتا ہے۔

(۷) اس طریقے سے بار بار کام لیا جائے تو اپنے آپ سوچنے اور خیال کے آزادانہ ظاہر کرنے میں ایک رکاوٹ سی پیدا ہو جاتی ہے۔ جو بچہ اس کا عادی ہو جاتا ہے اس کے دل میں یہ خواہش اور صلاحیت کم ہو جاتی ہیں کہ اپنے بل پر بات چیت یا کوئی کام کر سکے۔

(۸) کیا یہ ضروری ہے کہ بچے ہر جواب یا ہر بات ایک مکمل جملے کی صورت میں کہیں۔

(۸) نہیں یہ ضروری نہیں۔ اس کا خیال رہے کہ "دہرا" کے لفظ کے نیچے لکیریں کر دی گئی ہیں۔ ہر سوال کا جواب پورے جملے کی صورت میں حاصل کرنیکی

کوششیں کی گئیں اور ان کا نتیجہ ہمیشہ تمسخر انگیز رہا۔ بولنا اظہار خیال کا ایک طریقہ ہے جب محض اس طریقہ کی ظاہری صورتوں اور قیود پر زیادہ زور دیا جائیگا تو ظاہر ہے کہ بچوں کے خیالات کا بھاؤ رکیگا اور بات کا تسلسل ٹوٹ ٹوٹ جائیگا۔

(۹) اگر سوال نمبر (۸) کا جواب نفی میں ہو تو پھر سوال کی بہترین صورت کیا ہونی چاہیئے۔

(۹) سوال کی بہترین صورت یہ ہے کہ سوال کا پورا جواب اس وقت ادا ہو سکے کہ بچہ مسلسل اظہار خیال پر مجبور ہو جائے۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے جو انگلستان کے بورڈ آف ایجوکیشن کی ایک رپورٹ سے یہاں نقل کی جاتی ہے۔

ہم اس بات پر بہت زور دینا چاہتے ہیں کہ مسلسل اظہار خیال کرنے کی تربیت ایسی چیز ہے کہ اس کو اور سب باتوں پر فوقیت دینی چاہیئے۔ اور مدرسہ کے نصاب کا اسے سب سے زیادہ ضروری جزو گردانا چاہیئے۔

از م۔ ع

مشاہدۂ تصویر

یہ امر مسلّمہ ہے کہ مدرسہ کا ایک یہ بھی فریضہ ہے کہ طلبہ کے شعور کو آراستہ اور ان کے مذاق کو شائستہ کیا جائے اکثر مدارس نے ایسے نقشہ جات اور اشکال آویزاں کرنا جس سے کہ جماعتوں کی دیواریں بدنما اور بدشکل ہو جاتی ہیں متروک کر دیا ہے اور ان کے بجائے حتّے الوسع خوشنما اور خوبصورت تصاویر دیواروں پر لگائے جاتے ہیں اس لئے کہ اکثر موقعوں پر تصویروں کا صرف لٹکا ہی دینا درپردہ ایسے اچھے اثرات پیدا کرتا ہے جس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ بچوں کو تو بالخصوص تصویروں سے بے انتہا دلچسپی پیدا کرائی جا سکتی ہے۔ اور اگر ان کے مشاہدہ اور معائنہ کے لئے تھوڑا بہت وقت صرف کرایا جائے تو ان اثرات میں بہت کچھ اضافہ ہو جاتا ہے۔

بعض مدارس میں مشاہدۂ تصاویر کے لئے نظام الاوقات میں ایک وقت رکھا گیا ہے۔ کوئی ایک تصویر بطور مبحث انتخاب کر لی جاتی ہے۔ اور طلبہ اس کے مطالعہ اور غور و فکر کے لئے ہفتہ عشرہ کی مدت دیدی جاتی ہے تاکہ اس عرصہ میں وہ بسہولت تمام تصویر کا مشاہدہ اور معائنہ کریں اور اس کے متعلق جو کچھ دلچسپ معلومات فراہم ہو سکیں ان کو بیان کریں اور اپنی استعداد کے موافق اس پر ایک مختصر سا تنقیدی مضمون لکھیں۔ گھنٹہ ختم ہونے سے ذرا پہلے استاد ایک چھوٹا سا مسبق دیتا ہے یا بعض اوقات تصویر کے بابت مناظرہ کرایا جاتا ہے اور طلبہ کو ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ آزادانہ طور پر اپنے خیالات کا اظہار کریں اور اپنے حاصل کردہ معلومات میں تصویر کے متعلق جو دلچسپ بات ہو بیان کریں۔ اس کے بعد عموماً طلبہ مل جل کر مضمون تیار کرتے ہیں یا کسی اور چیز کی مشق کرتے ہیں جو اس سے

ملتی جلتی ہوتی ہے۔ مثلاً اسی تصویر کے کسی حصّہ کی نقل کرتے ہیں یا اُس کی مناسبت سے کوئی اور تصویر بناتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ تصویریں مضمون نویسی کے لئے بطور عنوان استعمال ہوتی ہیں تاکہ طلبہ کو مضمون لکھنے میں سہولت ہو۔ زیادہ تر ان کا استعمال چھوٹے بچوں کیلئے ہوتا ہے کیونکہ ان کا ذخیرۂ معلومات بہت کم ہوتا ہے۔ تصویروں سے اُنہیں بہت کچھ مدد مل جاتی ہے اور اُن کی دقتیں دور ہو جاتی ہیں۔ مگر مشاہدہ تصویر کا صرف یہی مقصد نہیں ہے اُس کا مطلب یہ ہے کہ خود تصاویر سے دلچسپی پیدا ہو جائے بچہ اُس کی توضیح کر سکے۔ اُس میں تنقیدی مادّہ پیدا ہو۔ اور اس کا مذاق لطیف اور نفیس ہو جائے۔

جس بچّہ کو اس قسم کی تربیت نہ دی گئی ہو اُس کی نظروں میں خواہ کیسی ہی تصویر کیوں نہ ہو صرف "اچھی" یا "بری" سے زیادہ کوئی اور حیثیت نہیں رکھتی۔ اور اگر اس کو اس قسم کی تعلیم دی گئی ہے کہ وہ تصویروں کی خوبصورتی دیکھ سکے اور ان کے نکات کو سمجھ سکے تو اس کو مسرت اور دلچسپیوں کی ایک نئی دنیا نظر آنے لگتی ہے۔

مثلاً ٹرنر کی مشہور و معروف تصویر "جنگجو ٹریمیر" (ایک لکڑی کے جہاز کا نام) اکثر بچے اُس کے خوشنما رنگ حیرت سے دیکھیں گے اور اُس کے خوبصورت جہاز پر غور کرتے ہوئے اور چھوٹی سی کشتی کو بندرگاہ میں جاتے ہوئے دیکھکر بیحد مسرت حاصل کرینگے اور جب انہیں اس کا علم ہوگا کہ جنگجو ٹریمیر وکٹری جہاز کے دوش بدوش جنگ ٹرافالگر میں لڑا اور اب وہ اس لئے پاش پاش ہو رہا ہے کہ لکڑی کے جہازوں کی زندگی کا زمانہ گزر چکا ہے تو اُس کو اور زیادہ دلچسپی سے دیکھیں گے اور گہری نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ کس طرح مصور ایک عالیشان

ماضی کا ایک حسرت انگیز خاتمہ بتلا رہا ہے اور کس طرح ان دونوں جہازوں کی حالتوں کا مقابلہ کر رہا ہے اگرچہ یہ مشاہدہ اعلےٰ تعلیمی حیثیت رکھتا ہے مگر ان نکات پر غور کرنے سے سوگنا دلچسپیاں بڑھ جاتی ہیں۔ اور تصویر کے نظارہ سے جس قدر مسرت ہوتی ہے اس کا حد و حساب نہیں۔

مگر بات تو یہ ہے کہ اس قسم کا مطالعہ وہیں ہو سکتا ہے جہاں عمدہ اور خوبصورت تصویریں دستیاب ہو سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ عام طور پر اور ہر مقام پر اس کی تعلیم نہیں دی جا سکتی۔ بہت ہی کم مدارس ایسے ملیں گے جو کہ تصویر خانوں سے نزدیک ہوں یا جہاں ہر قسم کی رنگین تصاویر بہم پہونچائی گئی ہوں۔ اس لئے کہ تصاویر جو تعلیم کے کام میں لائی جاتی ہیں۔ وہ سپید و سیاہ ہوتی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ان میں بعض بعض نہایت لاجواب بھی ہوتی ہیں۔ لیکن بچوں کو زیادہ تر دلچسپی رنگ سے ہوتی ہے جو تصویر کا جوہر اور مطالعہ کے لئے لازمہ ہے۔ گو بڑے سائز کی تصویریں بہت کم دستیاب ہوتی ہیں۔ تاہم متوسط درجہ کی تصویریں آسانی سے مل سکتی ہیں جو مطالعہ کے لئے نہایت موزوں ہیں۔ دوسرے ان کی بڑی خوبی یہ ہے کہ قیمت کم ہوتی ہے۔ جتنی جی چاہے خرید لو۔ قدیم۔ جدید تصویریں۔ ملکی و غیر ملکی۔ تصاویر مناظر وغیرہ بہت ہی کم صرفہ میں بہت مہیا کئے جا سکتے ہیں۔ اور ان مدارس میں جہاں اس قسم کی تصویریں بہم پہونچائی جاتی ہیں ان میں سے صرف ایک تصویر کو کسی ایک مقررہ وقت میں دکھایا جاتا ہے جو کہ مشاہدہ تصویر کے لئے مخصوص ہوتا ہے۔ اور بچوں کی استعداد کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی تقسیم کر دی جاتی ہے۔ تصویر ایسے مقام پر لٹکائی جاتی ہے کہ بچے بآسانی دیکھ بھال سکیں اُن پر کافی روشنی پڑتی رہے اور وہ سب نظروں کے سامنے رہیں۔

بعض اوقات تصویر کو گھومنے والے چوکھٹے میں لگا دیا جاتا ہے لیکن اس میں اگر

شیشہ لگا ہو تو تصویر کے تفصیلی معائنہ میں دقت ہوتی ہے۔ اگر تصویر کو صرف مقوہ پر لگا دیا جائے تو بچے اس کو بآسانی دیکھ بھال سکتے ہیں اور شیشہ کے ٹوٹنے کا اندیشہ بھی رفع ہو جاتا ہے۔

طریقۂ مشاہدہ مشاہدہ تصویر کا موقعہ مدرسہ کے شروع یا آخر وقت میں وقفہ تعطیل میں نہایت موزوں ہے یا اس وقت جبکہ بچے انفرادی کام ختم کر چکے ہوں یعنے مضمون نگاری، حساب یا ریاضی کے سوالات حل کرنے کے بعد اس طرح سے انضباط اوقات پر کوئی بُرا اثر نہیں پڑتا اور ہفتہ عشرہ ختم ہونے کے بعد ہر بچے کو اس تصویر کے متعلق سبق تیار کرنے یا معلومات حاصل کرنے کا کافی موقع مل جاتا ہے۔

بعض تصاویر میں اس بات کا بھی لحاظ رکھا جاتا ہے اور موقع دیا جاتا ہے کہ فن مصوری کے متعلق بحث و مباحثہ ہو سکے اور ان کے اثرات سے بچوں کو جو ڈرائنگ سیکھتے ہیں دقتیں پیش آئیں رفع کر دی جائیں۔ ایسی حالت میں مشاہدہ تصویر کے بعد چند خاص باتیں اُسکے متعلق بتلائی جاتی ہیں اور مدرس کسی خاص عنوان کی جانب طلبہ کو متوجہ کرتا ہے یا کبھی اس قسم کے سبق بتاتا ہے جو اس سبق کی طرف رہنمائی کرتا ہے یہ طرز تعلیم اور تصاویر کا اس طرح استعمال زیادہ تر معمر طلبہ کے لئے مناسب ہے۔

فن مصوری کے سکھانیکے علاوہ دوسرے مقاصد بھی ہیں۔ ایک عمدہ منتخب تصاویر کا سلسلہ لٹریچر، جغرافیہ اور تواریخ کے لئے بہت عمدہ اور بہترین سرمایہ ہے۔ مثلاً ایسی تصویریں جو قدیم زمانہ سے لیکر اب تک کے حالات بتلائیں اس عمدگی سے اُن حالات کو بچوں کے سامنے پیش کر دیتے ہیں جو صرف قدیم زمانہ کی تواریخ سے معلوم کئے جا سکتے ہیں اور بچوں کی استعداد سے باہر ہیں۔ الحاصل تصویروں کا استعمال صرف ان کی صنعت کے لحاظ سے ہی کیا جائے تب بھی مدرسوں میں مفید ثابت ہوگا اور جو سلیقے

مدرسین مدرسہ میں طلبہ کو تصویروں کا مطالعہ کرانے کے بعد تصویر خانوں کا بھی مشاہدہ نہایت عمدگی سے کرا سکیں گے۔ بشرطیکہ وہ نزدیک ہوں۔ تصاویر کی خوبصورتی ان کا رنگ اور اُن کے نکات صرف مشاہدہ اور مطالعہ سے ہی معلوم ہو سکتے ہیں اور مدرسین کو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ پیشتر اس کے کہ وہ تصویر خانوں میں جائیں سب سے اول مدرسہ میں ہی اسکی تعلیم دینا ضروری ہے۔ اکثر مقامات پر یہ مقاصد صرف مدرسہ میں ہی حاصل ہو سکیں گے کیونکہ اکثر تصویر خانے مدرسہ کے حدود سے باہر ہیں۔

جن مدرسین نے اب تک مشاہدہ تصویر نہیں کرایا ہے اُن سے استدعا ہے کہ وہ اس کا رواج ڈالیں۔ کیونکہ اس طریقہ تعلیم کے نتائج اور اثرات سے وہ صرف محظوظ ہی نہیں ہونگے بلکہ طلبہ کا شوق اور دلچسپی دیکھکر عالم حیرت میں رہ جائیں گے۔

مترجمہ
مرزا عصمت اللہ بیگ عصمت

جغرافیہ

جغرافیہ کی سرخی سے ایک انگریزی نظم کا اردو ترجمہ ذیل میں درج ہے۔

یہ نمونہ کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ ہم کو توقع ہے کہ جن اساتذہ کو طبع موزوں بھی عطا ہوئی ہے وہ محض غزل گوئی کے علاوہ بچوں کی دلچسپی اور مفاد کے لئے اس جانب بھی اپنے زور سخن کی باگ موڑیں گے۔

جہاں تک اردو اور انگریزی جیسی مختلف زبانوں کی بو باس نے اجازت دی ہے اس ترجمہ میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ ایک تو اصل نظم کی روح ترجمہ میں پرواز کرے۔ زبان بھی حتی الامکان سہل سادی رکھی گئی ہے کہ کم سن بچے بھی اپنے آپ سمجھ سکیں یا ذرا سے سمجھانے سے مطلب پالیں

اس کی بحر ہندی سولہ ماترا کی ہے آسانی کے ساتھ بچے اسے پڑھ سکتے ہیں۔

جب پڑھ کے سبق جلدی جلدی
سوال سب حل کر جاتا ہوں
بھائی لیتا خالی خالی
یا انگلیاں میں مٹکاتا ہوں

تب دیوار پہ ٹنگا نقشہ
آنکھوں میں مری کھب جاتا ہے
لڑکے کتابیں میز پر کمرہ
سب کچھ آنکھ سے چھپ جاتا ہے

نقطوں کی لکیروں کے رستے
نیلے سمندر میں جاتا ہوں
پون کے ناپانی کے تھپیڑے
بندرگاہوں تک پاتا ہوں

رنگ برنگی سرحدوں سے
ملکوں ملکوں میں جاتا ہوں
جھلکے جزیروں کے تاروں سے
دل کو جہان میں بہلاتا ہوں

پردیسوں میں تیز ہوا سا
لال سی پٹڑی پر جاتا ہوں
یا ناؤ میں پریوں کی بیٹھا
ندی کی بیچ پہ لہراتا ہوں

اُن شہروں میں میں ٹھیرا ہوں
چوکور وہ یا گول سے دھبے
او پری ناموں پہ ہنستا ہوں
حیران ہوں واں کون ہیں بستے

ریل خیالی میں ایسے مقام — بھی ملتے ہیں شہرت والے
گیت کہانی میں جن کے نام — سُن سُن تڑپے دیکھ نہ پائے

قصہ ان کا یاد آتا ہے — ایک دریا سَن میں اڈرا ہے
شوق یہی جی تڑپاتا ہے — یاں ٹھیر کہاں اب جاتا ہے

چڑھتا ہوں اونچے پہاڑوں پر — پرتھی پہ پڑے اینڈے بینڈے
دو طرفہ ڈھلانیں غاروں پر — باتیں کرے چوٹی امبر سے

خالی خالی بیٹھے بیٹھے — نقشے کا گشت لگاتا ہوں
ختم سفر نقشے کے کنارے — وقت ایسے خواب میں بہلاتا ہوں

محمد عظمت اللہ خاں

تبصرے

نوبہار علی گڑھ

ماہ دسمبر کا نمبر ہمارے پیش نظر ہے۔ اس رسالہ کو دیکھکر ہمیں بہت ہی مسرت ہوئی۔ نوبہار نے مضامین کی نوعیت اور تنقید کے اعلیٰ نمونے سے اردو صحافت میں ایک قابل قدر راستہ کھولا ہے۔ مدیر صاحب کچھ اپنی بابت کے ضمن میں فرماتے ہیں۔ "نوبہار کا اصلی مقصد مشاہدات کو قلم بند کرنا ہے مشاہدہ جس طرح تمام علوم کی جان ہے اسی طرح ادب اور شاعری کی روح رواں ہے"

یہ وہ اصول ہے جس کی اردو ادبیات میں اتنی ہی سخت ضرورت ہے جتنی ایک مردہ کو جلانے کے لئے جان کی ضرورت ہوتی ہے۔ ادب اسی وقت سماج کا صحیح آئینہ ہو سکتا ہے جبکہ مشاہدات اور واقعات اسکی بنیاد ہوں محض خیال بندیاں اور لفظوں کا کھیل ادب اور زندگی کو دست و گریبان نہیں کر سکتا۔ اور اسی لئے قابل مدیر کے قلم سے کیا خوب بات نکلی ہے "خیالات میں جدت پیدا کرنے کی ضرورت ہے نہ کہ الفاظ میں" اور واقعہ بھی یہی ہے کہ جب خیالات کی کمی نہ ہو تو الفاظ اپنے آپ اہل قلم کے اشارہ پر پیدا ہو جاتے ہیں اور خداداد دماغ بہت سے نئے الفاظ یا بہت سے پرانے الفاظ کو نئے ڈھنگ اور نئے انداز پر اپنا سکہ بٹھا کر مملکت ادب میں چلا دیتے ہیں۔

خاص نمبر رسائل کی سرخی کے تحت جو ادب جاریہ کا تبصرہ کیا گیا ہے وہ نہایت ہی دلچسپ اور پر وقار کرتے ہوئے ہے اور اردو صحافت میں ایک قابل تقلید جدت ہے ایک خیال کا تبصرہ کے ضمن میں یہ جملے غور کے قابل ہیں۔

"نیرنگ خیال کے بے جا حملوں کا جواب دیتے ہوئے ہم آخر میں یہ بھی عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اگر ایڈیٹر صاحب نیرنگ خیال کو ہماری مخلصانہ تنقید ناگوار خاطر ہے تو ہم آئندہ سے نہایت خوشی کے ساتھ نیرنگ خیال کا خلاصہ لینا بند کر دیں گے ہم اپنے اعتراضوں کے جوابات سے بد دل نہیں ہوتے بلکہ ہم تو چاہتے ہیں کہ جواب دے جائیں لیکن جوابوں میں بے جا حملوں اور نامناسب الفاظ کا استعمال کسی طرح ٹھیک نہیں ہے"

ہمارے خیال میں اس عبارت میں تنقید کا صحیح اور مردانہ معیار عمدگی سے ظاہر کیا گیا ہے۔ ہندوستان میں تعلیم یافتہ طبقہ بھی اعتراض کو برداشت نہیں کر سکتا اعتراض کے ساتھ ہی ہماری طبائع میں اشتعال پیدا ہو جاتا ہے اور ہم نفس بحث سے الگ ہٹ کر ذاتی اور محض منطقی حیثیت کو گڈمڈ کرتے ہیں اسی لئے ہمارے ہاں مل جل کر کام کرنا اعتراض سے فائدہ اٹھانا نہایت کٹھن کام ہیں ہمیں خوشی ہے کہ نو بہار نے اردو بولنے والی دنیا میں مخلصانہ بے لوث شریفانہ اور مزاحہ تنقید کی چیک ڈالنے کی قابل تحسین اور نہایت ضروری کوشش شروع کی ہے۔

"نفسیات و معرفت"، "شعر و شاعری" غور سے پڑھنے کے قابل مضامین ہیں اور اچھی طرح لکھے گئے ہیں۔ منشی پریم چند نے تحفظ حقوق، میں نفیس ظرافت کی اپنی مشہور سلاست بیانی اور بے تکلف تحریر میں خوب داد دی ہے۔ نظموں میں "فلسفہ حیات" سریلی اور بے تکلف نظم ہے اگرچہ کہ خیال کوئی نیا نہیں ہے لیکن انوکھے پن سے ادا کیا گیا ہے۔ افسر کی نظم "شب تاریک" خوب چیز ہے۔ ایک سریلی رگ ہے ڈاکٹر بجنوری مرحوم نے اس بندش کی ایجاد کی اور اس میں افسر صاحب نے نہایت نفیس سریلی چیز لکھی ہے۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ اس نفیس نازک لے رگ میں ذرا سی زور کی ضرورت ہے زیادہ ترکیبیں پہلے پہل ذرا اوپری سی معلوم ہوتی ہیں۔ ماں کا پیارا بچہ"

بھی ایک اچھی نظم ہے جذبات خوب ادا کئے ہیں۔

لکھائی اور چھپائی اتنی بری نہیں ہے جتنی بری مدیر صاحب خیال کرتے ہیں لیکن اس میں شک نہیں کہ اس معیار سے ابھی بہت دور ہے جو انہوں نے بجا طور پر اپنے پیش نظر رکھا ہے یعنے "نوبہار امریکہ اور انگلستان کے اچھے رسالوں کے برابر پہنچ جائے۔ ہر ادبی ذوق والے نوجوان کو اس رسالہ کا مطالعہ ضروری ہے اور خصوصاً "نوبہار" ہمارے معلموں کے لئے نہایت مفید ہوگا۔ رسالہ کی قیمت سالانہ صرف سکہ کلدار ہے۔

(م۔ع۔خ)

ارتقا

اس رسالہ کے نام سے یہ خیال پیدا ہوا کہ اس میں اردو کی ارتقا پر مضامین ہوں گے اور اس کا مطمح نظر ارتقائی (ایوولیوشنری) ہوگا لیکن جو نمبر اس وقت پیش نظر ہیں جلد ۱ نمبر ۲ و ۳ (ماہ ربیع الثانی و جمادی الاول ۱۳۴۳ھ) ان سے ارتقائی نقطہ نظر کا پتہ نہیں چلتا۔ اردو کے عام رسالوں کی طرح اس میں بھی مضامین ہیں۔

یہ رسالہ بوین پلی سکندرآباد دکن سے نکلتا ہے اور خوشی کی بات ہے کہ صاحب ہمت ایڈیٹر ایسے مقام سے پرچہ نکال رہے ہیں جہاں اردو ادبیات کا ذوق بظاہر نظر نہیں آتا۔ اس پہلو سے ضرورت ہے کہ اس ادبی کوشش کی داد حوصلہ افزائی کی صورت میں دی جائے۔ لکھائی اور چھپائی ایسی جگہ جیسی کچھ ہو سکتی ہے اس کو پیش نظر رکھنے کے بعد

ان نمبروں کی طباعت کو بھی بر اکھ نہیں سکتے پہلا مضمون الحریت فی الاسلام نہایت طول طویل ہے اور اس میں لکھنے والے صاحب نے بہت محنت اٹھائی ہے مگر مضمون اسی ڈھرّے پر لکھا گیا ہے جیسا کہ عام طور پر اس قسم کے مضمونوں میں اختیار کیا جاتا ہے اس طرح کے حسب دستور جملے سے مضمون شروع ہوتا ہے

"آفتاب اسلام افق عالم پر طلوع ہونے سے پہلے دنیا کی کیا حالت تھی"

اور اس طویل مضمون میں لائق مضمون نگار نے حسب دستور طریقے سے یہ دکھایا ہے کہ آفتاب "اسلام" نے کس طرح عدل و انصاف، حریت و مساوات ظلم و جور غلامی اور محکومی کی تاریکی کو دنیا سے مٹا دیا۔ پرجوش استدلال کے بعد قابل مضمون نگار ایک جگہ پکار اٹھتے ہیں۔

"دیکھا تم نے یورپ کی دعادی حریت کی اصلیت کو" غرض یہ مضمون پڑھنے کے قابل ہے اور اس سے ایک گونہ دل کو تسکین ہوتی ہے کہ جن امور پر آج کل مغربی دنیا کو ناز ہے وہ اگر بالفرض اب ہم میں موجود نہ ہوں تو ایک زمانہ تھا کہ وہ سب باتیں ہم میں بدرجہ کمال موجود تھیں۔

مسلمانوں میں یہ ایک عام بات ہو گئی ہے کہ اپنے باپ دادا کے کارنامے سناتے ہیں اور ان پر مست ہو کر جھومتے ہیں حالانکہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ خود بڑے کارنامے پیش کریں ورنہ محض اسلاف کے افسانوں کو زبان یا قلم سے دہرانا اصلاح اور ترقی نہیں بلکہ اس کو دنیا استخوان جد فروشی کہتی ہے۔

اس مضمون کے بعد ہی اردو میں جسکو ٹکور کا رنگ سمجھا جاتا ہے اس طرز کا ایک ننھا سا مضمون ہے۔

"میں تیری اردو کس طرح آؤں"۔

ایسے مضمون پڑھنے میں لطیف ضرور ہوتے ہیں۔ حب وطن بھی ایک دلچسپ

مضمون ہے امید ہے کہ آیندہ مشق کے ساتھ استدلال اور زیادہ منطقی اور نگاہ ژرف ہوتی جائے گی۔ سنجیدہ بلّی ایک سنجیدہ مضمون ہے جس میں اس کو تسلیم کرکے کہ "انسان تو خیر اشرف المخلوقات ہے" یہ مزید اربات واضح کی گئی ہے کہ "یورپی تحقیق" نے "اُن جانوروں تک کو مہذب ٹھہرایا جو ہماری نظروں میں بے انتہا غیر مہذب ہیں"۔ اس سے شاید قارئین یہ خیال فرماتے کہ جانوروں کی تہذیب کی تحقیق کا سہرا نرا یورپی محققین کے ہی سر رہا ہے قابل مضمون نگار فوراً فرماتے ہیں۔

"حیوانات کی طبائع کا امتحان اور ان کے عادات و اطوار کا مطالعہ اسلام نے بھی بہت ہی سنجیدگی سے کیا ہے"

پڑھنے والے احباب کو اس کے ساتھ آج کل کے سرکس والوں کا خیال ضرور آنا چاہیے۔ احتیاطاً یہ جملہ مضمون نگار صاحب کے قلم سے بیساختہ نکل پڑا ہے "مگر ان سے پہلے یہ کام وحشیان عرب نے بھی شروع کر دیا تھا"

فقیہ صاحب کی سیانی سنجیدہ بلّی کی حکایت نہایت پر لطف ہے اور اس حکایت سے جو اخلاقی نکتہ نکالا ہے وہ داد کے قابل ہے فرماتے ہیں۔

"بلی تلاش معیشت میں کیا کیا ترکیبیں کرتی ہے دنیا کی سب سے ننھی کاٹنے والی مخلوق (چیونٹی) کن کن دشواریوں سے خوراک فراہم کرتی ہے مگر آہ حضرت انسان ہیں کہ قسمت پر تکیہ تقدیر پر ادھار کھائے بیٹھے کاہلی کا نام بدنام کرتے ہوئے پڑے ہیں۔ آہ ... ..."

اس اقتباس میں "ننھی سی کاٹنے والی مخلوق" یعنے چیونٹی جملہ معترضہ کے طور پر بلی کی تلاش معیشت کو تقویت دینے کے لئے آن پڑی ہے حضرت انسان کے زمرہ سے یہاں غالباً انگلستان اور یورپ کے مادہ پرست "صنعتی عہد" کے بڑے

بڑے سرمایہ دار اور مزدوری پیشہ خارج ہیں کیونکہ وہ قسمت پر ادھار نہیں کھاتے بلکہ قسمت پر قہقہہ مارتے ہیں۔

بہرحال اسی قبیل کے مضامین ہیں اور امید ہے کہ ارتقا کے مضمون نگار احباب بھی رفتہ رفتہ اپنی مضمون نگاری کو ارتقا سے محروم نہ رکھیں گے اور لایق مدیر صاحب اس امر کی کوشش کریں گے کہ ارتقا اسم بامسمی ہو جائے

چندہ سالانہ للعہ دفتر ارتقا بوئین پلی سکندرآباد (دکن)

(م۔ ع۔ خ)

رفیق التعلیم

یہ اہوار تعلیمی رسالہ زیر ادارات رائے صاحب لالہ رکھو ناتھ سہاے صاحب بی۔ اے لاہور سے شائع ہوتا ہے۔ رسالہ کا پہلا مضمون 'نیا سال' دیکھنے سے ظاہر ہوا کہ یہ آٹھ سال سے جاری ہے اور اب نواں سال شروع کیا ہے۔ رسالہ کی پالیسی میں کسی قدر تبدیلی ہوئی ہے یعنے مستند مضامین کے ترجمے دئے جاتے ہیں ہماری رائے میں یہ چیز مدرسین کے لئے مفید ثابت ہوگی ترجموں میں اس کا لحاظ ضروری ہے کہ مستند ماہرین فن کے مضامین کا ترجمہ کیا جاوے نمبر زیر تبصرہ کے بعض مضامین اچھے ہیں مثلاً تعلیم تاریخ کا مقصد۔ طریقہ اور وسعت۔ خاموشی کا کمرہ۔ ایام طفولیت کا مکمل مطالعہ رسالہ کا حجم ۴۸ صفحے ہے لکھوائی چھپوائی اچھی اور سالانہ چندہ ۳ ہے۔

النساء

یون تو بیگم صاحبہ مسٹر ہمایون مرزا بیرسٹرایٹ لا طبقہ اناث کی اصلاح و ترقی میں ہمہ تن مصروف رہتی ہیں لیکن رسالہ النسا جاری کرکے انہوں نے اپنی بہنوں کی بڑی عمدہ خدمت کی ہے۔ یہ ماہوار اردو رسالہ جو انہی کی قائم کردہ انجمن خواتین دکن کی نگرانی میں شائع ہوتا ہے نہ صرف پردہ نشین خواتین کو اظہار تبادلہ خیالات کا موقع دیتا ہے بلکہ انہیں ادبی مذاق پیدا کرکے ان کی مقید زندگی میں کشادگی پیدا کر سکتا ہے۔

رسالہ النسا بابت جمادی الثانی و رجب میں مختلف قسم کے مضامین ہیں اور معلوم ہوتا ہے پوری کوشش کی گئی ہے کہ وہ ہر طبع کے مطابق ہو چنانچہ وعظ نصیحت ہے تو غزل بھی موجود ہے۔ کہیں پھلی ہے تو میٹھا بنانے کی ترکیب بھی درج ہے۔

ہماری رائے میں ترتیب و نوعیت مضامین محتاج توجہ ہے۔ سینے پرونے گھر کی صفائی۔ بچوں کے رکھ رکھاؤ وغیرہ کے متعلق پورا رسالہ خاموش ہے کوشش یہ ہونی چاہیے کہ یہ رسالہ ہر عورت و لڑکی کا رہنما۔ معاون و مددگار بنے۔

لکھائی چھپائی متوسط۔ قیمت سالانہ تین روپیہ سکہ عثمانیہ حجم ۴۰ صفحہ۔

ملنے کا پتہ ہمایون نگر۔ صغرا منزل حیدرآباد دکن۔

شذرات

فرمان خسروی شرف صدور لایا ہے کہ صرف ایک ماہ کی تعطیل گرما دیجائے چنانچہ اس سال سے صرف ماہ تیر میں مدارس بند رہیں گے۔

مدراس کی کارپوریشن نے مسلمان لڑکیوں کو دو سال کے واسطے تعلیم جبری سے مستثنیٰ کردیا ہے۔ گوشہ نشینی کیوجہ سے مسلمان لڑکیوں کی تعلیم کا مشغلہ بہت پیچیدہ ہو گیا ہے۔

بمبئی کی کارپوریشن نے یہ تہیہ کرلیا ہے کہ مسلمان لڑکیوں کے لئے ایک ایسا مدرسہ قائم کرے جس میں پردے وغیرہ کا انتظام ہو۔

جناب بیگم صاحبہ بھوپال نے وایسرائے بہادر کی علی گڑھ کی آمد کی خوشی میں مسلم یونیورسٹی کو ایک لاکھ روپیہ اور مدرسہ نسواں کو بیس ہزار کا گرانقدر عطیہ عنایت فرمایا۔

بمبئی کے ایک متمول تاجر دوست محمد پیر محمد صاحب نے ڈیڑھ لاکھ روپے اس مقصد کے لئے وقف کیا ہے کہ پونا میں یتیم مسلمان لڑکیوں کے لئے ایک یتیم خانہ قائم کیا جائے مگر یہ قید لگائی ہے کہ نو حاطقے کی لڑکیوں کو ہر قسم کی سہولت اور ترجیح دیجائے۔ ان کے بھائی ولی محمد صاحب موسوم نے وصیت کی ہے

ان کی جائداد سے اسی ہزار روپیہ مسلمانوں کی تعلیم و مریضوں کے علاج میں خرچ کیا جائے

ہندو یونیورسٹی بنارس میں مہاراجہ صاحب پٹیالہ کی سخاوت کی بدولت ایک اعلیٰ درجہ کے انجینیرنگ کالج کی بنیاد پڑ گئی ہے جو آئندہ چلکر اپنا معیار تعلیم لندن یونیورسٹی کے مساوی رکھنے کی کوشش کریگا۔ مہاراجہ صاحب مذکور نے پانچ لاکھ روپیہ کمیشت اور چوبیس ہزار روپیہ سالانہ عطا فرمائے ہیں۔ مہاراجہ صاحب جودھپور نے دو لاکھ روپیہ کمیشت اور چوبیس ہزار روپیہ سالانہ عنایت کئے ہیں۔ کارکنان کا خیال ہے کہ ان کے مقصد کی تکمیل کے لئے مزید چالیس لاکھ روپیہ کی ضرورت ہے۔

مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے وائس چانسلر صاحب نے یونیورسٹی کی تیسری سالانہ رپورٹ پیش کرتے ہوئے کہا کہ طلبہ کی اتنی کثرت ہو رہی ہے کہ موجودہ مکانات بالکل ناکافی ہو گئے ہیں۔ جو مکانات بدرجہ مجبوری کرایہ پر لئے گئے تھے وہ بھی پورے ہو گئے پس ضرورت ہے کہ مزید عمارتیں تعمیر کیجائیں۔ آغاز یونیورسٹی کے وقت کل تعداد طلبا (۲۶۱) تھی اور اب ایک ہزار پانچ ہے خوشی کی بات یہ ہے کہ سال زیر رپورٹ میں (۹۰) ہندو طلبا زیر تعلیم تھے۔ سائنس کی تعلیم کے لئے مزید رقم کی ضرورت ہے جبتک اس کا بندوبست نہ ہوگا۔ دارالتجارب آراستہ نہیں کئے جا سکتے۔

سرکار عالی نے چار امیدواران مندرجہ ذیل کو وظائف تعلیم یورپ عطا فرمائے ہیں جو حضرات انگلستان جائینگے بغرض تعلیم

(۱) مسٹر محمود عالم بغرض حصول تعلیم فن انجینیرنگ (۲) مسٹر یم مقبول علی بغرض حصول تعلیم فن طب

(۳) مسٹر دلسکھ رام بغرض تعلیم فنانس و سررشتہ انجمن ہائے امداد باہمی۔

(۴) مسٹر میر سعادت علیخان تحقیقات اصول قانون (میر محبوب علی طاہر بغرض حصول فن تعلیم مشروط)

مندرجہ ذیل حضرات کی درخواستیں جب صراحت حاشیہ قرضہ جات تعلیمی عطا کئے جانیکی نسبت منظور کی گئی ہیں بشرطیکہ وہ قواعد نافذہ کے بموجب کفالت پیش کریں۔

(۱) مسٹر سید تقی بلگرامی ۔۔۔ سکہ ع (۲) مسٹر زائنجف علیخاں ۔۔۔ سکہ ع

(۳) مسٹر سید اعظم الدین حسن بلگرامی ۔۔۔ (۴) مسٹر محمد ظہور حسن انصاری ۔۔۔ "

(۵) مسٹر محمد فخرالدین مسعود (مشروط) ۔۔۔ (۶) مسٹر سید مجتبیٰ حسین نقوی ۔۔۔ "

ایرانی جرائد میں تعلیم نسواں کے مسئلہ پر نہایت سرگرمی کے ساتھ بحث جاری ہے اور اس امر پر زور دیا جا رہا ہے کہ معلمات کو شادی شدہ ہونے کے علاوہ حسب ذیل علوم سے بھی واقف ہونا چاہئے۔ فارسی۔ علوم خانہ داری۔ تربیت اطفال مقدمہ حکمت امراض اور موسیقی۔

احمد آباد میں قومی ہفتہ اطفال کی نمایش کا افتتاح عمل میں آیا۔ سیٹھ منگلداس نے افتتاحی رسم ادا کی۔ مسٹر پاکھ نے ہندوستان میں بچوں کی پرورش و نگہداشت کے متعلق جو غفلت برتی جاتی ہے اس پر ایک طویل تقریر کی آپ نے مختلف شہروں کے اعداد و شمار سے یہ بات ثابت کی کہ بچوں کی شرح اموات میں دن بدن اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور یہ نتیجہ ہے ان کی پرورش و نگہداست میں غفلت و بے پروائی کا۔

مولوی منشی امیر حسن صاحب صدر مدرس مدرسہ تحتانیہ ابراہیم پٹن تعلقہ بانات ضلع بیدر کے نے اطلاع دی ہے کہ جناب مولوی محمد حسین دوست خاں صاحب دوم تعلقدار ڈودیشرن باغات نے بتاریخ ۸ ماہ اسفندار ۱۳۳۴ف مدرسہ مذکور کا معائنہ فرمایا اور جماعت چہارم کے ایک کمسن یتیم لڑکے کو اس کی ترقی کے صلہ میں دس روپے

انعام دے دیئے جملہ طلبائے مدرسہ کے لئے سات روپیہ کی شیرینی تقسیم فرمائی۔ علاوہ اس کے ایک فٹ بال بطور عطیہ دیا۔ طلبا کے جانب سے سپاسنامہ گذرانا گیا جس میں صاحب ممدوح کے نوازشات کا ذکر کیا گیا اس کے جواب میں صاحب موصوف نے موثر اور پر معنی تقریر کی ہم مولوی حسین دوست خاں صاحب کی دلچسپی علم دوستی اور فیاضی کی داد دیتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ دیگر عہدہ دار صاحبان بھی ان کی تقلید فرمائیں گے اور امور تعلیمی سے اسی قسم کی دلچسپی کا اظہار کریں گے

تبادلہ تراضی طرفین

"اطلاع برائے مدرس صاحبان ضلع کرنگر"

مدرسہ وسطانیہ قندھار ضلع ناندیڑ کے ایک مدرس سے تا ضلع کریم نگر کے کسی مدرس صاحب ہم مواجب سے تبادلہ کے خواہاں ہیں مراسلت متہر سے کیجائے۔

المشتہر

سید ہدایت اللہ مشائخ تعلقہ قندھار ضلع ناندیڑ

اشتہارات

مفتاح التعلیم
مولفہ
سید محمد حسین صاحب جعفری بی اے (آکسن)

اردو میں پہلی کتاب ہے جس میں سلیس زبان عام فہم پیرایہ میں یورپ کے جدید ترین اصول طریقہ تعلیم کنڈرگارٹن تحریر کئے گئے ہیں اور ایسے طریقہ پر سکھلائے گئے ہیں جس کے مطابق تعلیم مدارس تحتانیہ اضلاع میں ہو سکتی ہے اس میں جابجا تصاویر دیگر مطلب واضح کیا گیا ہے قیمت فی جلد دو روپیہ سکہ عثمانیہ علاوہ محصول ڈاک۔

نوٹ ابتک دفتر رسالہ المعلم میں اس کتاب کے جتنے آرڈر آئے تھے وہ سب ہم نے سید عبدالقادر صاحب تاجر کتب چارمینار کو دیدے ہیں پس براہ کرم دوکان مذکور سے اگر وی پی مفتاح التعلیم وصول ہو تو فوراً داگذاشت فرمالیا جائے۔

یہ امر واضح رہے کہ مفتاح التعلیم کے سابقہ دو ایڈیشن ختم ہو جانے کی وجہ بروقت آرڈر کی تعمیل نہ ہو سکی۔ اب تیسرا ایڈیشن چھپ چکا ہے اس لئے اب کتب مذکور کی ترسیل میں تعویق نہ ہوگی جسقدر نسخے مطلوب ہوں سید عبدالقادر صاحب تاجر کتب چارمینار حیدرآباد دکن سے طلب کیجئے۔

وکرم اروسی
مولفہ
مولوی عزیز مرزا صاحب مرحوم

یعنی مہاکوی کالیداس کے ایک مشہور ناٹک کا مجموعہ ایک بسیط مقدمہ کے جس میں ہندو ڈراما کی تاریخ اور نوعیت پر مفصل بحث کی گئی ہے قیمت فی جلد یکروپیہ علاوہ محصول ڈاک

ہدایات برائے مدرسین
مولفہ
سید محمد حسین صاحب جعفری بی اے (آکسن)

حین معائنہ مدارس جس قدر بھی ہدایات دیجا سکتی ہیں وہ سب ایک کتاب کی صورت میں شائع کی گئی ہیں اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ اہم تریں اور معمولی ہر دو امور کے متعلق تفصیلی ہدایات درج ہیں قیمت فی جلد یکروپیہ علاوہ محصول ڈاک۔

خلاصہ تاریخ انگلستان
مولفہ
مسز فشر

ابتک اردو میں کوئی ایسی مختصر تاریخ انگلستان موجود نہیں تھی جسکے پڑھنے سے انگریزوں کے حالات معلوم ہو سکیں۔ یہ کتاب اگرچہ میٹرک کے نصاب میں داخل ہے مگر ہر شخص اس سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے قیمت فی جلد یکروپیہ بارہ آنہ سکہ عثمانیہ علاوہ محصول ڈاک۔

ملنے کا پتہ

دفتر رسالہ المعلم کوچہ چراغ علی حیدرآباد دکن

دی انڈین کوآپریو انڈسٹریل سوسائٹی لمیٹڈ دریا گھاٹ آباد کن

ہماری دوکان میں ہر قسم کی ملکی مصنوعات موجود ہیں۔ عمدہ کپڑا سوتی و اونی و ریشمی سنگار میز کا مہوگنی حاشیہ کی بنی ہوئی کھائی پائے دستیاں۔ توال چھپی ہوئی سادی چادریں وغیرہ یہ سامان ہر قسم بٹن۔ بروچ۔ ڈبیاں۔ کشتیاں وغیرہ وغیرہ چاندی کا سامان ہر قسم عطر دان پاندان سگریٹ کیس کھیل کے انعامات مثلاً کپ شیلڈ وغیرہ اشتہاری ہر قسم کا دیسی کاغذ فینسی نکل کی طرح طرح کی دوائیں کاغذ داب۔ پن ریک وغیرہ (نیم آنہ روانہ کرنے پر فہرست اشیا مع قیمت ملسکتی ہے)

ایم نظام الدین اینڈ کو مینیجنگ ایجنٹ

اخبار تعلیم لاہور

ہر قسم کے تعلیمی معاملات پر آزادانہ بحث کرنے والا مدرسین کا وکیل اور ترجمان طلبا کا معاون و مددگار افسران محکمہ تعلیم کا خیر خواہ سررشتہ تعلیم کا مشیر ہر قسم کے علمی عملی اخلاقی طبی وغیرہ مضامین کا مخزن ہفتہ وار اخبار تعلیم لاہور سے شائع ہوتا ہے قیمت سالانہ چار روپیہ ششماہی دو روپیہ آٹھ آنہ سہ ماہی ڈیڑھ روپیہ

منشی طالب علی صاحب پابند قریشی ایڈیٹر اخبار تعلیم لاہور سے طلب کیجئے

مفت — کلمہ شریف یا اپنا نام و لقب — مفت

لکھا ہوا چاول فی چاول ایک آنہ کا ٹکٹ محصول بھیجکر مفت منگا لیں

مفت۔ مفید ترین منجن دندان حسن افزا پوڈر۔ بادشاہ پسند گویائی نہ دکھائی دینے والی طلسمی روشنائی امرت دھارا بوٹ پالش بنانیکی مجرب ترکیبوں میں سے فی ترکیب ایک آنہ کا ٹکٹ بھیجکر منگا سکتے ہیں۔

نگینے۔ ہمارے یہاں اصلی عقیق سرخ کے چھوٹے سے خوشنما قیمتی نگینہ پر کلمہ طیبہ یا آیت کریمہ یا آیۃ نظر بد یا کوئی اور دعا محنت و کاریگری سے بیحد صاف اور ایسی خوشنما کھودی جاتی ہے کہ دیکھکر حیرت ہوتی ہے اصلی عقیق کا نگینہ ڈیڑھ روپیہ عہ مع نام خریدار عہ معمولی سرخ یا سبز یا آسمانی خوشنما نگینہ ۸ر۔ اگر دعا کے بجائے اپنا نام بھی کھدوائیں تو ۱۲ر۔ نام والے نگینے کیلئے ۲ر کے ٹکٹ پیشگی بھیجیں۔ جواب طلب امور کیلئے جوابی کارڈ بھیجیں رسالہ کا حوالہ ضرور دیں پتہ

مینجر کارخانہ متبرک نگینہ پانی پت پنجاب

رجسٹرشدہ پتہ سرکار عالی نشان ۲۱

جلد اول نمبر ۹

المعلم

ماہ اردی بہشت ۱۳۳۴ فصلے

ایڈیٹر..... محمد سجاد مرزا بی اے (کنٹب) صدر مہتمم تعلیمات صوبہ گلبرگہ شریف
جائنٹ ایڈیٹر.. محمد عظمت اللہ خاں بی اے مددگار محکمہ نظامت تعلیمات ملک سرکار عالی

مطبوعہ

اعظم اسٹیم پریس چارمینار

حیدرآباد دکن

قواعد

(۱) یہ محض تعلیمی رسالہ ہے جسمیں تعلیم کے مختلف شعبوں کے متعلق مضامین درج ہونگے سیاسی یا مذہبی مضامین شریک نہ کئے جائیں گے۔

(۲) یہ رسالہ ہر ماہ فصلی کے پہلے ہفتہ میں شائع ہوا کرے گا۔

(۳) پرچہ وصول نہ ہو تو ہر ماہ فصلی کی ۲۵ تاریخ تک خریدار صاحبان بحوالہ نمبر خریداری مطلع فرمائیں

(۴) جو مضامین ناقابل طبع متصور ہوں گے ان کی واپسی خرچہ ڈاک کی روانگی پر بھیجدی جائیگی

(۵) اس رسالہ کی قیمت سالانہ (ہے) مع محصول ڈاک ہے جو پیشگی لی جائے گی۔

(۶) نمونہ کا پرچہ پانچ آنہ کے ٹکٹ وصول ہونے پر ارسال کیا جائے گا۔

(۷) جوابطلب امور کے لئے جوابی کارڈ وصول ہونا چاہئے ورنہ ادائی جواب میں محبوری ہوگی

(۸) اجرت طبع اشتہارات درج ذیل ہے۔ رقم وصول ہونے پر اشتہارات طبع کئے جائینگے

تعداد مدت	صفحہ	نصف صفحہ	ربع صفحہ
ایک بار	۵	۸/۵	۸/۳
سہ ماہ	۱۵	۸/۱۵	۸/۹
شش ماہ	۲۵	۸/۲۵	۱۵
سالانہ	۴۵	۲۵	۱۵

(۹) جملہ مراسلات و ترسیل رقوم منی آرڈر وغیرہ موسومہ جائنٹ ایڈیٹر بتہ ذیل پر ہونی چاہئے

محمد عظمت اللہ خاں بی اے جائنٹ ایڈیٹر

دفتر رسالہ المعلم کوچہ چراغ علی واقع سانچہ توپ

حیدرآباد دکن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

المعلم

(۱) مواقع تعلیم جرمنی میں — ایڈیٹر — (۱ تا ۶)

(۲) مطالعہ قدرت (انیچر اسٹڈی) — مولوی سید نواب علی صاحب رضوی نور دہلوی — (۷ تا ۱۶)

(۳) ضبط و انتظام مدرسہ — مولوی ملک سردار علی صاحب بی اے۔ بی ٹی مہتمم تعلیمات ضلع نلگنڈہ — (۱۷ تا ۲۵)

(۴) تعلیمی خبریں — (۲۶ تا ۳۲)

جلد (۱) | بابتہ ماہ اردی بہشت ۱۳۳۴ف | نمبر (۹)

مواقع تعلیم جرمنی

میں

جرمنوں کے علم و فضل اور ان کے ملک کی ارزاں زندگی کا ایسا چرچا ہو گیا ہے کہ ہندوستانی طلبہ جرمنی روانہ ہو کر تکمیل تعلیم کی فکر میں مبتلا ہیں۔ سرکار عظمت مداران طلبہ کے شوق کیوجہ سے مجبور ہوئی کہ وہاں کی اعلیٰ تعلیم اور اخراجات تعلیم کے بابت تازہ ترین معلومات حاصل کرے تاکہ آئے دن کے استفسارات کا تشفی بخش جواب دا ہو سکے چنانچہ مسٹر گاسٹر کو جرمن روانہ کیا گیا تاکہ وہ ان امور کے متعلق مفصل کیفیت پیش کریں موصوف نے اپنی واپسی کے بعد جو رپورٹ لکھی ہے اس کے اہم اقتباسات جناب

نواب ناظم صاحب تعلیمات کی خاص عنایت کی بدولت ناظرین کے فائدہ کے لئے درج ذیل ہیں :-

تعلیم گاہیں | ہماری یونیورسٹیوں کے برخلاف جرمن میں انجینرنگ صنعت وحرفت وغیرہ کی تعلیم بالکل علیحدہ تعلیم گاہوں میں ہوتی ہے جنکو ٹکنکل ہائی اسکول بولتے ہیں عموماً یونیورسٹی میں چار شعبے ہوتے ہیں۔ دینیات۔ قانون۔ طب اور فلسفہ۔ تاریخ۔ جغرافیہ۔ ریاضی اور سائنس کا شمار فلسفہ کے شعبہ میں ہوتا ہے۔ چند ایسی یونیورسٹیاں ہیں جہاں سائنس کا ایک شعبہ زیادہ ہے۔ معاشیات اور سیاسیات کو قانون کے شعبہ میں شامل رکھا جاتا ہے۔

ٹکنکل ہائی اسکولوں میں متعدد شعبے ہوتے ہیں مثلاً شعبہ الکٹریکل انجینرنگ میکانیکل انجینرنگ آرکیٹیکچر کیمیا وغیرہ وغیرہ۔ زراعت۔ علم حیوانات۔ جنگلات۔ معدنیات کے لئے بالکل جدا تعلیم گاہیں ہیں۔

مدت تعلیم | یونیورسٹیوں اور ٹکنکل اسکولوں میں جنکا درجہ یونیورسٹی کے مساوی ہے تعلیمی سال دو میقاتوں (سیمسٹر) میں منقسم ہے۔ سمر سیمسٹر وسط اپریل سے وسط اگست تک ہوتا ہے اور ونٹر سیمسٹر وسط اکٹوبر سے وسط مارچ تک تعلیم کا آغاز کسی ایک میقات کی ابتدا میں ہوسکتا ہے لیکن ٹکنکل اسکول میں ترجیحاً اکٹوبر میں ہونا چاہئے

نصاب | جرمن میں بی۔ اے کی ڈگری نہیں ہوتی تکمیل تعلیم پر بعض مضامین میں سند دیجاتی ہے اور بعض میں فارغ التحصیل ڈاکٹر کا لقب اختیار کرتا ہے۔

نام مضمون وڈگری	مدت تعلیم
قانون (ڈاکٹر)	۶ سیمسٹر (تین سال)
سیات (")	" "
فلسفہ (")	" "

مضمون ڈگری	مدت تعلیم
میڈیسن (ڈاکٹر)	۶ سمسٹر (تین سال)
طب (")	۱۰ " (پانچ ")
دندان سازی (")	۸ " (چار ")
علم حیوانات (")	" " (" " ")
انجینرنگ (") سند انجینرنگ کے بعد	۴ " (دو ")
زراعت (")	۸ " (چار ")
تجارت (ڈپلوما) فرانکفورٹ اور کولون	۴ " (دو ")
انجینرنگ (") ٹکنکل اسکول کے ہر مضمون میں ایکسال کا عملی کام لازمی ہے	۸ " (چار ")

طریقہ تعلیم جرمن کی یونیورسٹیوں میں کسی مضمون کے لئے بھی کتابیں مقرر نہیں ہیں طلبہ خود اپنی ضروریات کے لحاظ سے لکچر منتخب کر لیتے ہیں اور گو تعلیم کا اسکیم طلبہ کی سہولت کے لئے بتلا دیا جاتا ہے لیکن وہ اسپر عمل کرنے کے واسطے مجبور نہیں کئے جاتے۔ ہر طالب علم اپنا مطالعہ ایک شخص کی نگرانی میں کرتا ہے جس کو ڈوزن بولتے ہیں تحریری کام پر بہت زور دیا جاتا ہے۔

امتحانات ڈاکٹری ڈگری کے لئے زبانی و تحریری امتحان ہوتا ہے تحریری امتحان کے واسطے ایک علمی درجہ کا تنقیدی مضمون لکھنا پڑتا ہے۔ بعض شعبوں میں اعلیٰ تعلیم شروع کرنے سے پہلے ایک آزمائشی امتحان کامیاب کرنا ضروری ہے جن کی فہرست یہ ہے۔

شعبہ ب۔ پانچویں سمسٹر کے بعد اور جراحی شروع کرنے سے قبل شعبہ علم حیوانات تیسرے اور چوتھے سمسٹر کے بعد شعبہ زراعت۔ چھٹے سمسٹر کے بعد

شعبہ دندانسازی - تیسرے سیمسٹر کے بعد
ٹکنکل ڈپلوما - عموماً چوتھے

داخلہ ان تعلیم گاہوں میں داخلہ اسکول کی تعلیم ختم کرنے یعنی میٹرک کا امتحان کامیاب ہونے کے بعد ہوتا ہے۔ جرمن میں دو طرح کے مدرسے ہوتے ہیں "جمنیزیم" اور "اوبر ریل اسکول" پہلے میں علوم قدیم کی تعلیم ہوتی ہے دوسرے میں علوم جدید یعنے سائنس وغیرہ کی۔ لاٹن زبان سب کے لئے لازمی ہے۔ قانون فلسفہ اور دینیات کے لئے گریک کا جاننا ضروری ہے۔

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ دوران سیمسٹر میں طلبہ عموماً داخل نہیں کئے جاتے اس لئے غیر ملک کے طالب علموں کو بہت پہلے داخلہ کی درخواست روانہ کرنی چاہئے جس میں مندرجہ ذیل امور کی صراحت بہت ضروری ہے۔

(۱) اپنی زندگی کا مختصر حال اور اپنی تعلیم کی پوری کیفیت (۲) ایک اصلی صداقتنامہ معہ جرمن ترجمے کے جس میں یہ لکھا ہو کہ درخواست گزار اپنی حاصل کردہ تعلیم کے لحاظ سے اپنے ملک کی یونیورسٹی میں داخل کیا جا سکتا ہے اور یہ کہ اسکے اسناد جرمنی کے امتحان میٹرک کے برابر ہیں۔ (۳) اگر یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہو تو وہاں کا ترک تعلیم کا صداقت نامہ روانہ کرنا چاہئے (اس کا ثبوت دینا چاہئے کہ طالب علم دوران تعلیم میں اپنے اخراجات برداشت کر سکتا ہے (۵) یہ کہ وہ زبان جرمن سے واقف ہے اور اس کی حاضری پر اس کا جرمن زبان کا امتحان لیا جا سکتا ہے۔ درخواست راست یونیورسٹی پر روانہ کرنی چاہئے۔ گو واحد کا تصفیہ کلٹس منیس ٹیرم یعنے محکمہ تعلیمات کا اختیاری ہے۔ یونیورسٹی درخواست گزار کی سفارش کر دیتی ہے۔ غیر ملکیوں کے داخلہ میں دو باتوں۔ خاص طور پر خیال کیا جاتا ہے۔ ایک تو یہ کہ جہاں داخلہ مطلوب ہے وہاں کافی گنجائش ہے

سرحد، درخواست گزار کے ملک میں جرمن طالب علموں کے ساتھ مساوی برتاؤ برتا جاتا ہے۔ اگر کوئی درخواست گزار ایسی قابلیت نہیں رکھتا کہ وہ یونیورسٹی میں داخل ہو سکے تو اس کو بطور وزیٹر (مہمان) لکچر سننے کی اجازت دیدی جاتی ہے لیکن وہ ڈگری حاصل نہیں کر سکتا۔ ہندوستانی طلبہ کے داخلہ میں زیادہ مشکل نہیں ہوتی بشرطیکہ وہ اچھی قابلیت رکھتے ہوں اور یہ یقین دلا سکیں کہ وہ جس جگہ سے آرہے ہیں وہاں جرمنوں کے ساتھ اچھا سلوک ہوگا۔ عام طور پر جرمن کی مالی حالت خراب ہو جانے کی وجہ سے بعض شعبے بند کر دئے گئے ہیں اور خود جرمن طلبہ کی کثرت کے باعث دیگر طلبہ کا داخلہ دقت طلب ہو گیا ہے۔ ایک اور مشکل یہ ہے کہ غیر ملکی طلبہ کو جرمن میں رہنے کی اجازت پولیس سے حاصل کرنی پڑتی ہے لیکن جب کوئی یونیورسٹی داخلہ پر آمادہ ہو جائے تو پولیس کی اجازت دشوار نہیں اعلیٰ اسناد والے ہندوستانی ڈاکٹر کی ڈگری حاصل کرنا چاہیں تو انکی قابلیت کو مسلمان لینے کے بعد انکے لئے کم سے کم دو سال کی حاضری لازمی ہے اور ان کا داخلہ بھی آسان ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ دارالتجارب ماہ اگسٹ اور سمسٹر میں ہندوستانیوں

قابلیت جرمن یونیورسٹی میں داخلہ کے واسطے ہندوستانیوں کو بی اے کامیاب ہونا چاہیئے۔ اگر درخواست گزار صرف ایف اے ہو تب بھی اس کو داخلے کا موقع مل سکتا ہے لیکن میٹرک کامیاب سوائے وزیٹر کے کسی اور حیثیت سے یونیورسٹی میں شریک نہیں ہو سکتا۔ ورٹمبرگ اور ہمبرگ یونیورسٹیوں میں جہاں ہندوستانی بہت کم جاتے ہیں میٹرک کامیاب کا لحاظ ممکن ہے۔ انجینیرنگ ڈپلوما کے لئے ایسال کا عملی کام لازمی ہے ہندوستانیوں کے لئے یونیورسٹی میں شریک ہو جانے کے بعد کارخانہ میں کام سیکھنا مشکل نہیں ہے۔

مختصر یہ کہ اچھی قابلیت کے ہندوستانی طلبہ کو جرمنی کی کسی یونیورسٹی میں داخلہ

کی وقت ہوگی البتہ بویریا کی یونیورسٹیاں غیر ملکیوں کی شرکت سے قدرے پرہ
کرتی ہیں اگر کوئی ہندوستانی قابل تسلیم امتحان اپنے ملک سے کامیا[ب]
تو اسکو بہت مشکل پیش آئے گی اور بہت ممکن ہے کہ ایسی یونیورسٹی میں داخلے کیلئے
اپنے ہی ملک سے کوئی مسلمہ امتحان کامیاب کرنا پڑے۔ ایک امر قابل ذکر یہ ہے کہ
اکثر ہندوستانی برلن میں تعلیم پاتے ہیں اور دیگر یونیورسٹیوں مثلاً لیپزگ اسٹنگارٹ
ہمبرگ وغیرہ میں بہت کم ہیں۔ ہر یونیورسٹی میں غیر ملکیوں کے لئے جرمن زبان
کی تعلیم کا انتظام ہے۔

اخراجات تعلیم ہر ہندوستانی طالب علم کو یاد رکھنا چاہئے کہ جرمنی میں مزدوری
کرکے اخراجات تعلیم چلانا تقریباً ناممکن ہے کیونکہ خود جرمنوں کو روٹی پیدا کرنا مشکل
ہو رہا ہے جرمنی کے بعض اعلیٰ عہدہ داروں کا خیال ہے کہ اوسط درجہ کی زندگی
کے لئے ہندوستانی طالب علم کو کم سے کم چھ ہزار پانچسو مارک سالانہ کیضرت ہے
ایک زمانہ تھا کہ تین سو سے تین پونڈ سالانہ میں گزر ہو سکتی تھی لیکن اس وقت
ایک پونڈ ڈھائی ہزار مارک کے برابر تھا۔ بہرحال بمقابلہ انگلستان جرمنی میں
بہت ہی اعلیٰ تعلیم نصف سے کم اخراجات میں حاصل ہو سکتی ہے صحیح اخراجات
کا اندازہ اس لئے مشکل ہے کہ مارک کا نرخ بہت کچھ بڑھتا گھٹتا رہتا ہے مثلاً
یکم جولائی ۱۹۲۱ء کو آٹھ ہزار مارک سالانہ کافی تھے اور ایکسال بعد اسی تاریخ کو ایسے
اخراجات کے لئے اسی ہزار مارک کی ضرورت تھی۔ یہ کہا جا سکتا ہے تخمیناً
سوا سو پیہ ماہوار کلدار میں ایک ہندوستانی طالب علم اپنا گزارہ کر سکتا ہے۔

مطالعۂ قدرت (نیچر اسٹڈی)

اگر آپ لطف زندگی حاصل کرنا چاہتے ہیں اور دل سے خواستگار ہیں کہ بچوں کے مذاق ابتدا ہی سے نفیس ہوں ان کے دلوں میں بحضور سرور پیدا ہو۔ ان میں شروع سے قدرت کی خوبصورتیوں کے مشاہدہ کی عادت جاگزیں ہوجاوے ان کی عام معلومات وسیع ہوں۔ مسرورات کے لئے تفریح طبع کے عمدہ شغل اندرون خانہ مہیا ہوسکے ہر پیروجواں کو یاد حق دلانے والی شئے ہر وقت بچوں کے ذریعہ موجود و پیش نظر رہے اور آپ کا مکان نمونہ بہشت ہو تو آپ اپنے گھر کے چمن سے نونہالوں کو ایسے سکول میں نہ بھیجئے جہاں بچوں کو کتابیں رٹوا کر محض میاں مٹھو نہ بنایا جاتا ہو بلکہ مشاہدے اور تجربے سے بچے تعلیم حاصل کرتے ہوں۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بچے شروع ہی سے سعادت مند۔ باتمیز۔ علم دوست۔ مہذب۔ خوش خلق۔ اپنے فرائض سے باخبر اور راستی پسند ہوں اور وہ بتدریج ادبار و افلاس کو قوت بازو اپنی ذاتی لیاقت و قابلیت سے زائل کرکے دنیا میں شاد کام نیکنام متمول اور فیضرسان خلق ہوں تو آپ اپنے جگر کے ٹکڑے اور ماں کے لاڈلے بچے کو ایسے سکول میں داخل کیجئے جہاں فطرت انسانی کے لحاظ کرتے ہوئے خاص طور سے

ابتدا ہی سے ایسی تعلیم دیجاتی ہو جو ہر طرح دلچسپ اور سود مند ہو۔

زمانہ قدیم سے انسان قدرت یا نیچر کا دلدادہ رہا ہے۔ انسانی فطرت کا خاصہ ہے کہ خوبصورت چیزوں کو دیکھکر دل خوش ہوتا ہے مختلف طبیعتوں کو قدرت مختلف طور پر موثر کرتی رہی ہے شاعر اور مصور اس کی خوبصورتی کے عشق میں محو رہے۔ اہل فلسفہ ان کی اصلیت اور ابتدائی وجوہات کی غور و خوض میں غرق۔ جن کی طبیعت دینداری اور معرفت کی طرف مائل ہوئی ان کو قدرت کے حیرت انگیز کرشموں نے معرفت کے راستہ پر ڈال کر اعلیٰ درجہ کی روحانیت پر پہونچا دیا۔

شعر

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

جن لوگوں نے نیچر کو ایک دقیق کتاب تصور کیا ہے جس کا مصنف حکیم علی الاطلاق ہے ان کے نزدیک ہر امر قابل غور ہے جس کی تشریح ہوتے ہوتے نیچرل فلاسفی سا وسیع علم پیدا ہو گیا۔ اگرچہ علت معلول کے بہت سے سلسلے ہماری پہونچ سے باہر ہیں تو بھی بار بار غور سے مشاہدہ کر کے ہم نے دریافت کر لیا ہے کہ فلاں شئے سے ہمیشہ ایک خاص نتیجہ پیدا ہوتا ہے اور بعض واقعات ہمیشہ ایک ہی انتظام اور ترتیب کے موافق ظہور میں آتے ہیں اسی کو قانون قدرت کہتے ہیں تغیرات اور انقلابات سماوی و حادثات ارضی سے اکثر مشاہدے اور تجربے سے ان کے اسباب و نتائج دریافت۔ یا مطالعہ فطرت اور مشاہدہ قدرت ہے۔

قانون قدرت کی واقفیت مشاہدہ قدرت۔ تجربے اور دلیل سے حاصل ہوتی ہے۔ مشاہدے اور تجربے کرنے کا طریقہ وہی ہے جو ہر ایک روزانہ کام میں لاتا ہے صرف علمی مشاہدے اور تجربے میں صحت اور صفائی زیادہ ہوتی ہے اسی میں اگر صرف بنیادی اصولوں پر چلا جاوے تو اس کا نام نیچر اسٹڈی یا مطالعہ قدرت ہے اور اس میں زیادہ تحقیقاتیں دیگر علوم مثل علم کیمیا۔ علم طبعی۔ علم ہیئت۔ علم معدنیات۔ علم نباتات اور علم حیوانات وغیرہ ناموں سے موسوم ہیں۔ یہ دفتر صنعت کردگار جس کو چھوٹے بڑے عمر بھر پڑھیں اور ختم نہو سب کے سامنے کھلا ہے۔ اپنی آنکھوں سے اسکا مطالعہ کرنا چاہیے۔ جس کو اس کا چسکا لگ جائیگا دنیا بھر کے مزے بھول جائے گا ؎

دل اگر دانا بود در ہر سخن اسرار ہست چشم گر بینا بود یوسف بہ ہر بازار ہست

پس اپنے گرد و نواح کی چیزوں کے متعلق واقفیت حاصل کرنا ان میں دلچسپی لینا اور غور و خوض کرکے درست نتائج نکالنا جس سے دماغی تربیت ہو۔ قدرت کے نظاروں اور دلچسپ کھیل تماشے و خوبصورت چیزوں کو دیکھکر لطف اٹھانے کا عادی ہونا جس سے صفائی آراستگی و باقاعدگی وغیرہ کی عمدہ عادت پیدا ہو قدرت سے محبت کرکے اور اس کے اثرات سے موثر ہوکر نیک سیرت۔ ستچار عمدہ ہونا اور قدرت کی نیرنگی وسعت و اسرار کو دیکھکر قدرت کی قدر و عظمت پیدا کرنا جس سے عجز اور انکسار آوے۔ خودپسندی دور ہوکر طبیعت روحانیت معرفت اور عشق حقیقی کی طرف مائل ہو نیچر سٹڈی یا مطالعہ فطرت اور مشاہدہ قدرت کا اصل مقصد اور مدعا ہے۔

ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ تعلیم یافتہ لوگوں کی واقفیت قدرت کی بابتہ باقاعدہ اور درست ہوتی لیکن مدرسہ کی کتابی خشک تعلیم نے اکثر کو باہر آنکھ کھولکر دیکھنے کا موقع ہی نہیں دیا

ناخواندہ زمیندار مختلف قدرتی ظہورات کی بابت تعلیم یافتہ آدمیوں کی نسبت زیادہ واقفیت رکھتے ہیں مثلاً نباتات وحیوانات کی عادات وحرکات کی بابت وہ بہت کچھ جانتے ہیں۔ ان کو معلوم ہے کدھر کی ہوا بارش لاتی ہے۔ کدھر سے طوفان آتا ہے اور کونسی ہوا بارش کو اڑا لے جاتی ہے موسموں کے تغیر وتبدل سے انہیں ہمیشہ کام پڑتا ہے۔ ریگستان کے باشندے ستاروں اور سیاروں کی گردشوں سے واقف ہیں یہانتک کہ سڑکوں کے نہ ہونے سے وہ ستاروں ہی سے راستہ اور وقت معلوم کرلیتے ہیں۔ دریا کے کنارے بسنے والے دریائی حالت سے بخوبی واقف ہیں اور پہاڑی لوگ اپنی گردونواح سے۔ بچوں کی آنکھیں اس طرح کھلنی چاہئیں کہ وہ قادر مطلق کو اس کی قدرت کے ذریعہ معلوم کرسکیں۔ جب وہ خداوند کو مرئی چیزوں کی وساطت سے محسوس کرلیں گے تو لفظ خداوند کے معنوں کو اصلی اور درست طور پر سمجھ سکتے ہیں ؎

آنکھوں والا تیری قدرت کا تماشہ دیکھے　　دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

مطالعہ قدرت۔ قدرت کا مطالعہ ہے نہ کہ قدرت کی بابت کتابوں کا مطالعہ۔ دراصل صحیفہ قدرت ہی ہر طرح کی معلومات کا منبع ہے۔ فطرت کی اصل کتاب مشاہدۂ قدرت ہے جس کے تین باب ہیں زمین ہوا اور سمندر اور ہر باب کے سیکڑوں اوراق ہیں مطالعہ فطرت کی دو شاخیں کی گئی ہیں اول شاخ میں تمام جاندار یعنے نباتات وحیوانات شامل ہیں یہ شاخ اسباق الاشیائی کہلاتی ہے دوسری شاخ اسباق الاشیاء ہے فرق یہ ہے کہ اسباق الاشیاء میں مسلسل کئی روز تک اشیاء کے تغیر وتبدل کی نسبت کا مطالعہ نہیں کیا جاتا جو نیچر اسٹڈی کا بڑا ضروری پہلو ہے نیز نیچر سٹڈی میں بچوں کو مدرسہ سے باہر اکثر لیجا کر مشاہدہ کرایا جاتا ہے۔

دوسری شاخ میں زمین وآسمان کی سب چیزیں یعنی برفستان کوہستان سے

لیکر ریگستان تک۔ زمین کی شکل وصورت نشیب وفراز بناوٹ پانی کے کھیل
ندی نالے چشمے آبشارے جھیل۔ سمندر۔ زمین کے اوپر ظہورات کرہ ہوائی بادل آندھی
مینہ وغیرہ وغیرہ اجرام فلکی یعنے سورج چاند تارے ان کی عجیب وغریب حرکات
اور زمین پر ان کے اثرات اور دیگر اردگرد کی چیزیں اور کرتب وغیرہ شامل ہیں
اسی لئے اس شاخ کو عملی جغرافیہ یا جغرافیہ طبعی کہیں گے لیکن جغرافیہ طبعی کے اصول سمجھانے
کے لئے وہ تجربے دکھانے ہوتے ہیں جو علم طبعیات میں لہذا نیچر سٹڈی کو لازمی
سائنس کا درجہ دیا گیا ہے اسی کے ساتھ ساتھ ڈرائینگ اور کنڈرگارٹن کے مشغلے
ضروری ہیں کیونکہ خوبصورتی کے مذاق کی تربیت مطالعہ فطرت کا بڑا مدعا ہے اور
وہی درستی تربیت کی جڑ ہے۔ ڈرائینگ کی جدید اسکیم میں چھپی ہوئی شکلوں کی نقلیں
کرنے کے بجائے شروع سے اصل چیزوں کی رنگدار تصویریں بنانی سکھائی جاتی ہیں
بچے مشاہدہ اور تجربہ کرکے جو اپنا اظہار خیالات کریں وہ زباندانی ہے۔ اصل میں
نیچر سٹڈی یا مطالعہ قدرت نیا تعلیمی مضمون نہیں بلکہ یا طریقہ تعلیم ہے جسمیں تعلیم کا ذریعہ
بجائے کتاب کے قدرت کو مانتے ہیں اور اس طریقے سے صرف اشیاء
ڈرائینگ۔ کنڈرگارٹن۔ جغرافیہ اور علم طبعیات ہی کی تعلیم نہیں بلکہ زباندانی تاریخ
اور ریاضی بھی پڑھا سکتے ہیں اگر کوئی شخص کسی ملک میں جاکر بسے اور اُسے وہاں کے
قانون سے واقفیت نہو تو وہ تھوڑے ہی عرصہ میں کسی نہ کسی بلا میں پھنس جائیگا
اسی طرح جو شخص دنیا پر رہکر قانون قدرت کا خیال نہیں کرتا اُسے بڑے بڑے
دکھ بھگتنے پڑتے ہیں اور اگر انسان بعض قوانین قدرت کا خیال نہ رکھے تو اسے
دس بارہ گھنٹے جینا مشکل ہوجاوے۔ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ انسان کے تقریباً
آدھے بچے کچھے۔ چلے کے اندر یا کم وبیش پانچ برس تک کی عمر میں ضائع ہوجاتے
ہیں جسکا ظاہر اسباب اُوں کی قوانین قدرت سے کمی واقفیت ہو سکتا ہے وہ

وہ بہت کم جسم کی ترکیب تازی ہوا اور صاف پانی کے فوائد وغیرہ سے آگاہ ہوتی ہیں۔ ہضم غذا کے تیار کرنے اور بنانے کو نہیں سمجھتیں اور نہ بیماری کے اسباب اور پرہیز سے واقف ہیں۔ نزلہ۔ بخار۔ کھانسی کو جو عام مرض ہیں معمولی نہ سمجھنا چاہئے مثل مشہور ہے روگ کا گھر کھانسی اور لڑائی کا گھر ہانسی۔

مدہم روشنی میں اور لیٹ کی پڑھنا مضر صحت ہے ہمیشہ روشنی کو بائیں طرف سے آنے دو۔ بائیں کروٹ سونے اور سر شمال کی طرف رکھنے سے انسان عمر طبعی کو پہونچتا ہے۔ پھولوں کی خوشبو عارضہ سل کی دافع ہے۔ مسواک کا استعمال ہاضمے اور دانتوں کے لئے بیحد مفید ہے منہ سے بدبو نہیں آتی۔ پیشاب کو روکنا برا ہے ضعف مثانہ پیدا ہوتا ہے۔ دفعتاً اندھیرے سے روشنی اور ٹھنڈ سے گرمی میں آنا جانا مضر ہے گرم پانی صبح و شام پینا بدہضمی کے واسطے نہایت مفید ہے اگر زلہ بخار نہو تو سرد اور باسی پانی رات کو سوتے وقت اور صبح اٹھتے ہی پینا قبض اور بدہضمی کو دور کرتا ہے اور دیگر امراض سے بچاتا ہے سرد پانی معدہ کو تیز کرتا ہے اور گرم پانی جگر کو۔

نونہالان وطن پر ہے جو دل آیا ہوا　　حشر تک دیکھوں نہ ارباب انہیں کملایا ہوا

بچہ بہت سی باتوں میں ایک بیج کے مانند ہے۔ بیج کی ذات میں ایسی طاقت ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ آیندہ ایک نہایت خوشنما پودہ بنجاتا ہے لیکن بیج سے پودہ کا ہونا اس کے بیرونی اسباب پر منحصر ہے۔ مدرسہ کا کام بعینہ اسی کے مانند ہے بچوں کی ابتدائی تعلیم پر آیندہ کی تعلیم کا انحصار ہے۔ اس عمر میں جو علم کا خزانہ جمع ہوجاتا ہے اور دماغ میں جو خیالات پیدا ہوجاتے ہیں وہ ایسے ضروری ہوتے ہیں کہ اگر وہ کسی طرح ملیامیٹ ہوجائیں تو پھر انسان کو ایک ہفتہ جینا محال ہوجاوے۔ مدرسہ کی تعلیم گویا ذہنی خوراک ہے اور خوراک

اس وقت فائدہ کرتی ہے جبکہ بھوک ہو بچہ خود شوق سے کھاتا اور چباتا ہو ایسے ہی تاوقتیکہ بچے میں ذہنی خوراک کے لئے بھوک یعنے شوق نہ پیدا کیا جائے تعلیم کو زبردستی ٹھونسنے سے کچھ فائدہ نہیں۔

تعلیم کی ابتداء دلچسپ طریقے سے ہونی چاہیے بچے کا زندہ اشیا سے میل ملاپ کراؤ ان کی تربیت میں اس سے مدد لو اور ان کی خیر خواہی میں شریک کراؤ جس سے جسم کی ورزش۔ جذبات کی ترقی اور ارادے کی تربیت مدنی خیالات کی بنیاد زیادہ تر ہمدردی پر ہے۔ پالتو جانوروں کی زندگی حرکات اور عادات کو بغور دیکھنے سے ذہنی اور خاصکر اُن قوی کو جو زیادہ تر بچوں میں پائے جاتے ہیں استعمال کرنے کا بہت کچھ موقع ملتا ہے۔ اسی سے انہیں دیکھ بھال کا مادہ پیدا ہوتا ہے اور قوت تحقیقات کو ترقی ہوتی ہے۔ سب سے بڑھکر اس کے ذریعہ بچے کا کارخانہ قدرت کے ساتھ میل جول ہوتا ہے اور اخلاقی تعلیم کا عنصر جو فی زمانہ مفقود ہے قائم رہتا ہے ؎

بو نہیں رنگ نہیں نور نہیں نار نہیں　　معرفت کیوں نہو دشوار الٰہی تیری

کیا خدا کی شان ہے کہ انسان کے انگوٹھے پر ہتھیلی کی طرف جو باریک خطوط ہیں وہ اگرچہ اتنی مختصر جگہ پر ہیں مگر تین چار لاکھ آدمیوں کے انگوٹھے کے نشان ملائے جائیں تو باہم یکساں نہیں ہو سکتے ہر شخص کے نشان کے چکر اور پیچ و خم جدا ہونگے۔

چشمے جس قدر گہرے ہوتے ہیں اتنی ہی اُن کے پانی کی رفتار زیادہ ہوتی ہے اتھلا پانی ہمیشہ آہستہ بہتا ہے۔ ہلکا برتن جلدی گرم ہو جاتا ہے۔ جو مادر زاد بہرا ہوتا ہے وہ گونگا بھی ہوتا ہے اور جو گونگا ہوگا وہ بہرہ ضرور ہوگا۔ سفید چیزیں سورج کی شعاعیں اپنا اثر بہت کم کرتی ہیں اور رنگین چیزیں شعاعوں کو اپنے اندر جذب کر لیتی اسی سبب سے موسم گرما میں سفید کپڑے مرغوب اور رنگین ناگوار ہوتے ہیں۔ سفید پھول

میں عام طور سے خوشبو زیادہ ہوتی ہے۔ ریشم کے کیڑوں کو اگر مختلف رنگ کے پتے کھلائے جائیں تو ان کے ریشموں کا رنگ بھی مختلف ہوتا ہے۔ ہر ایک چیز جلکر خاک ہو جاتی ہے لیکن ہیرا جلکر غائب ہو جاتا ہے بچوں کو رنگ برنگ کی اشیا کے دیکھنے کا بہت شوق ہوتا ہے غالباً وہ یہ تجربہ کر کے خوش ہوں گے کہ قدرتی رنگ صرف زرد، سرخ اور نیلا ہیں جن کو ایک تکونی بلور کی تعلم میں سے دھوپ میں دیکھ سکتے ہیں۔ ان قدرتی رنگوں کے میل جول سے طرح طرح کے رنگ پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً سرخ اور نیلا ملکر اودا۔ سرخ اور زرد ملکر نارنجی۔ زرد اور نیلا ملکر سبز رنگ بنجاتا ہے۔ یہ دوسرے درجہ کے رنگ ہیں۔ انہی کو آپس میں ملانے سے دیگر رنگ بنجاتے ہیں۔

مٹی کا تیل تو جلانے میں مشہور ہے یعنے پانی جلتا ہے لیکن دھات بھی جلتی ہے۔ میگنیشیم دھات کا لمبا تار جلاؤ تو وہ سفید ناقابل برداشت روشنی دیگا بچوں میں یہی تار بجلی کے نام سے مشہور ہے۔ غالباً لوگوں کو عام طور سے معلوم نہیں کہ شیشہ پانی میں پڑے رہنے سے نرم ہو جاتا ہے اور تیز مضبوط قینچی سے باریک شیشے کو جس طرح چاہیں کاٹ سکتے ہیں۔

مقناطیس کی خاصیت ہے کہ لوہے کو کھینچے لیکن زلزلہ آنے سے قبل یہ قوت اس کی زائل ہو جاتی ہے اور اسی پہچان سے لاکھوں جانیں تلف ہو جانے سے بچ جاتی ہیں۔ اسی طرح اگر کہیں زمین کے اندر فاسفورس یا گندھک کا الکیلائڈ ہو اور ایسی ہوا پیدا ہوتا رہے تو اس کے پھٹنے کی پہچان یہ کہی جاتی ہے کہ وہاں کے کوئیں کا پانی کم اور خشک ہونا شروع ہو جاتا ہے اور پرندے خصوصاً ابابیل وہاں گھونسلا نہیں بناتے۔

خدا کی قدرت کی کچھ انتہا نہیں انسان کہاں تک اُس کے معلوم کرنیکی

کوشش کرے۔ اتنی سی بات ہے کہ جس قدر گوشت خور اور شکاری پرندہیں انہیں خوش الحانی نہیں ہوتی اور نہ وہ کوئی راگ گا سکتے ہیں جس قدر جگالی کرنے والے جانور ہیں سب کے کھر پھٹے ہوتے ہیں۔ کوئی جانور جس کے سُم دو لخت نہیں جگالی نہیں کرتا چرندوں یا پرندجن کے کان ظاہر ہیں وہ بچے دیتے ہیں جن کے کان ظاہر نہیں وہ انڈے دیتے ہیں اور جتنے دودھ پلانے والے جانور ہیں سب کے مُنہ میں دو قطار دانتوں کی ہوتی ہیں۔ تمام جانور اپنی آنکھ خانہ چشم میں پھیر سکتے ہیں مگر اونٹ کی ساخت خدا نے نرالی بنائی ہے اسکو آنکھ پھیرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ سب کی آنکھ پر پلک یا جھلی ہوتی ہے لیکن مچھلی کی آنکھ پر کچھ بھی نہیں سب کو پانی کے اندر آنکھ بند کرنی پڑتی ہے کہ پانی اندر نہ جاوے لیکن مچھلی کو ضرورت نہیں کہ آنکھ بند کرے۔ اونٹ کے پاؤں نیچے سے بالکل نرم گدی کے مانند ہوتے ہیں اور وہ ریگستان میں اور سنگریزوں پر آسانی سے چلتا ہے اور پاؤں میں ایک بھی آبلہ نہیں پڑتا۔ برخلاف اسکے گھوڑوں کے سموں پر اسے سفر میں کئی کئی دفعہ نعل لگانے پڑتے ہیں پھر بھی وہ بعض دفعہ لنگڑے اور بیکار ہو جاتے ہیں۔ سوائے اونٹ کے سب جانور تیر سکتے ہیں۔ جن پرندوں کی ٹانگیں لمبی ہوتی ہیں ان کی دمیں عموماً چھوٹی ہوتی ہیں ؎

تری کائنات وسیع ہیں خط حد تک کوئی جا سکا
نہ نشیب کی کہیں ابتدا نہ فراز کی کہیں انتہا

ہر چیز کی نسبت علم کی واقفیت مکمل ہونی ضروری نہیں۔ صرف عام اصول آنے ضروری ہیں اس لئے نیچر اسٹڈی کے لئے نئے معلموں کی ضرورت نہیں ابتدائی جماعتوں کو اسباق الاشیا اور کنڈرگارٹن سکھانے والے۔ پہلی دوسری ڈرائنگ والے اُستاد۔ تیسری چوتھی کو جاگرفی اور پانچویں چھٹی کو سائنس ماسٹر تعلیم دیتے ہیں جس علم کو اعلیٰ درجہ کا علم کہتے ہیں وہ ہر ایک آدمی نہ ہے اور تجربے سے

حاصل کرنے کے لایق ہو سکتا ہے۔ مدرسین خود مشاہدہ کریں اور طلبا کو کرائیں ان کی رہنمائی کریں اور تجربے سے اسی علم کو حاصل کریں اور سکھائیں ایسے معلموں کو ہیڈ ماسٹر صاحبان کافی وقت تعلیم اور فرصت دیں ان استادوں کو خود مشاہدہ اور تجربہ کرنے مضامین لکھنے تشکلیں تیار کرنے تجربے تیار رکھنے مضامین کے متعلق نظمیں اور ڈرائنگ بنانے اور سجانے کے واسطے فرصت اور دماغی آرام کی بہت ضرورت ہے۔

اول مطالعہ قدرت کرانے میں ضروری ہے کہ بچوں کے ہاتھ میں کوئی کتاب نہ ہو بچے خود چیزوں کو دیکھیں اُن سے معلومات اخذ کریں کتابوں میں پڑھی ہوئی یا معلم کی بتائی ہوئی معلومات یاد کر لینا۔ مطالعہ قدرت نہیں ہے۔ مطالعہ قدرت خوب غور اور متواتر ہو بالکل صریح باتوں پر جس کو بچے خوب جانتے ہوں زور دینا فضول ہے مشاہدوں سے جو عقلی نتائج نکلوائے جا سکیں نکلوائے جائیں لیکن حد سے زیادہ باریکیوں میں نہ جانا چاہئے۔ نہ ایسا کوئی کام ہونا چاہئے جیسے چھوٹے جانوروں کا چیرنا پھاڑنا۔ مارنا بلکہ اس طریقہ تعلیم کا مدعا جانوروں سے محبت اور مہربانی کا برتاؤ کرنا ہے تیسرے مطالعہ چوں کے نقطۂ خیال سے ہونا چاہئے اور معلم کی امداد سے بچوں کی طبیعت کی جولانی۔ بیفکری۔ اُن کا چلبلاپن کھیل تماشے کے شوق وغیرہ کو دبانا نہیں چاہئے بلکہ اُن کی اُن عادتوں سے ہنستے کھیلتے کام نکال لینا چاہئے۔ مدرس کا نظمیں تیار کرنا اور کہانی بیان کرنا اس کے لئے بہت مفید ہے۔ بچے اپنے مشاہدے کاپیوں میں درج کریں تشکلیں بنائیں۔ آپس میں ان کی بابت گفتگو کریں اُستاد اُن کا معائنہ کرے اور بڑے بڑے واقعات بورڈ پر لکھے اور ان کا شوق بڑھائے۔ بچوں کو باغیچہ لگانے پالتو جانوروں کے پالنے پھول پتے سے گلدستے بنانے نمونوں کو کمرہ کے آگے رکھنے کا شوق ہونا چاہئے اس سے نیچر کے ساتھ محبت رکھنے اور آشنا ہونے کا خیال اور اُن کے رازوں سے واقف ہونے کی آرزو پوری ہوتی ہے۔ جو اخلاقی تربیت کا مدعا ہے

(سید فدا علی خیری نورولوی)

ضبط و انتظام مدرسہ

عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ جس گھر یا کارخانہ یا دوکان کا انتظام درست نہ ہو اس کے متعلقین یا ارکان کو ہمیشہ تلخ و مضر تجربے حاصل ہوتے ہیں۔ بدنظمیوں کی وجہ سے کئی ایک عظیم الشان سلطنتیں چشم زدن میں تہہ و بالا ہو جاتی ہیں اور حسن انتظام اور عمدہ اہتمام کی بدولت معمولی افراد صفحۂ ہستی پر قابل تعریف شہرت اور عظیم الشان شوکت حاصل کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں جس فرم و کارخانہ کا انتظام سلیقہ و صلاحیت سے ہوتا ہے نہ صرف اس کے کاریگروں یا کارپردازوں اور مالکان کو ہی حسب خواہش منفعت حاصل ہوتی ہے بلکہ پبلک کو بھی بیحد فائدہ پہونچتا ہے۔ گو اس لحاظ سے مدرسہ ایک کارخانہ کے مانند ہے کہ اس میں کئی ایک مختلف افراد کام کرتے ہیں مگر اس کی اہمیت کارخانہ سے بدرجہا زیادہ ہے۔ کسی کارخانہ کے کاریگروں کو صرف روزانہ کام سے ہی سروکار ہوتا ہے اسی روز کی اجرت حاصل کرکے دوسرے روز بخوشی کنارہ کشی حاصل کر سکتے ہیں مگر مدرسہ کے معلمین و متعلمین کا کام بالکل جدا و علیحدہ ہے۔ ہر ایک دن کا کام آپس میں اس طرح مربوط و مبسوط ہوتا ہے جیسا کہ کسی عمارت کے اینٹ یا پتھر ایک دوسرے سے وابستہ ہوتے ہیں یہاں آج کا کام کل کے کام کے لئے بنیاد کا کام دے گا نہ صرف یہی بلکہ مدرسہ کی اہمیت اس لحاظ سے بھی بالکل جداگانہ ہے کہ اس میں مادی اشیاء کی تشکیل کے بجائے ذی روح ہستیوں کی تربیت و تادیب پیش نظر ہوتی ہے اس طرح ضبط و انتظام مدرسہ کی اہمیت نہ صرف اس خیال سے ہی کہ مدرسہ کا کام بوجہ احسن انجام پا سکے زیادہ ہے۔ بلکہ اس لحاظ سے بھی ضروری ہے کہ اس ضبط و انتظام میں تربیت و تادیب کا مدعا حاصل ہوتا ہے

علاوہ ازیں یہ امر بھی قابل امتیاز ہے کہ ضبط مدرسہ کی بنیاد جبر و تشدد کے بجائے مہر و محبت پر ہوتی ہے۔ طلبہ کی مرضی کو دخل دئے بغیر کسی قسم کا انتظام ناممکن ہے۔ صدر مدرس ایک کمانڈر افسر کے مانند نہیں ہے بلکہ ایک قافلہ سالار کی حیثیت رکھتا ہے اس کے بہترین ضبط و انتظام کا نتیجہ ہونا چاہئے کہ مدرسہ کی چار دیواری کے اندر حسب گنجایش و وسعت مکان معلمین و متعلمین بوجوہ احسن و بکمال رغبت مقررہ کورس (علمی اخلاقی و جسمانی) وقت مقررہ میں ختم کرلیں۔

قبل اس کے کہ ہم اس طویل مضمون کو چھیڑیں مناسب ہوگا کہ ایک عام غلط فہمی کو رفع کردیا جائے جس کی وجہ سے ہمارے اکثر مدارس میں خصوصاً ان ٹرینڈ حضرات کی عدم واقفیت کی وجہ سے ضبط مدرسہ پر بضرورت بارڈالا جاتا ہے ضبط مدرسہ سے یہ ہرگز مراد نہیں کہ تمام چست و طرار اور آزاد بچے اوقات مدرسہ میں سہم کر گھنٹوں ایک ہی جگہ بیٹھے رہیں اور معلم کے آنے پر سر سے پاؤں تک لرزہ کھائیں۔ بعض اوقات ضبط پر اس قدر زور دیا جاتا ہے کہ مدرس صاحب بچے کی معمولی سی حرکت پر بھی بیساختہ برہم ہوجاتے ہیں معلم کو یہ نہیں خیال کرنا چاہئے کہ وہ ایک حاکم یا افسر فوج کے مانند ہے۔ اسکا انتظام جبر و تشدد سے بالکل مبرا اور ظلم و تعدی سے بالکل معرا ہے۔ اُسے ترغیب و تحریص۔ تادیب و تہدید اور باہمی مشاورت سے کام لینا پڑتا ہے اس کے انتظام میں یہ خوبی ہونی چاہئے کہ مدرسہ کے ہر شعبہ کا کام بلا کسی جبر و تعدی کے بوجوہ احسن انجام پائے طلبہ اسکی موجودگی میں ایسی ہی خندہ پیشانی، فراغت اور مسرت کے ساتھ مصروف بکار رہیں کہ جس طرح وہ اپنے کھیل کے میدان میں کپتان کے زیر سرکردگی مصروف بازی ہوا کرتے ہیں اور اُس کی عدم موجودگی میں بیجا و ناگوار حرکات و افعال سے اسی طرح گریز کریں کہ گویا وہ برسر اجلاس جماعت میں موجود ہے۔

بتقاضائے طفلی ابتدا میں اکثر ابتدائی جماعتوں کے بچے اپنے فرائض کا احساس نہیں کر سکتے اس لئے چار و ناچار انہیں کسی حد تک مجبور ہی کرنا پڑتا ہے مگر اس مجبوری کا عمل اسی مہر و محبت کے ساتھ ہونا چاہیے جس طرح کہ ماں اپنے بچے کو آگ چھونے سے باز رکھتی ہے۔ اس طرح ضبط قائم رکھنے سے بچوں کو اطاعت۔ ادب و احترام توجہ۔ فہم و ادراک تمیز و شعور اور استقلال کی اطمینان بخش تربیت ہوگی۔ اور بدنظمی۔ سرکشی۔ نافرمانبرداری بے توجہی اور کاہلی کو نفرت کی نگاہوں سے دیکھینگے بدیں لحاظ کہ ضبط مدرسہ قائم رکھنے میں طلبہ کی مرضی و خوشی کا مناسب پاس رکھا جائے ضروری ہے کہ ضبط کے قواعد و اصول خواص طفلی پر مبنی ہوں۔ چنانچہ اسی خیال سے مصلحان تعلیم تربیت فطرت پر زور دیتے ہیں۔ پس ضبط مدرسہ میں خواص طفلی کا مکمل طور پر لحاظ ہونا چاہیئے اور ایسا کوئی کام مدرسہ میں نہ لیا جائے، جو بچے کی فطرت کے خلاف ہو۔

الف فطرتی چستی و طراری:۔ بعض مدرسین گھنٹوں ایک ہی جگہ بچوں کو بٹھا کر بیزار کر دیتے ہیں اور اس طرح سے وہ بے قراری و بے توجہی کا اظہار کرتے ہوئے ضبط سے باہر ہو کر خلاف منشائے مدرس بیجا حرکات میں مشغول ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہاتھوں یا پاؤں کا ادھر اُدھر ہلانا۔ قریب کے ہم سبق طلباء سے چھیڑ چھاڑ کرنا یا بلا وجہ کسی مصنوعی عذر سے جماعت یا مدرسہ کے باہر چلا جانا آدی بیزاری کے علامات ہیں۔ بچہ فطرتاً چستی و طراری کو پسند کرتا ہے اسے موقع دیا جائے کہ قوائے جسمانی یا دماغی کا مناسب آزادی کے ساتھ استعمال کرے۔ بعض حضرات اوقات تدریس میں جملہ مشکلات کو خود ہی حل کر دیتے ہیں اور طلباء کو صرف اُستاد کے بتائے ہوئے الفاظ، زبان سے ادا کرنے پڑتے ہیں۔ اس طرح سے ذاتی غور و خوض اور خود اعتمادی کی عادت مفقود ہو کر قوائے دماغی بالکل معطل

ہو جاتے ہیں یا شرارت و بدی کی جانب رجوع ہوتے ہیں بچے اپنی طاقت و قدرت کے اظہار کے بیحد شایق ہوتے ہیں جہاں تک ہو سکے انہیں طاقت آزمائی کے کافی مواقع مدرسہ میں دیئے جائیں انتظامی امور میں معمولی فرائض مثلاً انتظام دار المطالعہ۔ ترتیب باغیچہ۔ صفائی و نگہداشت بازیگاہ۔ نگرانی دار الاقامہ۔ گراہمی اشیاء برائے سبق الاشیاء یا عجائب خانہ مدرسہ۔ منتقلی و اصلاح کتب شقی وغیرہ وغیرہ میں جہاں تک ممکن ہو سکے انہیں حصہ دیا جائے مگر اس امر کی خاص طور پر نگرانی رکھی جائے کہ کوئی غلط راستہ اختیار نہ کریں ایسے کاموں کی جانچ پرداخت کلاس ماسٹر صاحبان کو کرنی چاہیئے تاکہ خرابی کا فوری انسداد ہو سکے۔

(ب) عجب و حیرت:۔ عجائبات قدرت سے بہت کم واقفیت رکھتے ہوئے ایک نو وارد کی حیثیت سے بچہ ہر چیز کو استعجاب و حیرت کی نگاہوں سے دیکھتا اور اس کی اصل ماہیت و حقیقت سے واقف ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ مدرس کو چاہیئے کہ اس خاصیت طفلی سے کما حقہ فائدہ حاصل کرے۔ غور و خوض کیساتھ مشاہدہ کروا کر قوائے عقلیہ کو بیدار کرے اور کبھی استعجاب و حیرانی کو جو اس طرح پیدا ہو جلد رفع کرنے کی کوشش نہ کرے بلکہ اسے اپنا مطمح نظر قرار دینا چاہیئے کہ طلبا خود بخود پردۂ استعجاب کو دور کر کے راہ حقیقت پر چلنے لگیں اور اپنی مشکلات کو خود حل کر کے ذوق سلیم سے بہرہ ور ہوں۔

(ج) تقلید:۔ بچوں میں تقلید کا مادہ حد سے زیادہ ہوتا ہے جو بات کہ وہ دوسروں میں پسندیدہ پاتے ہیں فوراً اسے اختیار کر لیتے ہیں۔ خصوصاً اپنے بزرگوں اور استادوں کے افعال و حرکات کی پیروی کرنا اپنے لئے باعث فخر سمجھتے ہیں اس لئے مدرس کو چاہیئے کہ پند و نصائح پر زیادہ زور دینے کی بجائے ہر اصلاح

لئے اپنا نمونہ پیش کرے اگر وہ چاہتا ہے کہ اُس کے طالب علم صفائی و پاکیزگی کا لحاظ رکھیں تو اُسے چاہئے کہ خود صاف ستھرے کپڑے رکھے راستبازی و صداقت میں اپنا ذاتی نمونہ پیش کرے ایسی بیجا دھمکی کا ہرگز استعمال نہ کرے جس کے پورا کرنیکا ارادہ نہ ہو ورنہ طلبہ وعدہ خلافی کے عادی ہو جائیں گے اور اُن کے روبرو افسران بالا کی تعظیم و تکریم بجا لا کر انہیں قواعد ادب و احترام سے واقف کرے۔

(۷) جذبۂ خوف و ہراس:۔ عام طور پر مدارس میں ضبط قائم رکھنے کے لئے اس خاصیت طفلی سے ہی بیجا طور پر زیادہ کام لیا جاتا ہے اس میں شک نہیں کہ کسی حد تک خوف دلانا بھی ضروری ہے مگر نہ اس قدر کہ طلبہ وحشت زدہ ہو کر دوسرے روز مدرسہ آنے کا نام ہی نہ لیں۔ مار پیٹ کے ہراس کی بجائے بدنمائی بے وقعتی اور الزام بزدلی کا خوف دلایا جائے تو زیادہ مناسب و مفید ہوگا۔ سبق یاد نہ کرنے پر درجہ گھٹانا۔ دروغ گوئی پر اعتماد سے محروم کرنا اور کپڑوں و کتابوں کی غلاظت کے متعلق بدنمائی و تنفر کا اظہار کرنا بے حد موثر ثابت ہوتا ہے

(۸) باہمی رشک:۔ بچے دوسروں پر سبقت لیجانے کے از حد متمنی ہوتے ہیں اس لئے جب کسی طالب علم کو صفات حمیدہ اور عادات پسندیدہ کی جانب رجوع کرتے پائیں فوراً داد دینی چاہئے تاکہ اُس کی حوصلہ افزائی ہو اور دوسروں میں بھی ایسی داد کے حاصل کرنے کا رشک پیدا ہو۔ مگر ایسا کرنے میں بیحد احتیاط کی ضرورت ہے کسی طالب علم کی تعریف و توصیف اس قدر زیادہ نہ ہونی چاہئے کہ دوسرے حسد کرنے لگیں بلکہ ایسی فراخدلی کا اظہار کر سکیں کہ معلم سے زیادہ خود داد دینے پر آمادہ ہوں اور پہلے سے زیادہ اُس کی عزت و توقیر کریں جو طالب علم پہلے ہی سے اپنے خاص حالات کے نظر کرتے دوسروں کی نگاہوں میں بہت کم وقعت رکھتا ہو اُسے ایک دم بڑھانا دوسروں کے لئے باعث قلق ہوگا۔

مدرس کو چاہئے کہ ایسی توقیر میں تدریج کا قصور خیال رکھے بلکہ ہمیشہ اس امر کی کوشش کرے کہ اس کے اظہار کے قبل ہی اس میں ایسی توقیر پیدا ہو جائے۔

(د) جذبۂ احترام معلم:۔ طلبہ عام طور پر مدرس کو سب سے زیادہ واجب الاحترام اور عظیم الشان ہستی تصور کرتے ہیں مدرس کو بھی چاہئے کہ یہ قدرتی ادب و لحاظ اور عجب و وقار بحال رکھنے کی کوشش کرے اور طلبہ کے روبرو اس سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو جس سے سبکی ہو اور ان کی نظروں سے گر جائے اس کی گفتار و رفتار میں کوئی ایسا نقص نہ ہو کہ طلبا انگشت نمائی کر سکیں۔ اس کی ذاتی شہرت ان کے لئے باعث فخر ہو۔ اوقات تدریس میں اس سے کوئی ایسی صریح فروگذاشت یا غلطی نہ ہو کہ ان کی نظروں میں اس کی علمیت مشتبہ پائی جائے الغرض اس کی زبردست شخصیت۔ وسیع واقفیت۔ اور فاضلانہ علمیت کے ہمیشہ قائل رہیں۔

(ز) جذبۂ حسن و قبیح:۔ ہر فرد بشر فطرتاً اچھی چیزوں کی جانب زیادہ مائل ہوتا ہے بچے بھی خواہ مخواہ اچھی کے بیحد شائق ہوتے ہیں۔ عمدہ اور مرغوب خاطر اشیاء کو کسی طرح بھی حاصل کرنے کی دھن میں رہتے ہیں۔ مدرسہ میں بھی اگر اس جذبہ کی تربیت عمدہ طریقہ پر کی جائے تو بیحد مفید نتائج برآمد ہوں گے نشستوں و فرنیچر کی پسندیدہ تربیت سے بخوبی سلیقہ و قرینہ سیکھ سکتے ہیں مرغوب و دلکش تصاویر و قطعات سے کمرۂ جماعت کو آراستہ کیا جائے تو ڈرائنگ و خطاطی میں نہایت شوق و دلچسپی کا اظہار کریں گے اور کمرہ کی صفائی کو ملحوظ خاطر رکھیں گے اسی طرح دار المطالعہ کے پیش کی تربیت اور باغیچہ میں پھولوں و پودوں کے انتخاب و فراہمی میں ان سے بیحد امداد ملنے کے علاوہ باغبانی کی جانب زیادہ شوق سے متوجہ ہوں گے۔

(ح) سزا و جزا:۔ جس طرح کہ خصائل حمیدہ اور افعال پسندیدہ کی ترویج و اشاعت

کے لئے تعریف وصلہ ضروری ہے اسی طرح ناپسندیدہ افعال اور قبیح عادات کی مذمت اور زجر تمام کے لئے انسداد و تدارک بھی لازمی ہے دنیا میں تو کیا بارگاہ ایزدی میں بھی سزا و جزا کا وجود لازمی قرار دیا گیا ہے۔ گو دنیا میں نیک و بد کی سزا و جزا زیادہ تر قدرت سے ہی مل جاتی ہے تاہم سوسائٹی و قوم بھی مذموم جرائم کو نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھتی اور حسب ضرورت سزا و جزا کا تعین کرتی ہے اس لئے مدرسہ کی چار دیواری میں بھی سزا و جزا کا ہونا بیشک ضروری ہے خواہش صلہ یا انعام :- جیسا کہ اوپر ظاہر کیا گیا ہے کسی نیک اور ستودہ کام کیلئے انعام یا صلہ کا دینا ضروری ہے۔ مگر مدرسہ میں نہایت احتیاط کے ساتھ اس کا استعمال ہونا چاہئے انعامات اوسی حد تک اور ایسی تدابیر سے دیے جائیں کہ باہمی حسد و بغض نہ پھیلنے پائے تاکہ ایک کی حوصلہ افزائی کرنے میں متعدد طلبہ تنگ ظرفی کا شکار نہ ہو جائیں بلکہ اپنے ہم سبق اور ہم سن کو انعام سے سرفراز ہوتے دیکھکر سب طلبہ خوشیاں منائیں۔ اور اس وصف میں رہیں کہ وہ بھی اس عزت افزائی سے بہرہ ور ہوں۔

انعامات ایسی باقاعدگی اور پابندی کے ساتھ نہ دیے جائیں کہ طلبہ کے لئے کسی نیک کام کے کرنے میں رشوت کا کام دیں گویا کہ طلبا کسی نیک کام کو محض حصول صلہ یا انعام کی خاطر ہی کرنے لگیں اور نیکی کی جبلی خواہش مردہ ہو جائے بلکہ ایسے اچانک طور پر انعامات کا اعلان کیا جائے کہ کام کرنے والے کچھ عرصہ بعد ہی انعام یا بندگاں اس سے واقف ہوں۔ اکثر مدارس میں یہ طریقہ قابل اعتراض دیکھا گیا ہے کہ ابتدائے سال میں ہی اس امر کا اعلان کر دیا جاتا ہے کہ سب سے اچھے حاضر باش طالب علم کو نام انعام ملیگا پس جملہ طلبہ محض اس انعامی گھڑی یا قلمتراش یا دوات کی خاطر ہی حاضری کی پابندی کرتے ہیں۔

اکثر اوقات تقسیم انعامات میں سراسر بے انصافی برتی جاتی ہے۔ صرف انہیں طلبہ کو انعامات ملتے ہیں جو فطرتاً ذہین اور ہوشیار ہوتے ہیں اور وہ طلبہ جو جان توڑ کوشش کرنے کے باوجود بھی ایسے قدرت کے اجارہ داروں کو شکست نہیں دے سکتے محروم رہ جاتے ہیں۔ مدرسہ میں ہمیشہ سعی و کوشش کیلئے انعام دلایا جانا چاہئے اور ہر طالب علم کی ذاتی قابلیت و ذہانت کے نظر کرتے اس کی ممکنہ کوشش و سعی کا اندازہ کرنا چاہئے ورنہ تقسیم انعامات کا جو حقیقی مقصد ہے فوت ہو جاتا ہے۔

متذکرہ بالا نقائص کے رفع کرنے کے لئے یہ ضروری اور مفید ہوگا کہ مادی یا قیمتی اشیا حتی الامکان انعامات کے طور پر نہ تقسیم ہوا کریں۔ بلکہ زیادہ تر اعزازی مراتب و خطابات سے ہی کام لیا جائے مثلاً :-

(۱) حسب موقع اور بلحاظ طبائع تعریف اور توصیف سے دل افزائی ہونی چاہئے کسی سپاہی کے لڑکے کو راست گفتاری پر یا کسی بقال کے لڑکے کو صحیح طور پر پیچیدہ سوالات کے حل کرنے پر آبائی صفت سے موسوم کر کے اسے سراہا جائے تو اس کے لئے باعث فخر و توقیر ہوگا۔

(۲) نشستوں کے مدارج قائم کئے جا کر مستحق اور کوشش کرنے والے طلبہ کو ترقی دیجائے مگر یہ عمل روزانہ کرنے کی بجائے ہفتہ واری یا ماہواری ہونا چاہئے تاکہ ایسے مدارج کی وقعت کچھ عرصہ تک بحال رہے۔

(۳) محنت و کوشش کے لئے نمبر دیئے جا کر مقابلہ کیا جائے اور ہفتہ واری یا ماہواری فہرستیں جماعتوں کے اعزازی بورڈ پر چسپاں کی جائیں ایسے طلبہ جو شاندار اخلاقی جرات کے لئے مستحق صلہ قرار پائیں ان کا نام جلی حروف زرین یا سرخ میں کمرۂ جماعت کی نمایاں جگہ مثلاً اجلاس مدرس کے قریب

دیوار پر لکھا جائے۔

(۴) ہوشیار اور تیز طلبہ کو ایسے باوقعت عہدوں سے ممتاز کیا جائے جو دوسروں کیلئے قابل رشک ہوں۔ مثلاً مانیٹر، کیپٹن، منتظم دارالمطالعہ، مہتمم باغیچہ وغیرہ وغیرہ۔

(۵) تمغہ جات بہت شاذ صورتوں میں ہی استعمال ہونے چاہئیں۔ سونے اور چاندی کے تمغہ جات مضرت رساں ثابت ہوں گے۔

الغرض جملہ انعامات میں یہ امر ملحوظ رہے کہ طلبہ انعام کو محض انعام کی خاطر حاصل کرنے کی کوشش نہ کریں اور انعامی اشیاء کی ذاتی قیمت یا وقعت کا کچھ خیال نہ کرنے پائیں مادی اشیاء بطور انعام استعمال کرتے وقت چند قواعد کی پابندی کرنی چاہیئے۔

اولاً ایسے انعامات حتی الامکان بہت کم دئے جائیں۔

(۲) ایسے انعامات کے متعلق کسی طالب علم کو اپنی دسترس سے باہر خیال نہیں کرنا چاہیئے مثلاً کسی جماعت میں ہائی جمپ کے متعلق انعام دیا جائے اور اُس جماعت میں بعض طلبہ اپنے ہم جماعتوں کی نسبت بہت چھوٹی عمر و قد کے ہوں تو یقیناً وہ اپنے کو اس عزت کے قابل خیال نہ کریں گے اور حصول انعام کیلئے کسی قسم کی کوشش کرنا بیکار سمجھیں گے۔

(۳) بہت معمولی کاموں کیلئے ایسے انعامات نہ دئے جائیں ورنہ اُنکی کوئی وقعت نہ رہیگی

(۴) جملہ طلباء کو اس امر کا یقین و احساس ہونا چاہیئے کہ انعامات بے رو و رعایت تقسیم کئے گئے ہیں۔

(۵) کام کرنے سے پہلے انعامات کا اعلان نہ ہونا چاہیئے مثلاً بہترین مضمون نگار کے لئے مدرسہ کی جانب سے (ص) انعام کا اعلان قبل از قبل کر دینا بلحاظ عمومی تربیت اخلاقی مضرت رساں ہوگا۔

(۶) معمولی اخلاقی فرائض مثلاً صفائی یا ایمانداری راستہ گفتاری وغیرہ کیلئے کسی قسم کا انعام نہ دینا چاہیئے تاکہ طلبہ ان صفات کو نیچرل تصور نہ کرنے پائیں۔ (باقی آئندہ)

تعلیمی خبریں

صوبہ جات متوسط برار کی تعلیمی رپورٹ بابتہ ۱۹۲۳-۲۴ء شائع ہوگئی ہے مسٹر آر۔ ایچ بیکٹ سکرٹری گورنمنٹ صوبجات متوسط رپورٹ پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ یہ سال صوبہ کی تعلیمی تواریخ میں بے نظیر رہا۔ ناگپور یونیورسٹی اور بورڈ آف ہائی ایجوکیشن کے قیام سے صوبہ کی تمام تعلیمی ذمہ داریاں صوبائی ہاتھوں میں آگئی ہیں یہ امر تسلی بخش ہے کہ اس سال تعداد طلبا میں ۱۲۰۹۰ کا اضافہ ہوا ہے۔ ابتدائی مدارس میں بھی تعداد طلبا میں اضافہ ہوا ہے۔ اور اس اضافہ کی وجوہ یہ بتائی گئی ہیں کہ تحریک عدم تعاون ناکام رہی اور اقتصادی حالات بہتر ہوگئے تعلیمی مصارف بھی پچاسی لاکھ تراسی ہزار روپیہ سے اٹھاسی لاکھ پینتیس ہزار سات سو پینتیس تک پہنچ گئے۔ اس اضافہ میں ساٹھ فی صدی رقم صوبائی مالیہ سے وصول ہوئی۔ اوسط مصارف فی طالب علم کم ہو کر انیس روپیہ چار آنہ کی بجائے اٹھارہ روپیہ پانچ آنہ ایک پائی رہ گیا۔

(رفیق التعلیم)

سررشتہ تعلیم ریاست میسور انتظامی رپورٹ بابت سال گذشتہ شائع ہوئی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ گورنمنٹ کی مدبرانہ پالیسی کی بدولت ریاست کل ماتحندے کس طرح بالحاظ قوم وملت ان مستفید ہو رہے ہیں۔ بہ نسبت

سالہ ۷ سابق سال زیر رپورٹ میں ریاست کی رفتار تعلیمی میدان عمل میں تیز رہی امید ہے کہ آئے دن کی نت نئی ضروریات کا لحاظ کرتے ہوئے آئندہ بھی مستقل طور سے اس شعبہ میں ترقی ہوتی رہیگی تاکہ ملک سے جہالت کی تاریکی دور ہو اور آفتاب علم کی شعاعوں سے ملک کا گوشہ گوشہ منور ہو۔ اس سال سرکاری و غیر سرکاری مدارس کی جملہ تعداد ۸۷۹۲ سے ۹۰۰۵ تک پہنچ گئی جن میں تعلیم پانے والے طلباء کی تعداد ۲۸۷۷۹۴ سے ۳۰۳۹۲ تک بڑھ گئی۔ گویا ہر ۲۴ مربع میل کے لئے یا ہر ۴۵۶ باشندوں کے لئے ایک مدرسہ تھا اس حساب سے یہ پتہ چلتا ہے کہ فی صدی ۵۵ سے کچھ زیادہ لڑکے اور ۴ سے زیادہ لڑکیاں زیر تعلیم تھیں۔ اس حساب سے ریاست میسور کے ہر ۱۶ باشندوں میں سے ایک لڑکے کا زیر تعلیم رہنا پایا جاتا ہے۔ یہ تناسب برٹش انڈیا کے اکثر حصص سے بھی زیادہ ہیں۔ یونیورسٹی کے مصارف کے علاوہ سررشتہ تعلیم کی طرف سے ۴۴ لاکھ ۹۰ ہزار روپے خرچ ہوئے سال سابق میں ۴۲ لاکھ ۶۴ ہزار روپے صرف ہوئے تھے اس حساب سے آبادی کے ہر فرد پر بحساب اوسط ۱۲ پائی خرچ ہوئے سال سابق میں صرف ۱۱ را ۱۱ پائی خرچ کئے گئے تھے۔

۸۔ اضلاع میں سے صرف ۵ اضلاع سے تعلیمی ٹیکس وصول کیا گیا اس مبلغ کے علاوہ گورنمنٹ کی طرف سے بھی گرانٹ دئے جانے کے بعد ۶۴۴ امدادی مدارس سرکاری بنائے گئے۔ ۱۲۷ نئے مدرسے کھولے گئے اور ۶۴ پرائمری مدارس ان کمبائنڈ مڈل اسکول کے درجے پر پہنچا دئے گئے۔ اور ۴۶ انگلش مڈل سکولز سے پکے مڈل اسکول بنا دئے گئے دیگر تین اضلاع کی تعلیمی ترقی تعلیمی سیس کے وصول نہ کرنے کی وجہ سے سست رفتار رہی ہوئی رہی ۹ کالجیٹ ہائی اسکولوں میں ۵ سرکاری اور ۴ امدادی۔ ۷ امتحانات کے نتائج اور

کی عام حالت تشفی بخش تھی۔ ہائی اسکولوں کی تعداد ۱۹ سے ۲۱ تک پہنچ گئی جن میں ۶۶۳۹ سے ۷۰۱۰ لڑکے زیر تعلیم تھے جملہ ۲۲۵۰ لڑکے امتحان میں بیٹھے جس میں سے ایکہزار ۳۴ لڑکے کامیاب ہوئے، گویا فی صدی ۴۶ لڑکوں نے اس امتحان میں کامیابی حاصل کی۔ مڈل اسکولوں کی حالت بھی اطمینان بخش رہی۔ مڈل اسکولوں کی تعداد ۹۳ تھی جن میں ۲۰۶۹۷ لڑکے زیر تعلیم تھے۔ ان کمپلیٹ مڈل اسکولوں کی تعداد ۳۱۳ تھی جن میں ۶۹۱۲ لڑکے پڑھ رہے تھے امتحان لور سکنڈری کے لئے ۴۵۹۲ لڑکے داخل ہوئے جن میں سے فی صدی ۴۹٫۴ کامیاب ہوئے سال سابق میں فی صدی ۵۴٫۲ لڑکے کامیاب ہوئے تھے۔ ہماری رائے میں لور سکنڈری کے نتائج تشفی بخش نہیں ہیں۔ گویا نصف سے زیادہ طلباء کی امیدوں کا خون ہوگیا ہے اس لئے ابتدائی امتحان کے نتائج میں کسی قدر کشادہ دلی اور فراخ حوصلگی سے کام لیا جانا بہتر ہوگا۔

پرائمری تعلیم کے متعلق یہ کہنا ہے کہ پرائمری مدارس کی تعداد ۶۵۰۴ تک پہنچ گئی جن کے طلباء کی تعداد ۱۹۶۳۵۹ سے ۲۰۹۳۱۸ تک بڑھ گئی جنمیں ۱۷۶۳۰ لڑکیاں بھی شامل ہیں جو زیر تعلیم ہیں۔ بچوں کی تعداد اکثر ادنےٰ جماعتوں میں زیادہ پائی جاتی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ادنےٰ جماعتوں کے بچوں کی تعلیم پر خاص توجہ کی ضرورت ہے انسپکٹر جنرل صاحب کو گورنمنٹ نے ہدایت فرمائی ہے کہ احکام جاری کریں کہ انسپکٹران مدارس خاکر جماعت اطفال پر زیادہ توجہ کرکے اس نقص کو دور کریں۔

بالغوں کی تعلیم ۲۴۰ مرکزوں میں جاری رہی جن میں ۳۲۹۱ طلباء زیر تعلیم رہے سال رواں میں ان کی تعلیمی پیمائش سے یہ نتیجہ نکلتا ہوا کہ دیہات میں نئے مدارس کے کھولنے

کی ہت کچھ ضرورت ہے اگر وکل باڈیان مالی امداد دیں تو یہ کام بآسانی انجام پاسکتا ہے ریاست میں ٹریننگ سکولز تھے جن میں ۱۶۰۱ اساتذہ زیر تربیت تھے ۱۸ انڈ شریک سکولز تھے جن میں انجینئرنگ سکول بھی شامل ہے جن میں ۱۰۱۸ طلباء زیر تعلیم تھے جملہ ۴۷ سنسکرت مدارس تھے جن میں ۱۶۳۶ لڑکے پڑھ رہے تھے سنسکرت کی تعلیم میں ایک اہم اصلاح سال زیر رپورٹ میں کردی گئی ہے جس کی رو سے ہر مذہب و ملت کے طلبا ان مدارس میں شریک ہوکر سنسکرت کی تعلیم سے بہرہ ور ہوسکیں گے۔ گورنمنٹ نہایت دلچسپی کے ساتھ اس امر پر نگاہ رکھے ہوئے کہ اس اصلاح سے اعلیٰ سنسکرت کے تعلیم کی تحصیل سے رعایا کہاں تک مستفید ہوتی

اس سال تعلیم نسواں میں بھی خاطر خواہ ترقی ہوئی۔ مدرسہ جانے والی لڑکیوں میں سے سالگذشتہ فی صدی ۴۲، ۱۲ لڑکیاں زیر تعلیم تھیں سال رواں میں ۱۴، ۱۳ لڑکیاں تعلیم پارہی ہیں زنانہ مدارس کی تعداد ۱۷ تھی جن میں ۷۷۵۹ لڑکیاں تعلیم حاصل کررہی تھیں انگریزی ہائی اسکولوں میں لڑکیوں کی تعداد ۱۸۲ تھی تعلیم نسواں پر جملہ مصارف ۵۲۰۰۰ ہزار ہوئے جس میں سیٹ فنڈ کی طرف سے ۲۲۹۰۰ ہزار روپے دیے گئے۔

مسلمان طلباء کی تعداد مختلف مدارس میں ۲۸۸۴۵ سے ۴۱۵۰۹ تک بڑھ گئی (الحمد للہ) ریاست کے اقوام ارذل کی درسگاہوں کی تعداد ۵۸۲ سے ۵۹۱ تک پہنچ گئی۔ اور دیگر پبلک سکولوں میں داخل کرنے کے خلاف لوگوں نے پہلے بلند صدائے احتجاج بلند کی تھی لیکن اب یہ کوتاہ نظری کم ہوتی جارہی ہے اور درسگاہوں میں اقوام ارذل کے طلباء کی تعداد ۲۹۴۲۹ تھی یعنے بہ نسبت سال ماسبق سال رواں میں ۳۵۹ طلباء زیادہ داخل مدارس ہوئے

ان تمام اہم کارروائیوں کی انجام دہی پر ہز ہائینس بے حد مسرور

صاحب بی۔ اے۔ آئی۔ جی۔ آف ایجوکیشن کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ آپ
دوران حکومت میں سررشتہ تعلیم نے بہت کچھ ترقی کی۔ اور بہت سی مفید
اصلاحات عمل میں آئیں۔

اسی ضمن میں خاکسار اہل اسلام کی تعلیم کے متعلق ہم گورنمنٹ سے اتنا اور عرض
کرا چاہتے ہیں کہ مسلم اساتذہ کو اور بھی زیادہ تعداد میں ٹریننگ دی جائے۔ ایک زنانہ
نارمل سکول بنگلور میں جاری ہو۔ بنگلور ٹریننگ سکول میں مسلم اساتذہ کی ٹریننگ کا
انتظام ہو۔ اردو مدارس کی درسی کتابیں کنڑی مدارس کی کتابوں کے معیار
پر لائی جائیں۔ اور بہت سے مفید کنڑی کتابوں کا ترجمہ اردو میں کرا کے مدرسین
اور طلبا کی مشکلات دور کی جائیں۔ اردو مدارس میں کنڑی جبری طور پر پڑھائی
جائے۔ اور انسپکٹران مدارس کو اسپر بخوبی توجہ کرنے کے لئے احکام صادر کئے جائیں
ہمارے مدارس کی عمارتیں اچھی ہوں اور فرنیچر نقشہ جات کی سپلائی پر مزید توجہ
کی جائے ہمارے مدارس میں سکوٹنک عام طور پر جاری کی جائے اور بہتیرے
مسلم اساتذہ کو سکوٹنک افسروں کی ٹریننگ دیجائے۔ زنانہ مدارس کی گاڑیاں
بہتر بنوائی جائیں۔ صرف دو اردو انسپکٹرس سارے پراونس کے لئے بالکل
ناکافی ہیں۔ اور دو اردو انسپکٹرس مقرر کی جائیں اور منتخب اردو گرلس سکولز
میں انگریزی کی تعلیم بھی شروع کرا دیجائے ہم موجودہ آئی۔ جی آف ایجوکیشن
مسٹر [illegible] کے عہد حکومت میں ان تمام امور کی تکمیل کے لئے منتظر رہیں گے۔

ڈائرکٹر صاحب محکمہ تعلیم مدراس لکھتے ہیں کہ انکے علاقہ میں بہت سے
ایسے پبلک اسکولس ہیں کہ ان میں اردو، توام کے بچوں کا داخلہ ممکن نہیں
گورنمنٹ کی خواہش ہے کہ متاثرہ جماعتیں جہاں تک ممکن ہو ایسے مدارس سے

ارذل اقوام کے بچوں کو تعلیم سے محروم کرنے والی پابندیاں بتا دیں اور تعلیم اقوام ارذال کو کامیاب کرنے میں عہدہ داران تعلیمات کو ممکنہ مدد دیں ممالک محروسہ سرکار عالی میں ابتک بڑے پیمانہ پر عیسائی پادریوں نے ارذل کی تعلیم کا کام انجام دیا اور دے رہے ہیں سرکار کی جانب سے بھی بعض اضلاع میں مدارس قائم کئے گئے ہیں تاہم بھی اطفال زیر تعلیم کی تعداد محدود اور قلیل ہے۔

کلکتہ کے اسلامیہ کالج کو دس ہزار روپیہ حسب فرمان خسروی عطا کئے گئے

تلنگی کتب خانہ چادر گھاٹ میں ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں سرکار عالی کے اندھرا قوم کے افراد کی حالت کو بہتر بنانے کے مسئلہ پر بحث ہوئی۔ مختلف مقامی مدارس کے طلبہ کا امتحان مقابلہ ہوا۔ ۱۷ امیدوار شریک تھے جن کے منجملہ ۹ نے اس مضمون پر تقریریں کیں۔ صدر نشین سے علاوہ اور تین انعامات مقرر کئے گئے تھے امیدواروں میں سے مسٹر ایم لمپا (نظام کالج) کو انعام اول دیا گیا اور مسٹر پی رام کشن راو (عثمانیہ کالج) نے انعام دوم پایا اسکول کے طلبہ سے مسٹر سیتا نارائن طالبعلم چادر گھاٹ ہائی اسکول کو انعام اول ملا مسٹر کے رام راو (چادر گھاٹ ہائی اسکول) کو دوسرا انعام تسلی کے لئے سرٹیفکیٹ دئے گئے تھے (رہبر دکن)

محبوب کالج سکندرآباد کا سالانہ جلسہ تقسیم انعامات آنریبل سر ناکس رسل رزیڈنٹ حیدرآباد کی صدارت سے منعقد ہوا مشروط [illegible] آنریبل مدیار آنریبل [illegible] گذشتہ

سال کی رپورٹ پڑھی اس کے بعد صاحب عالیشان بہادر نے ایک دلچسپ تقریر فرمائی اور کامیاب طلبہ کو انعامات تقسیم فرمائے جلسہ کے ختم پر نواب صاحب اسکولس کے کرتب ہوئے۔

سجل صاحب جامعہ عثمانیہ کے دفتر سے اطلاع وصول ہوی ہے کہ ۱۳۳۶ف سے امتحان بی اے میں دینیات لازمی کا نصاب صرف عقاید پر مشتمل ہوگا یعنی مذہب، وجود باری، روح، ملائکہ، رسالت۔ معاد تقدیر۔ شریعت و طریقت انہیں مضامین پر درس دیا جائیگا۔ طلبہ کے مطالعہ کے لئے کتب ذیل کی سفارش کی گئی ہے حجت الاسلام۔ دین و دانش۔ معارج الدین۔ الکلام (مولانا شبلی) عقلیات و تربیب ۱۳۳۵ف کے امتحان میں رحمت اللعالمین حصہ اوّل مصنفہ قاضی محمد سلیمان ریاست انبالہ از صفحہ (۱۶۰) تا آخر شامل درس ہے۔ امتحان ۱۳۳۶ف کے لئے ایسی کتاب کا حصہ اوّل مکمل ہوگا۔ اور تذکرۃ المصطفےٰ از صفحہ ۴۵ تا ،،

آیندہ سے امتحان ایف اے اور بی۔ اے عثمانیہ یونیورسٹی میں جملہ اساتذہ مسلمہ خانگی طور پر شریک ہوسکیں گے بشرطیکہ ان کی ملازمت تین سالہ ،،ہو۔

اشتہارات

مفتاح التعلیم
مولفہ
سید محمد حسین صاحب جعفری بی اے (اڈکن)

اردو میں یہ پہلی کتاب ہے جس میں سلیس زبان عام فہم پیرائیہ میں یورپ کے جدید ترین اصول طریقہ تعلیم کنڈرگارٹن تحریر کئے گئے ہیں اور اس طریقہ پر تبلائے گئے ہیں جس کے مطابق تعلیم مدارس تحتانیہ اضلاع میں ہو سکتی ہے اس میں جابجا تصاویر دیگر مطالب اضح کیا گیا ہے قیمت فی جلد دو روپیہ سکہ عثمانیہ علاوہ محصول ڈاک .

نوٹ ابتک دفتر رسالہ العلم میں اس کتاب کے جتنے آرڈر آئے تھے وہ سب ہم نے سید عبدالقادر صاحب تاجر کتب چارمینار کو دیدئے ہیں پس براہ کرم دوکان مذکور سے اگر وی پی مفتاح التعلیم وصول ہو تو فوراً داگذاشت فرمالیا جائے .

یہ امر واضح رہے کہ مفتاح التعلیم کے سابقہ دو ایڈیشن ختم ہو جانے کی وجہ بروقت آرڈر کی تعمیل نہ ہو سکی اب تیسرا ایڈیشن چھپ چکا ہے اس لئے اب کتب مذکور کی ترسیل میں تعویق نہ ہوگی جس قدر نسخے مطلوب ہوں سید عبدالقادر صاحب تاجر کتب چارمینار حیدرآباد دکن سے طلب کیجئے

ڈرامہ اردو
مولفہ
مولوی عزیز مرزا صاحب جرم

یعنی مہاکوی کالیداس کے ایک مشہور ناٹک کا ترجمہ جس ایک بسیط مقدمہ کہ جس میں ڈراما کی تاریخ اور نوعیت پر مفصل بحث کی گئی ہے قیمت فی جلد یکروپیہ علاوہ محصول ڈاک

ہدایات برائے مدرسین
مولفہ
سید محمد حسین صاحب جعفری بی اے (اڈکن)

جس معائنہ مدارس جس قدر بھی ہدایات دیجا سکتی ہیں وہ سب ایک کتاب کی صورت میں شائع کی گئی ہیں اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ اہم ترین اور معمولی ہر دو امور کے متعلق تفصیلی ہدایات درج ہیں قیمت فی جلد یکروپیہ علاوہ محصول ڈاک .

خلاصہ تاریخ انگلستان
مولفہ
مسٹر فشر

ابتک اردو میں کوئی ایسی مختصر تاریخ انگلستان موجود نہیں تھی جسکے پڑھنے سے انگریزوں کے حالات معلوم ہو سکیں یہ کتاب اگرچہ میٹرک کے نصاب میں داخل ہے مگر ہر شخص اس سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے قیمت فی جلد یکروپیہ بارہ آنہ سکہ عثمانیہ علاوہ محصول ڈاک

ملنے کا پتہ

دفتر رسالہ العلم کبیر اعلیٰ حیدرآباد دکن

دی ایڈین کوا پریٹو انڈسٹیریل سوسائٹی لمیٹڈ

ہماری دکان میں ہر قسم کی نکی مصنوعات موجود ہیں۔ عمدہ کپڑا سوتی و اونی و ریشمی [illegible] کھادی، ہاتھ کے بنے ہوئے دستیاں۔ توال جیپی ہوئی و سادی چادریں وغیرہ بیدری سامان ہر قسم کا۔ برونج پیتل کشتیاں وغیرہ وغیرہ چاندی کا [illegible] ہر قسم کے عطر و ان پان سگریٹ کیس کھیلوں کے اعلیٰ سامان مثلاً کپ شیلڈ وغیرہ مشنری مشنری کا دیسی کاغذ نیسل و پنسل کی طرح کی دوائیں کاغذ و اسپرین ریک وغیرہ نیم آنہ روانہ کرنے پر فہرست شائع ہوتی ہے مفت ملتی ہے

ایم نظام الدین اینڈ کو مینیجنگ ایجنٹ

اخبار تعلیم لاہور ہر قسم کے تعلیمی معاملات پر آزادانہ بحث کرنے والا مدرسین کا وکیل و ترجمان طلبا کا معاون و مددگار افسران محکمہ تعلیم کا خیر خواہ سررشتہ تعلیم کا مشیر ہر قسم کے علمی عملی اخلاقی بحثی وغیرہ مضامین کا مخزن ہفتہ وار اخبار تعلیم لاہور سے شائع ہوتا ہے۔ قیمت سالانہ چار روپیہ ششماہی دو روپیہ آٹھ آنہ سہ ماہی ڈیڑھ روپیہ۔

منشی طالب علی صاحب پابند قریشی ایڈیٹر اخبار تعلیم لاہور سے طلب کیجئے

سررشتہ تعلیمات

کی ہر جماعت کے متعلقہ جملہ اصلی کتب نصاب خلاصہ جات و کتب انعامی۔ اردو فارسی عربی انگریزی تلنگی مرہٹی

ڈرائنگ و تصاویر

جو بچوں کی ابتدائی تعلیم اور ڈرائنگ کے عملیات کے لئے مفید و کارآمد ہیں کتب ڈرائنگ کاپیاں و کاپیاں و تصاویر نباتات و جانوراں وغیرہ

نقشہ جات

ہندوستان ایشیا یورپ۔ افریقہ۔ امریکہ موجود ہیں جن کی نہایت واجبی قیمت ہے تفصیل کے لئے کتب۔ نہائی فہرست کتب مفت طلب فرما کر ملاحظہ فرمائی جائے

المشتہر سید عبدالقادر تاجر کتب۔ و مالک اعظم اشیم پریس چادرگھاٹ حیدرآباد دکن

زیر شدہ ٹپہ سرکار عالی نشان ۲۱

جلد اول نمبر ۱

المعلم

ع

ماہ خورداد سنہ ۱۳۳۴ فصلے

۱

ایڈیٹر..... محمد سجاد مرزا بی اے (کنٹب) صدر مہتمم تعلیمات صوبہ گلبرگہ شریف

جائنٹ ایڈیٹر محمد عظمت اللہ خاں بی اے ارکان محکمہ انتظامات تعلیمات ملک سرکار عالی

مطبوعہ

اعظم اسٹیم پریس چادرگھاٹ

حیدرآباد دکن

قواعد

(۱) یہ محض تعلیمی رسالہ ہے جسمیں تعلیم کے مختلف شعبوں کے متعلق مضامین درج ہونگے سیاسی یا مذہبی مضامین شریک نہ کئے جائیں گے۔

(۲) یہ رسالہ ہر ماہ فصلی کے پہلے ہفتہ میں شائع ہوا کرے گا۔

(۳) پرچہ وصول نہ ہو تو ہر ماہ فصلی کی ۲۵ تاریخ تک خریدار صاحبان بحوالہ نمبر خریداری مطلع فرمائیں

(۴) جو مضامین ناقابل طبع متصور ہوں گے ان کی واپسی خرچہ ڈاک کی روانگی پر منحصر ہوگی

(۵) اس رسالہ کی قیمت سالانہ (ہے) مع محصول ڈاک ہے جو پیشگی لی جائے گی۔

(۶) نمونہ کا پرچہ پانچ آنہ کے ٹکٹ وصول ہونے پر ارسال کیا جائے گا۔

(۷) جوابطلب امور کیلئے جوابی کارڈ وصول ہونا چاہئے ورنہ ادائی جواب میں مجبوری رہیگی

(۸) اجرت طبع اشتہارات درج ذیل ہے رقم وصول ہونے پر اشتہارات طبع کئے جائینگے

تعداد مدت	صفحہ	نصف صفحہ	ربع صفحہ
ایک بار	۴	۲ ۸ ر	۱ ۸ ر
۶ ماہ	۲۴	۱۲	۶ ۸ ر
ششماہ	۴۸	۲۴	۱۲
سالانہ	۹۶	۴۸	۲۴

(۹) جملہ مراسلت و ترسیل رقوم منی آرڈر وغیرہ موسومہ جائنٹ ایڈیٹر پتہ ذیل پر ہونی چاہئے

محمد عصمت اللہ خاں بی اے جائنٹ ایڈیٹر

الہ المعلم کوچہ چراغ علی واقع سانچہ توپ

حیدرآباد دکن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

المعلم

(۱) طلبائے مدارس کی بصارت (مولوی سید محمد حسین جعفری حسن آبادی اے۔ اکسن ناظم تعلیمات کابر عالے) (۱ تا ۱۰)

(۲) علمی جغرافیہ ابتدائی مدارس میں (مسٹر میگنیش اوپر نسپل نارمل سکول مرہٹی اورنگ آباد) (۱۰ تا ۲۰)

(۳) سبق الاشیاء، مولوی عابد حسین خاں صاحب بی اے اصد مدرس مدرسہ سلطانیہ بنگلور (۲۰ تا ۲۷)

(۴) تبصرہ (۲۷ تا ۲۹)

(۵) شذرات (۳۰ تا ۳۲)

جلد (۱) | باتبہ ماہ خورداد ۱۳۳۴ ف | نمبر (۱۰)

طلبائے مدارس کی بصارت

مدارس میں تعلیم کے سوائے طریقہ نشست و برخاست اور طلبا کی جسمانی حالت کیجانب کافی توجہ کرنا قومی بہبودی کے لئے ضرور ہے۔

جب تک صحت جسمانی صفائی مدارس اور عمدہ طریقہ نشست و برخاست فرنیچر اور دیگر ضروریات کا جو بقائے صحت جسمانی کے لئے ضرور ہیں خیال نہ کیجائے محض عمدہ نصاب درس اور تدریس سے تعلیمی نتائج [illegible] ہو سکتے۔

افسوس کہ ہمارے ملک میں ان امور کا [illegible] لحاظ نہیں کیا جاتا اور تعلیمی ترقی کا

معیار صرف مدارس کی تعداد اور امتحانات کے نتائج قرار دئے جاتے ہیں جن کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ ہم سالانہ چند مڈل یا میٹرک کامیاب طلبا پیدا کر رہے ہیں لیکن صحت مند جوشیلے ذی حوصلہ نوجوانوں کی تعداد کم ہوتی جا رہی ہے جس کا اثر آئندہ کی نسلوں پر پڑے گا۔

ہمارے مدارس کے طلبا کی صحت عموماً اچھی نہیں ہوتی ہم کو ایسے طالب علم بہت کم نظر آتے ہیں جن کے شگفتہ چہرے، تازگی بدن، توانائی تن ان کی عمدہ صحت کا نشان بتائیں۔ بلکہ اکثر طلبا کی افسردہ صورتیں، زرد رنگ، لاغر جسم بزبان حال کہتے ہیں کہ ان کے قوا ضعیف، اعضا کمزور، اور عام صحت جسمانی خراب ہے اس خرابی کے اسباب و علل سے یہاں بحث کرنا ہم کو منظور نہیں۔ ہمارے اس مضمون کا موضوع "طلبا کی بصارت" ہے۔ اور ہم موجودہ حالت دکھاتے ہوئے اسکی اصلاح کے چند تدابیر ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

ارباب عقل و حکمت اور ماہران فن تعلیم نے حواس خمسہ کو تحصیل علم کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ بیشک ہر حس ایک بیمثل نعمت خداوندی ہے۔ لیکن ان سب میں فضیلت جس باصرہ کو دیگئی ہے حیات انسانی کا مدار گویا بصارت پر منحصر ہے۔ مختلف اشیاء کے اشکال ان کے الوان اور ابعاد ثلاثہ باہمی فاصلہ وغیرہ کا اندازہ انسان بصارت کے ذریعہ لگاتا ہے اچھی بصارت ہمیشہ پر لطف نظارہ اور کیفیات دکھاتی ہے۔ دماغ ان کو محفوظ کرتا ہے۔ جنگ میں تعلیم سے بچنے میں مدد دیتی ہے۔ اور جان کی [illegible] کا باعث ہوتی ہے بصارت ہی وہ قوت ہے کہ جس کے ذریعہ سے ہم کائنات پر نظر ڈال سکتے اور معرفت حق حاصل کر سکتے اور اپنے خالق کو پہچان سکتے ہیں ؎

یہ اسکی کارسازی کی ہے وسعت آفرینی ہے — سما آنکھ کی پتلی میں ہے نقشہ خدائی کا

بصارت کی فضلت اس کی اہمیت اس سے بڑھکر اور کیا ہو سکتی ہے کہ ہم اولاد کو جو عزیز ترین ہے نور چشم۔ قرۃ العین کہتے ہیں۔ جب یہ ثابت ہوا کہ انسانی زندگی کا لطف اور اس کی ترقی کا انحصار اچھی بصارت پر ہے تو پھر ہر ایک انسان کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اس بیش قیمت اور گراں بہا نعمت کی ممکنہ طریقوں سے حفاظت کرے۔ اور اس سے آخری عمر تک اچھا کام لے ورنہ کفران نعمت ہوگا

علم حاصل کرنے میں بہ نسبت دیگر حواس کے جس باصرہ سب سے زیادہ مدد ہوتی ہے۔ اور کمسن طلبا کی ابتدائی تعلیم کا ذریعہ قوت باصرہ ہے۔ اگر اس سے اچھا کام لیا جائے تو تھوڑی مدت میں بچے بہت سے معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔ اور اس سے غافل و تساہل کیا جائے تو ہمیشہ کے لئے بچوں کی بصارت خراب ہو جاتی ہے اور ہم ان کی تباہی و بربادی کا باعث ہوتے ہیں۔

اب ہم چند اہم امراض چشم اور عام نقائص بصارت کا ذکر کریں گے جن کا پبلک اور خصوصاً مدرسین کے لئے معلوم ہونا ضرور ہے۔ ان امراض و نقائص کے متعلق تفصیلی بحث مقصود نہیں بلکہ اجمالاً ذکر کیا جائیگا۔

(۱) پہلے ان امراض متعدی کا جو آنکھ کے حصہ اول کے سامنے کے حصے میں ہوتے ہیں ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ ایسے امراض ہیں کہ اگر ایک ہی طالب علم ان میں سے کسی ایک میں مبتلا ہو جائے تو دوسرے طلبا متاثر ہوتے ہیں اور پھر طلبا کے ذریعہ گھروں میں یہ امراض پھیل جاتے ہیں۔

اس ضمن میں ذیل کے امراض قابل بیان ہیں۔

(۱) سلاقا

(۲) آشوب چشم

الف نزلی

ب۔ صدیدی
ج ۔ دمدی یعنے کوکرے

حصّہ دوم

وہ امراضِ آنکھ جس میں شعاعوں کے نقطہ اجتماع پر برابر نہ جمع ہونے کی وجہ سے ضعف بصارت کے علامات ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ امراض متعدی نہیں ہوتے لیکن جو طلبا، ان میں مبتلا ہوجائیں اور ان کی جلد خبر گیری نہ کیجائے تو بصارت پر مضر اثر پڑتا ہے۔

اس فصل میں حسب ذیل امراض قابل ذکر ہیں۔

(الف) قصر البصر یا قریب نظری
(ب) طول البصر یا بعید نظری
(ج) بصر الشیوخ
(ھ) نقص بصر
(د) حول یعنے ترچھا پن

اب ہم حصہ اول و دوم کے امراض کا فرداً فرداً ذکر کریں گے۔

حصّہ اول

(۱) سلاق۔ اس کا طبی نام التہاب الجفن ہے۔ انگریزی میں اس کو بلیفوراٹس (BLEPHAITES) کہتے ہیں اس مرض میں پلکوں کے کنارے متورم ہوجاتے ہیں اور یہ مرض کمسن بچوں میں زیادہ نوجوانوں اور بوڑھوں کو کم ہوتا ہے تحقیق سے یہ [illegible] ہوا کہ [illegible] کا زمانہ ختم ہونے کے بعد یہ مرض نہیں ہوتا اور اگر کسی نوجوان کو رہجاتا ہے تو وہ زمانہ طالب علمی کی یادگار کہا جاسکتا ہے۔ یہ مرض کمسن

طلبا کو ابتدا میں جبکہ یہ مدارس میں شریک ہوتے ہیں اور اُن کا سن دس بارہ سال کے درمیان ہوتا ہے کثرت سے ہوتا ہے چونکہ مدارس میں مختلف حیثیت کے طلبا جمع ہوتے ہیں تو ان کی کثافت سے ایک دوسرے میں یہ مرض سرایت کرتا ہے اور بعض وقت پڑھنے لکھنے میں بچوں کی بصارت پر زور پڑنے سے ہو جاتا ہے۔

اس مرض کو بخوبی سمجھنے کے لئے پلک کے کناروں کی تشریح جاننا ضروری ہے کیونکہ اس کی ابتدا پلکوں کے کنارے سے ہوتی ہے۔ پلک ایک پتلے اور نہ ہونیوالے چمڑے سے بنی ہوئی چیز ہے اور اس کے کنارے پر قدرت نے نرم بال ایک قطار میں ترتیب دیئے ہیں جو آنکھ کو گرد و غبار سے محفوظ رکھتے ہیں۔ پلک کے بالوں کے اوپر چکنائی کے غدود کی قطار ہوتی ہے۔ یہ چکنائی کے غدود دو کام دیتے ہیں۔

(۱) پلک قائم نہیں ہے بلکہ متحرک ہے انسان ہمیشہ اس کو حرکت دیتا ہے جس کو پلک مارنا کہتے ہیں مسلسل پلک مارنے سے پلکوں کے کناروں کے زخمی ہو جانے کا خوف ہے یہ غدود ان کناروں کو زخمی ہونے سے بچاتے ہیں۔

(۲) دوسرے یہ غدود آنسوؤں کو جذب کرتے اور چہرے پر مسلسل بہنے سے روکتے ہیں یہ دونوں فعل آنکھوں اور بصارت کی بقا کے لئے لازم ہیں۔

جب مرض سلاق لاحق ہوتا ہے تو ان غدود میں خارش اور سوزش پیدا ہو کر چکنائی رقیق ہو جاتی ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غدود پلکوں کے کناروں کی حفاظت نہیں کر سکتے اور آنسوؤں کے بہاؤ کا راستہ بھی بے ترتیب اور مفقود ہو جاتا ہے۔

اس مرض کی ابتدائی حالت میں ایک سفید اور خشک مادہ پلکوں پر جمنے لگتا ہے اور ایسے بچوں کا کہ جن کو یہ مرض شروع ہو گیا ہو ابتدائی حالت میں ہو چند گھنٹے پڑھنے لکھنے کے بعد امتحان کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کے پلکوں کے

کناروں کا رنگ بدل گیا اور بجائے معمولی سفیدی مائل زرد رنگ کے گلابی رنگ ہو گیا اور پلکوں میں گدگداہٹ اور کھجاپن شروع ہو گیا ہے۔ اس کے بعد بھی تعلیم کا سلسلہ جاری رہے تو گلابی رنگ میں سرخی زیادہ ہوتی اور بصارت میں نمایاں کمزوری ہونے لگتی ہے۔ اگر اب بھی غفلت کی جائے اور فوری علاج نہ کیا جائے تو سرخی کے ساتھ ورم اور آلودگی شروع ہو جاتی ہے اور سفید رطوبت پلکوں میں جمنے لگتی ہے۔ قرح پڑ جاتا ہے۔ اس زخم میں جو جراثیم پیدا ہوتے ہیں وہ بتدریج پلکوں کے بالوں کے جڑوں میں داخل ہوتے اور جڑوں کو برباد کر دیتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بال جھڑ جاتے ہیں اور پھر پیدا نہیں ہوتے اگر پیدا ہوتے بھی ہیں تو اس لئے ترچھی ہے کہ ان کی وجہ سے آنکھ میں اور دوسرے امراض مثلاً پرمال وغیرہ نمایاں ہو جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ آنکھوں میں ہمیشہ سفید رطوبت جمع رہنے سے آنکھیں کثیف معلوم ہوتی ہیں اور غدود سے جو تیل نکلتا ہے وہ اس قدر رقیق ہو جاتا ہے کہ آنسوؤں کو جذب نہیں کر سکتا اور پانی مسلسل چہرے پر ڈھلنا شروع ہو جاتا ہے جو نہایت تکلیف دہ ہوتا اور چہرے کو آلودہ اور زخمی کر دیتا ہے۔

[illegible] صفائی سے غفلت، ناکافی غذا، دھواں، دھول دار ہوا، کم خوابی، کثرت مطالعہ تیز [illegible] یا کم روشنی میں پڑھنا لکھنا، بخار، چیچک یہ سب اس مرض کی آمد میں معاون ہوتے ہیں۔

چیچک اور بڑے قسم کے بخار کے بعد اکثر کمسن بچے مرض سلاق کا شکار ہو جاتے ہیں بخار کی وجہ سے آنکھوں میں ورم پیدا ہو جاتا ہے اور بتدریج پلکوں تک پہنچ جاتا ہے بروقت [illegible] کا علاج نہ ہونے سے بخار رفع ہونے کے بعد بھی یہ ورم رہ جاتا اور کہنہ ہو جاتا ہے اور بچہ [illegible] تعلیم پر مصروف ہوتا ہے تو پڑھنے لکھنے میں بصارت پر

زور پڑتا ہے اور مرض بڑھتے بڑھتے وہ آخری صورت اختیار کر لیتا ہے جس کا ذکر ابھی اوپر کیا گیا۔

یہ مرض ایسے بچوں میں بھی کثرت سے ہوتا ہے کہ جن کے آنکھوں کا مرکز شعاع (فوکس۔ FOCUS) یا نقطہ احتراق بگڑا ہوا ہوتا ہے۔ کمسن بچوں کے آنکھ کا مرکز شعاع چیچک میں مبتلا ہونے کے بعد بگڑ جاتا ہے۔ ادنا نہ تو بچہ اس چیز کو محسوس کرتا ہے اور نہ اساتذہ۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بتدریج آنکھیں سرخ ہونے لگتی ہیں۔ بچہ الفاظ برابر دیکھ نہیں سکتا۔ تھوڑی دیر پڑھنے لکھنے کے بعد بار بار آنکھیں ملنا اور پلک مارنا شروع کر دیتا ہے اور آنکھیں ملنے سے باہر کی گرد آنکھوں میں داخل ہو کر پپوٹوں کو زخمی کر دیتی ہے اور اس مرض کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے یہاں تک تو مرض کی کیفیت اور اس کے وجوہ بتلائے گئے اب ہم اس کا علاج بتلاتے ہیں۔

(۱) اس مرض کا بہترین علاج یہ ہے کہ آنکھوں کو صاف رکھا جائے دن میں تین یا چار دفعہ دس تولے پانی میں کاربونیٹ آف سوڈا ایک تولہ ملا کر آنکھوں کو اس سے دھو دیا جائے یا روئی کا پھایہ اس میں بھگا کر تھوڑی دیر آنکھوں پر رکھا جائے۔ سوڈا اور پپوٹوں پر کے بڑے پیمانوں کی چکنائی کے باہمی اختلاط سے صابون بن جاتا ہے۔ اور آنکھوں کو خوب صاف کر دیتا ہے۔ آنکھوں کو دھونے کے بعد کسی نرم کپڑے سے خشک کر دینا چاہئے اور کوئی ایسا مرہم جس میں جراثیم کے مارنے کی خاصیت ہو۔ پلکوں کے کنارے پر لگا دینا چاہئے مرہم کا نسخہ ذیل سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

(۲) آنکھوں کا طبی معائنہ بھی اس کا ایک علاج ہو سکتا ہے۔ اگر بچہ حروف اچھی طرح نہیں دیکھ سکتا ہو تو فوراً اسکی آنکھوں کا طبی معائنہ کر دیا جائے اور عینک کی ضرورت

ہو تو اس کا استعمال کیا جائے عینک خوبصورتی کے لئے نہیں ہے بلکہ بصارت کی محافظ ہے اور صدہا امراض چشم سے انسان کو بچاتی ہے۔

(۲) آشوب چشم آنکھ آنا

یہ دوسری قسم کا مرض ہے اس میں مثل سلاق کے پلکوں کی پوست پر اثر نہیں ہوتا بلکہ پلکوں کے اندرونی باریک جھلی اور وہ جھلی جو کہ آنکھ کے انڈے پر لپٹی ہوئی ہے متاثر ہو جاتی ہے۔ اس جھلی کا نام ملتحمہ (CONJUCTIVE) ہے یہ پردہ نہایت نازک اور مہین ہوتا ہے پلکوں کو ملاتا ہے اور اس میں باریک رگیں اور آنکھ کے سطحی اعصاب ہوتے ہیں۔ یہ پردہ اس قدر شفاف ہوتا ہے کہ ورم کے علامات فوراً نمایاں ہو جاتے ہیں اس میں اتنے شقوق ہوتے ہیں کہ اگر ایک دفعہ جراثیم داخل ہو جائیں تو خوب نشو و نما پاتے اور پھیل جاتے اور پردے کو متورم کر دیتے ہیں۔

آشوب چشم بعض معمولی اسباب سے ہو جاتا ہے مثلاً آنکھ میں کنکر کا گرنا دھواں داخل ہونا تیز دھوپ کا لگنا یہاں ہم چند خاص قسم کے آشوب کا ذکر کرینگے جو سخت متعدی ہوتے ہیں اور جن سے مدارس میں خاص طور پر احتیاط کرنیکی ضرورت ہے

(۱) آشوب چشم نزلی ( ) یہ مرض وبا کی طرح موسم بہار میں پھیلتا ہے اور اس کے جراثیم انفلونزا کے جراثیم کے مانند ہوتے ہیں جب یہ مرض پیدا ہوتا ہے تو آنکھیں متورم اور گلابی ہو جاتی ہیں۔ مریض جلد جلد پلکیں مارتا ہے روشنی نہیں دیکھ سکتا اور ایک قسم کا مادہ بہکر پلکوں کے بالوں کو باہم چپٹا دیتا ہے اگر اس مادہ کو خوردبین سے دیکھا جائے تو اس میں پیپ اور ایک قسم کے باریک لانبے لانبے کیڑے نظر آتے ہیں جو اس مرض کے لانیوالے جراثیم ہیں مرض اس طرح

سرائت کرتا ہے کہ یہ مواد ایک متاثر شخص کی آنکھ سے دوسرے کی آنکھ میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس مرض کا انسداد جب ہی ممکن ہے جب کہ قواعد صفائی کی پوری پابندی ہو اس مرض میں مبتلا شدہ اشخاص سے دوری اختیار کیجائے تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ رومالوں اور کپڑوں کے ذریعہ یہ مرض پھیلتا ہے۔ یعنے اگر مریض رومال سے منہ صاف کرے تو جتنے آدمی اس رومال کو استعمال کریں گے سب اسی مرض میں مبتلا ہو جائیں گے۔

(۲) آشوب چشم صدیدی

یعنے پیپ دار آنکھ آنا

اس مرض میں جھلی بہت متورم ہو جاتی ہے آنکھ سے آنسو بہنے کے عوض پیپ زیادہ نکلنے لگتا ہے پلکیں پھول جاتی ہیں اور مریض آنکھیں نہیں کھول سکتا۔ آنکھوں میں شدت سے درد ہوتا اور بخار آنے لگتا ہے۔ اس مرض کے کئی اسباب ہوتے ہیں مثلاً سوزاک کا پیپ آنکھ میں لگ جانا، متاثرہ تولیہ رومال دستی کا استعمال، حوض کے پانی یا گھڑے کے پانی سے جراثیم کا آنکھ میں داخل ہو جانا، اس مرض کا اثر تین دن میں نمایاں ہو جاتا ہے

(۳) آشوب چشم رمدی

یہ مرض اردو میں کوکرے کے نام سے مشہور ہے انگریزی میں.....
(GRANULAR LID) کہتے ہیں اس مرض میں پلک کے اندرونی سطح پر چھوٹے چھوٹے دانے پیدا ہو جاتے ہیں۔ آنکھ کی جھلی کروری ہو جاتی ہے

جس کی رگڑ سے قرنیہ پر گولاپن پایا جاتا ہے آنکھ میں ریتی کے کنکروں کی رگڑ کے موافق تکلیف ہوتی ہے آنکھوں سے پانی جاری ہوتا ہے اور مہینوں یہ حالت جاری رہتی ہے۔ یہ مرض بھی خاص قسم کے جراثیم کی موجودگی اور خراش کی وجہ سے ہوتا ہے۔ مدارس ٹپہ خانے مسافر خانے ناٹک گھر اور ایسے مقامات پر جہاں بہت لوگ اکٹھے ہوتے ہیں یہ مرض پھیلتا ہے۔ مصری اور ہندی اقوام میں تقریباً اسی فیصد اس مرض میں مبتلا ہوتے ہوتے ہیں اور یہ اُن کی قومی بیماری ہوگئی ہے۔ اس مرض کے کہنہ ہوجانیکی وجہ اُن لوگوں کی آنکھیں چندھیائی ہوئی ہوگئی ہیں۔ امریکہ نے اپنے ملک میں اس مرض کے لوگوں کے آنے کی قطعاً ممانعت کردی ہے چاہیئے کہ مدارس میں بچوں کو شریک کرنے کے پہلے ڈاکٹر کے ذریعہ اُن کی آنکھوں کا معائینہ کرالیا جائے تاکہ اس قسم کے مبتلا بچے بغیر علاج کئے مدرسے میں داخل نہ ہوں اور دوسرے بچوں کو متاثر نہ کریں (باقی ہے)

سید محمد حسین

التماس

ہم نے رسالہ المعلم کے ایک نمبر میں ناظرین المعلم خصوصاً صدر مدرسین صاحبان سے استدعا کی تھی کہ یہ حضرات اپنے مدارس کے متعلق وقتاً فوقتاً نوٹس روانہ فرمائیں۔ مثلاً اگر مدرسہ میں جلسہ مجلس مناظرہ یا اور کوئی انجمن ہو تو اسکے روئداد بغرض اشاعت روانہ فرمایا کریں لیکن ابتک اس پر کوئی توجہ نہیں فرمائی گئی۔

اب پھر ہم یاددہی کرتے اور جملہ صدر مدرسین صاحبان سے متوقع ہیں کہ وہ آیندہ اطلاعات روانہ فرمائینگے۔

جائنٹ ایڈیٹر

عملی جغرافیہ

ابتدائی

مدارس میں

ابتدائی مدارس کے نصاب تعلیم میں جغرافیہ کی غیر دلچسپی بدنامی کی حد کو پہنچ گئی ہے۔ اساتذہ اور والدین کی جانب سے اس مضمون کے ساتھ ایک قسم کی بے اعتنائی برتی جاتی ہے۔ اور تقریباً یہی سلوک حکام سررشتہ کی طرف سے اس کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ زبان اور حساب کی تعلیم پر جس قدر زور دیا جاتا ہے۔ اسی قدر جغرافیہ کی حق تلفی کیا بلکہ اس میں کامیابی کا خیال بھی نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اور یہ ناکامی طلبا کے لئے کچھ مضر نہیں ہوتی بلکہ ایک خوبی سمجھی جاتی ہے۔ کہ طالب علم دیگر مضامین میں ہوشیار رہے

اگر تعلیم میں اصول اور طریقہ کا لحاظ رکھا جائے تو جغرافیہ دیگر مضامین سے زیادہ نہیں تو کم از کم ان کے برابر دلچسپ اور مفید بن سکتا ہے۔ جدید جغرافیہ تمامتر عملی ہے اور روزمرہ زندگی کے واقعات سے متعلق اس لئے کوئی ایک کتاب ایسی نہیں ہو سکتی جو ممالک محروسہ کے ہر مقام کے لئے حاوی ہو سکے پس ضرور ہے کہ اس کو دلچسپ بنانے کے لئے مقامی حالات کی مطابقت کو پیش نظر رکھا جائے عملی طریقہ کو حتی الامکان سائنس کے آلات اور لوازمات کا پابند نہ بنایا جائے آلات بہت ہی کم ہوں۔ اور جو کچھ میسر آسکیں وہ سیدھے سادے طور پر احاطہ مدرسہ کے اندر تیار کئے جائیں۔ مدارس ثانویہ میں عملی جغرافیہ کے نام سے جو تعلیم ہوتی ہے۔ وہ ابتدائی مدارس میں کثیر اخراجات کی وجہ سے ناممکن ہے

یہ امر ضروری ہے کہ جغرافیہ کو بچہ کی روزانہ زندگی کے لئے کار آمد بنایا جائے اس وقت یہ خیال جاتا رہیگا۔ کہ یہ مضمون بے سود یا حد سے زیادہ رٹا دیا جاسکتا ہے کتابوں سے کچھ سروکار نہ رکھا جائے اس صورت سے جو علم حاصل ہوگا۔ وہ محض کتابی نہیں بلکہ وہ معلومات ہوں گی جن کو حقیقت میں علم کہہ سکتے ہیں۔

دنیا کی متعدد یونیورسٹیوں میں جو آج اوج ترقی پر پہنچی ہوئی ہیں جغرافیہ کو غیر ضروری مضمون نہیں سمجھا جاتا بعض میں اس کو ایک خاص امتیاز دیا گیا ہے تو کہیں آنرز کورس میں شامل کیا گیا ہے۔ اس پرجوش موج کو ہر ائی مدارس میں کم از کم ہلکی سی لہر کی شکل ضرور اختیار کرنی چاہیئے۔ اور اس صورت کے لئے جدید طرز تعلیم ناگزیر ہے (۱) جغرافیہ کے ابتدائی اسباق ہمیشہ مدرسہ کی چار دیواری سے باہر دیئے جائیں۔ (۲) اس کو ایک جداگانہ مضمون کی حیثیت سے پڑھایا جائے مگر دوسرے تمام مضامین سے اس کا تعلق رکھا جائے (۳) معلومات بہم پہونچانے کی بجائے سبق کو دلچسپ بنایا جائے اور طلبا کو اس راہ پر لگایا جائے کہ وہ مقامی حالات کا مشاہدہ کریں کیونکہ یہ قوت بچّوں میں فطری نہیں ہوتی۔ (۴) تعلیم کے لئے کسی ایک مقررہ نصاب کی ضرورت نہیں بلکہ مدرس مقامی اپنے حالات کی لحاظ سے ایک نصاب خود مرتب کرلیں لیکن ایک نہ ایک نصاب ضرور مدنظر رکھا جائے تاکہ استاد کے کام کا اندازہ ہوسکے۔ اور اس کام کا سال بھر کا داخلہ (RECORD) رکھا جائے یہ ریکارڈ استاد اور شاگرد دونوں کا مشترکہ کام ہوگا۔ اس سالانہ ریکارڈ میں تصاویر نقشے اور اشکال وغیرہ بنانے ضروری ہیں۔ تاکہ بچوں کی دلچسپی قائم رہے۔

۴۔ اسباق کے مندرجۂ ذیل نصاب کی ترتیب میں مذکورۂ بالا مقاصد کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اس کے متعلق مخصوص اشارات یہ ہیں:۔

(۱) یہ نصاب ممالک محروسہ سرکار عالی کے دیہاتی مدارس کے لئے ترتیب دیا گیا ہے۔ جس میں مقامی حالات کا لحاظ رکھا ہے۔

(۲) طلبا و یا استاد کے لئے کسی کتاب کی ضرورت نہیں۔

(۳) آلات تعلیم میں صرف ایک پیمانہ پرکار اور چند معمولی اشیا کی ضرورت ہے جن کو استاد موقع پر تیار کر سکتا ہے۔

(۴) یہ تمام عملی ہے جو دولت آصفیہ کے دور افتادہ مدارس میں بھی قابل عمل ہو سکتا ہے۔

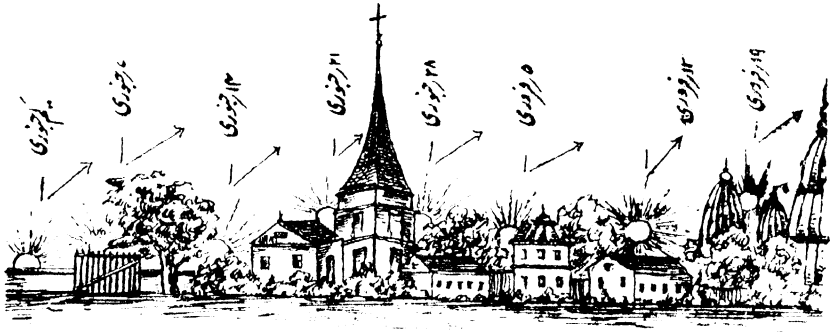
سبق نمبر (۱)

سورج کے طلوع و غروب کا مشاہدہ

تمہید میں یہ بتایا گیا ہے کہ بچوں میں قوت مشاہدہ فطری نہیں ہوتی یہ قوت صرف مشق ہی سے حاصل ہوتی ہے اس لئے استاد کا فرض یہ ہونا چاہیے کہ بچوں کو اس قوت کے حصول اور نشو و نما میں مدد دے۔

سورج کے طلوع و غروب کا مشاہدہ کرنے کے لئے مدرسہ کے صحن یا احاطہ میں ایک ایسی جگہ انتخاب کی جائے جہاں سے مشرقی اور مغربی افق صاف طور پر نظر آئیں اور اسکو ہر وقت تبدیل نہ کیا جائے۔ ریکارڈ

کے لئے مدرسہ کی کسی دیوار یا علیحدہ کاغذ پر افق کی دونوں سمتوں کے نمایاں نشانات کی تصویریں کھینچی جائیں۔ مثلاً پیپل یا بڑ کا درخت صدر مدرس کا مکان مسجد۔ مندر وغیرہ دیکھو تصویر نمبر ۱۔



مشرق اور مغرب کے علیحدہ حصہ رکھے جائیں اور نشانات بھی کردئے جائیں۔ ہفتہ میں ایک بار باقاعدہ مشاہدہ کرایا جائے۔ مثلاً ہر جمعہ یا ہفتہ کو مشاہدہ کے بعد نشانات پر طلوع یا غروب کی تاریخ درج کیجائے۔ جیسا کہ تصویر میں بتایا گیا ہے۔ مثلاً ۷ رجون کو آفتاب پیپل کے درخت پر سے طلوع ہوا۔ ۱۴ رجون کو مندر پر سے ۲۱ رجون کو صدر مدرس کے مکان سے یہ کام ہر ہفتہ دو دو لڑکوں سے لیا جائے۔ اور ان کے نام بھی تاریخ کے ساتھ درج ہوں تاکہ طلبا دلچسپی سے کام کریں اور ان کو ذمہ داری کا احساس ہو۔

ف اس مشاہدہ سے طلبا کو یقین ہوگا کہ سورج گو پورب سے نکلتا ہے۔ مگر ہمیشہ ایک ہی جگہ سے نہیں نکلتا۔ بلکہ اپنی جگہ تبدیل کرتا رہتا ہے۔

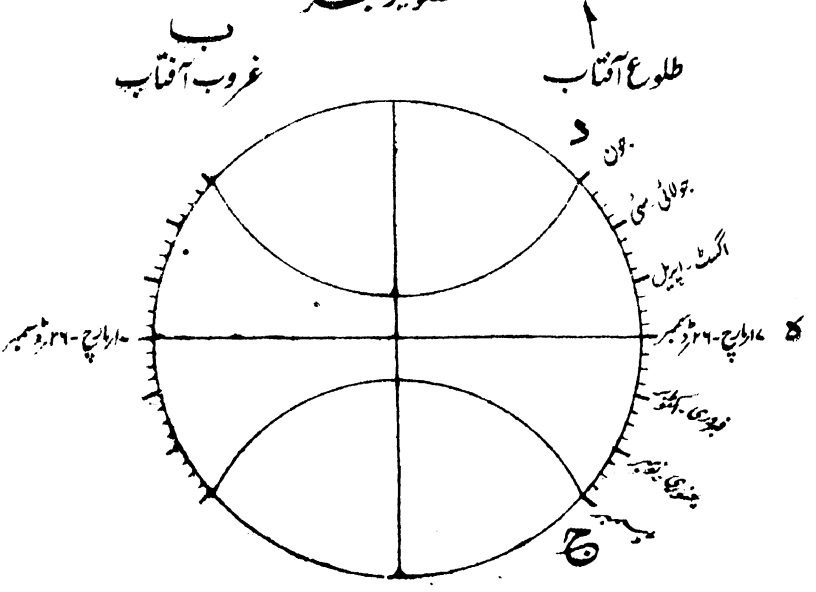
ف اس مشاہدہ سے یہ بھی یقین ہوگا کہ سورج جب مشرق سے

نکلتا ہے۔ تو وہ سیدھا بلند نہیں ہوتا بلکہ کسی قدر ترچھا جاتا ہے دیکھو تصویر نمبر ۱

۲ اِس سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ سورج جوں جوں بلند ہوتا جاتا ہے اس کی سرخی کم ہوتی جاتی ہے۔ اور جب غروب ہونے لگتا ہے تو سرخی مغرب کی طرف دکھائی دیتی ہے اسی قسم کے سال بھر کے مشاہدہ سے طلبا خود بخود یہ نتیجہ نکالیں گے سورج دوران سال میں صرف دو مرتبہ ٹھیک مشرق سے طلوع ہوتا اور دو مرتبہ ٹھیک مغرب میں غروب ہوتا ہے ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوگا۔ کہ سال میں ایک مرتبہ انتہائی شمال سے اور ایک دفعہ انتہائی جنوب سے نکلتا ہے۔

۳ اس مشاہدہ کے بعد معلومات درج کرنے کے لئے مدرسہ کے احاطہ میں ایک بڑا دائرہ کھینچا جائے جس کا مرکز وہی جگہ ہو جہاں سے سورج کو طلوع و غروب ہوتے دیکھا گیا ہے

تصویر نمبر ۲

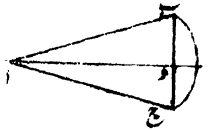


اس دائرہ کے محیط پر مغرب و مشرق کے نشانات کرائے جائیں۔ اور نشانات کو ملا دیا جائے اور جو تاریخیں نقشہ یا دیوار پر درج کی گئیں ہیں اس پر بھی درج کر دیجائیں۔ اس سے طلباء کو سمت کا تصور ہوگا۔

سبق نمبر ۲

شمال اور جنوب کا تصور

پہلے سبق میں مشرق و مغرب کی سمتیں معلوم ہو گئی ہیں۔ اسی طرح شمال اور جنوب کے اسمات بھی بخوبی معلوم ہو سکتے ہیں ہر طالب علم مشرق، مغرب، شمال اور جنوب کو معمولی طور پر جانتا ہے۔ اور جہاں سے سورج نکلتا ہے۔ اس کو مشرق اور جہاں غروب ہوتا ہے۔ اس کو مغرب کہتا ہے۔ ابتدائی مدارس میں اسمات کی یہی تعریف مروج ہے مگر دراصل یہ صحیح نہیں ہے۔ شمال اور جنوب کی سمتیں معلوم کرنے کے لئے اس دائرہ کے مرکز پر ایک لکڑی ۵ یا ۶ فٹ لمبی کھڑی کی جائے یہ کام اس دن کیا جائے جب کہ مطلع صاف اور دھوپ اچھی ہو۔ اور وقت اندازاً (۱۱ ½) ہو اس لکڑی کا جو سایہ پڑیگا۔ اس کے انتہائی نقطہ پر نشان کیا جائے۔ اور اس سایہ کی درمیانی سے ایک ایک دائرہ کا حصہ کھینچا جائے اور طلباء کو سایہ کا مشاہدہ کرایا جائے۔ مشاہدہ کرنے سے معلوم ہوگا کہ سایہ پہلے گھٹتا اور پھر بڑھتا جاتا ہے۔ اور طلباء اس بات کا مشاہدہ کریں گے کہ سایہ کی لمبائی پہلے سایہ کی لمبائی کے برابر ہے اس نقطہ پر نشان کر دیا جائے اور یہ دو نقطے ملا دے جائیں اور اس خط کی تنصیف کیجائے جیسا کہ شکل میں



دکھایا گیا ہے۔

مرکز	ا		اور اس لکیر کے دو حصّہ کردے
پہلا سایہ	ا	ب	
دوسرا سایہ	ا	ج	جائیں۔ اور نقطہ د سے الف
لکیر	ب	ج	
نقطہ	د		ملا دیا جائے ا د دو لکیر ہوگی

جو ٹھیک شمال اور جنوب کی سمت بتلائے گی۔ ابتدائی مدارس کی استادوں کو اس بات سے پریشان نہ ہونا چاہیئے کہ یہ اقلیدس کا جھمیلا ہے! نہیں! بلکہ شمال اور جنوب کے سمت معلوم کرنے کا بہت ہی آسان اور معمولی طریقہ ہے۔ جو کہ ہر شخص کو جاننا چاہیئے۔ اس طریقہ میں غلط فہمی کا احتمال نہیں ہے قطب نما سے جو اسمت معلوم کئے جاتے ہیں۔ اس سے مذکورہ بالا طریقہ دیہاتی مدارس کیلئے زیادہ آسان اور مفید ہے۔

ف ۱ دیہاتی مدارس کے جغرافیہ کا سال بھر کا ریکارڈ یہ ہی ہونا چاہیئے۔ اس کے بعد طلبار کو حسب ذیل معلومات یاد کرائی جائیں۔

ف ۲ مدرسہ کی کونسی دیواروں پر سورج کی کرنیں پہلے نظر آتی ہیں۔ ان کرنوں کو کس سمت سے دیکھنا چاہیئے۔ کونسی دیواروں پر صبح کی دھوپ اور کونسی دیواروں پر شام کی دھوپ پڑتی ہے اگر استاد کے پاس گھڑی ہو تو سورج نکلنے اور چھپنے کا وقت معلوم کرے یہ معلومات عموماً جنتریوں میں درج ہوا کرتی ہیں۔ اس سے مطابقت کی جائے اور حسب ذیل ریکارڈ مدرسہ میں رکھا جائے۔

طلوع وغروب کا ریکارڈ

		طلوع	غروب	مدت
پہلا ہفتہ	جنوری	۶ - ۳۶	۵ - ۳۳	۱۰ - ۵۷
دوسرا	〃	۶ - ۳۷	۵ - ۳۷	۱۱ - ۵
تیسرا	〃	۶ - ۳۸	۵ - ۴۲	۱۱ - ۴
چوتھا	〃			
پہلا	〃	فروری		
دوسرا	〃	〃		
تیسرا	〃	〃		

اس ریکارڈ کی مدد سے حسب ذیل سوالات طلبا سے کئے جائیں

س نمبر ۱ کیا دن اور رات برابر ہوتے ہیں۔

س نمبر ۲ دن کب بڑا ہوتا ہے۔ اور رات کب۔

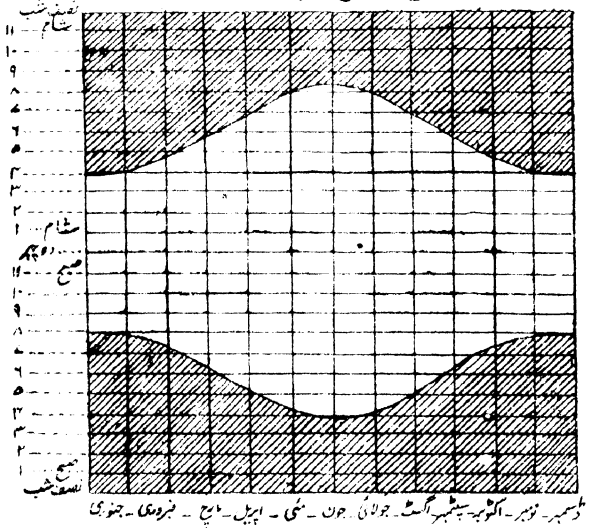
س نمبر ۳ دن چھوٹا کب ہوتا ہے۔ اور رات کب۔

اس سالانہ ریکارڈ کی مدد سے ایک نقشہ تیار کیا جائے جس سے معلوم ہو سکے کہ روزانہ سورج افق سے اوپر کتنی دیر رہتا ہے گویا دن کتنا بڑا ہوتا ہے۔ جو حسب ذیل ہیں۔ یہ معلومات صرف ۱۹۲۵ء کیلئے ہیں

	طلوع	غروب	مدت
جنوری	۶ - ۳۵	۵ - ۳۱	۱۵ - ۵۶
فروری	۶ - ۳۶	۵ - ۵۱	۱۱ - ۱۵
مارچ	۶ - ۲۰	۶ - ۴	۱۱ - ۴۴

اپریل	۵ - ۵۵	۶ - ۱۲	۱۲ - ۱۷
مئے	۵ - ۳۳	۶ - ۲۰	۱۲ - ۴۷
جون	۵ - ۲۳	۶ - ۳۱	۱۳ - ۸
جولائی	۵ - ۲۷	۶ - ۳۹	۱۳ - ۱۲
اگسٹ	۵ - ۳۷	۶ - ۳۴	۱۲ - ۵۷
ستمبر	۵ - ۴۶	۶ - ۱۳	۱۲ - ۲۷
اکٹوبر	۵ - ۵۲	۵ - ۴۷	۱۱ - ۵۵
نومبر	۶ - ۲	۵ - ۲۵	۱۱ - ۲۳
ڈسمبر	۶ - ۱۸	۵ - ۱۶	۱۲ - ۱

تختہ مندرجہ بالا پر مہینے کے غرہ کا طلوع اور غروب کا وقت بتلایا گیا ہے۔ جو معمولی جنتری کی نقل ہے۔ تیسرے خانہ میں سورج کی روشنی کی روزانہ مدت بتائی گئی ہے یعنے کتنے گھنٹے سورج افق کے اوپر رہا جس سے دنیا کو روشنی حاصل ہوتی ہے۔



تصویر نمبر ۴

یہ گراف صرف اُستاد کے لئے مقصود ہے جس سے سال بھر کا بڑا اور چھوٹا دن ایک نظر میں معلوم ہو جاتا ہے عمودی خطوط سال بھر کے بارہ مہینے بتلاتے ہیں۔ اور افقی دن کے چوبیس گھنٹے افقی خطوط کی درمیانی لکیر دوپہر کا وقت اور سرے نصف شب ظاہر کرتے ہیں تصویر میں سیاہ حصّہ رات کا وقت اور سفید دن کا ہے۔ جس سے سال بھر بڑا اور چھوٹا دن طلبا، ایک نظر سے معلوم کر سکتے ہیں۔

منگیش راؤ

سبق الاشیا

از عابد حسین خاں بی۔ اے۔ صدر مدرس مدرسہ وسطانیہ سنگاریڈی

توجہ دلچسپی۔ مشاہدہ۔ مطالعہ غور و خوض۔ یہ سب صفات کم و بیش ہر سمجھدار انسان میں پائے جاتے ہیں لیکن جن افراد میں یہ صفات بدرجہ اتم موجود ہوتے ہیں۔ وہ رہبر۔ لیڈر۔ پیشوا۔ یا حکیم کے نام سے شہرت پاتے ہیں اور بنی نوع انسان میں بڑی قدر و منزلت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ دنیا انہیں سر آنکھوں پر جگہ دیتی ہے۔ اور انکا نام ابدالاباد تک تاریخ کے زرین صفحات کو مزین کرتا ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ فطرت نے اِن مشہور افراد میں سے بعض کے ساتھ غیر معمولی فیاضی اور سیر چشمی روا رکھی اور انہیں بہت سی خوبیاں ودیعت فرمائیں لیکن اِن مشاہیر کی ایک بہت بڑی تعداد ابتدا میں ہماری طرح عام استعداد رکھتی تھی۔ اور کوئی بات اُن کے معاصر اور ہم چشموں کو ان میں ایسی

نظر نہیں آتی تھی۔ جو اُن کے لئے باعث امتیاز و فضیلت تصور کی جاتی۔ کون جانتا تھا کہ ایتھنز کا ایک لکنت کرنے والا معمولی شہری ایکروز یونان کا مایۂ ناز مقرر بن جائیگا؟ کسے خبر تھی کہ شیراز کا ایک ادھیڑ عمر جاہل انسان ایشیا کا ایک ممتاز اور نامور فاضل و مصنف اور زبردست فلاسفر بنکر رہے گا؟

لیکن زمانہ نے دیکھ لیا کہ جب ان بزرگوں میں احساس پیدا ہوا اور انہوں نے اپنے قولِ مطلق کو کام میں لاکر مطالعہ اور مشاہدہ سے کام لیا تو چند روز میں اس عالمِ گمنامی سے بلند ہو کر افق شہرت کے درخشاں ستارے بن گئے۔

یہی وجہ ہے کہ جملہ مذاہب خصوصاً اسلام نے بار بار مطالعہ، مشاہدہ غور و خوض اور توجہ کی عادت ڈالنے کے لئے جابجا تاکید کی ہے۔ کہیں حکم ہوتا ہے کہ "آسمان اور زمین کی بناوٹ کو دیکھو" کبھی ارشاد ہوتا ہے کہ "دن رات کے ردّ و بدل میں عقلمندوں کے لئے قدرت الٰہی کی نشانیاں موجود ہیں" کبھی پہاڑوں کی ساخت کی طرف ہماری توجہ مبذول کرائی جاتی ہے کبھی ہمیں انگور اور کھجور کے درختوں کی حالت پر غور کرنے کا حکم ہوتا ہے۔ غرض ہر وقت اسی بات کی تاکید ہے کہ غور و فکر سے کام لو۔ مشاہدہ اور مطالعہ کی عادت ڈالو۔ کیا ایسی صورت میں ہمپر یہ لازم نہیں آتا کہ ہم نہ صرف خود اس ہدایت پر کاربند ہوں بلکہ اپنے نوعمر بچوں کو بھی ابتدا ہی سے ایسی باتوں کا عادی بنائیں جن کی بدولت وہ ایکروز نہ صرف مکمل انسان بلکہ اعلیٰ درجہ کے فلاسفر طبیب

لہ مراد ڈیموستھنیز سے۔ جو ابتدا میں اس قدر لکنت کرتا تھا کہ اُس سے بات تک کرنا مشکل تھا لیکن چونکہ اسوقت یونان میں علم و حکمت کا دور دورہ تھا اور فصحا کی بڑی قدر کی جاتی تھی اسلئے ڈیموستھنیز نے اپنی اصلاح اسطرح کی کہ وہ ہر روز منہ میں کنکریاں بھر کر سمندر کی موجوں کے سامنے تقریر کرتا رہا۔

لہ مراد حضرت شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی رحمتہ اللہ علیہ سے ہے۔

عالم۔ قائد۔ شاعر اور لیڈر بن سکیں!

حقیقت یہ ہے کہ نوعمر بچوں حتیٰ کہ شیر خواروں میں بھی اللہ تعالیٰ نے ابتدا ہی سے یہ اوصاف ودیعت کئے ہیں۔ بس فرق صرف اتنا ہے کہ ہماری عمر کی ترقی کے ساتھ ساتھ رفتہ رفتہ ہماری قوتیں بھی ترقی کر جاتی ہیں۔ اُن کی کمسنی کے باعث اُن کی قوتیں ہنوز مسافت کی پہلی ہی منزل میں موجود ہوتی ہیں۔ وہ ہماری ہمدردی اور رہنمائی چاہتی ہیں۔ اور اگر ہم تھوڑا سا بھی ایثار نفس گوارا کرلیں اور اُن کی مدد پر کمربستہ ہو جائیں تو وہ بہت جلد اپنی کٹھن منزل کو طے کرلیں۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ ایک شیر خوار بچہ جب کسی نئے انسان یا کسی چیز کو دیکھتا یا کوئی نئی آواز سنتا ہے تو وہ کس توجہ اور انہماک کے ساتھ اُس پر غور کرتا ہے اور جب اُس کی قوت ممیزہ کسی قدر ترقی پکڑ جاتی ہے۔ اور وہ ایک گونہ اپنے خیالات کے اظہار پر قادر ہو جاتا ہے۔ تو وہ کیسی نئی چیز کو دیکھنے کے ساتھ ہی اپنی ماں کے پاس دوڑا ہوا آتا ہے اور بے اختیار چلا اُٹھتا ہے۔ "اماں! دیکھو۔ وہ کیسی اچھی چیز ہے"! اماں! دیکھو یہ کیسا بولتا ہے" "اماں" یہ لال لال کیا ہے"! اگر جاہل ماں ایسی حالت میں بجائے عقلی ہمدردی اور رہنمائی کے بچہ کو غصہ سے یہ کہکر ڈانٹ دے کہ "چلو" تو بچہ کے قویٰ میں اضمحلال پیدا ہو جاتا ہے اور اُس کی قوت مطالعہ و مشاہدہ بار بار کی ڈانٹ ڈپٹ سے مردہ ہو جاتی ہے بخلاف اس کے اگر ماں عاقل و ہوشیار ہے تو وہ توجہ اور ہمدردی کے ساتھ اُس کے تجربات کو سنتی اور اُس سے نئے سوالات دریافت کرتی ہے اور جب بچہ کا ذاتی تجربہ اور مشاہدہ کسی سوال کا جواب دینے سے قاصر رہتا ہے تو وہ حسب موقع اُس کو امداد بہم پہونچاتی ہے۔ بلکہ بعض وقت کوئی نئی بات بتلا کر بچہ کا مذاق اُڑاتی ہے۔ اور اس پر یہ ظاہر کرتی ہے کہ "دیکھو میں

تم سے زیادہ جانتی ہوں"۔ ایسی حالت میں بچہ کی خودداری اور غیرت جوش مارتی ہیں اور وہ دیگر سوالات کا جواب بڑی توجہ اور غور و فکر کے ساتھ دیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُس کی قوت مطالعہ و مشاہدہ چند ہی روز میں بیحد ترقی کر جاتی ہے۔

مگر آج کل ہمارے مدارس میں جس چیز کی طرف سے سب سے زیادہ بے اعتنائی برتی جاتی ہے۔ وہ سبق الاشیاء کا مضمون ہے بعض اُستادوں نے تو بچوں کو کسی چیز کی بابت محض کچھ نئی باتیں بتلا دینے کا نام ہی سبق الاشیاء رکھ چھوڑا ہے۔ اور اس کی اصل غرض و غایت کی طرف سے مطلق بے خبر نظر آتے ہیں۔ وہ خود بچوں کو غور و خوض اور مطالعہ و مشاہدہ کا بالکل موقع نہیں دیتے۔ جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہمارے ہونہار بچوں کی وہ بیش بہا قوتیں جنپر قوموں کی تعمیر اور انہدام۔ ترقی و تنزل موت و زیست کا مسئلہ موقوف ہے۔ خاطر خواہ نشو و نما نہیں ہونے پاتیں۔ وہ محض ایک ایسی ماجہ کی مشین بنکر رہجاتے ہیں جو فقط وہی راگ الاپتی ہے جو اُس میں پہلے سے بھر دیے گئے ہیں۔ اُن میں جدّت۔ ذہانت۔ اختراع اور ایجاد کا مادہ بالکل باقی نہیں رہتا۔ لیکن اگر اُستاد ایک سمجھدار ماں کی طرح بچوں کو معلوم اور مفرد چیزوں کے ذریعہ سے غیر معلوم اور مرکب و پیچیدہ باتوں کی طرف رفتہ رفتہ راغب کرتا ہے اور اُن میں اس قسم کی دریافت اور شناخت کی صلاحیت اور شوق پیدا کر دے۔ تو کچھ عرصہ کی مشق کے بعد طلباء کا یہ فطری جذبہ اُنکی عادت ثانیہ بنجائے۔ اور اُن میں وہ عجیب قوت پیدا ہو جائے جس کے اندر ہمارے اسلاف کی ترقی اور یورپ و امریکہ کی موجودہ برتری کا راز مضمر ہے انگلستان کے مشہور و معروف حکیم ہربرٹ اسپنسر نیز اُس کے پیشرو حکیم بیکن کی رائے

یہ ہے کہ بچہ کو ابتدا میں سادہ چیزوں سے جنکی ساخت پیچیدہ نہیں ہے واقف کرانا چاہئے اور جب وہ ان چیزوں کی تمام خاصیتوں سے واقف ہو جائے تو اُس سے انہی ترکیب سے اُن چیزوں کی پوری پوری جانچ پڑتال کرانی چاہئے۔ جن کو وہ اپنی روزانہ سیر و تفریح میں جمع کرتا ہے یعنی جو چیزیں زیادہ مشکل نہیں ہیں" سب سے پہلے طلبا کی توجہ پودوں اور درختوں کی شکلوں۔ شاخوں کی کمی و بیشی۔ پھول اور کلیوں کی رنگت۔ پتوں اور پھولوں کی ساخت۔ جانوروں کے قد و قامت جسامت۔ درازی شکل و صورت آواز۔ رنگ اور اُن کے کارہائے معلومہ کی طرف مبذول کرانی چاہئے اور جب طلبا کو ان چیزوں پر عبور حاصل ہو جائے تو بتدریج اُن کی توجہ زیادہ مشکل اور پیچیدہ واقعات کی طرف مثلاً درختوں اور پھولوں کا باہم مقابلہ۔ اختلاف کی موٹی وجہ پتے چھال اور تنہ کی ترکیب اور کیفیت جانوروں کے جسموں کا باہم مقابلہ اور اختلاف کا سبب اور انکا اثر جسموں کی تقسیم وغیرہ وغیرہ باریک اور دقیق باتوں کی طرف منعطف کرانی چاہئے اور جو طریقہ تعلیم اختیار کیا جائے وہ ایسا ہونا چاہئے جس سے بچہ کو اثبات کا حوصلہ پیدا ہو کہ جو نئی شے وہ دیکھے یا اُس کو دستیاب ہو اُسکی بابت جو کچھ وہ بیان کر سکتا ہو بلا تکلیف بیان کرے" اُستاد کو یہ نہ چاہئے کہ وہ خود سب کچھ بیان کر دے کیونکہ ایسی صورت میں جو کچھ بتلایا جائیگا وہ اُستاد کا تجربہ اور مشاہدہ ہوگا۔ بچہ کو خود اپنے قوائے ذہنی کام لینے کا بالکل موقع نہ ملیگا۔ اور جس غرض و غایت کو مدنظر رکھکر سبق دیا جائیگا وہ ایسی صورت میں بالکل مفقود ہو جائے گی۔ اُستاد کو لازم ہے کہ وہ خود کو محض ایک گائیڈ اور رہنما تصور کرے اور صرف اُسیوقت بچہ کو حسب ضرورت امداد

بنیاد اُس کا نوعمر راہ رو راستہ بھٹکنے لگے۔ وہ ہمیشہ یہ خیال پیش نظر رکھے کہ اُس کا کام بچہ میں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی صلاحیت پیدا کرنا ہے۔ تاکہ وہ نوعمر راہ رو خیالی دوڑ دھوپ کی لذت سے آشنا دور ہو کر خود میدان فطرت میں جولانیاں کرنے کے قابل ہو جائے۔

ذیل میں بعض نوعمر مدرسین کی رہنمائی کے لئے ایک سبق جو جماعت اوّل کے طلبا کے لئے تیار کیا گیا ہے درج کیا جاتا ہے اُمید ہے کہ وہ سبق الاشیاء پڑھاتے وقت اس ترتیب اور غرض و غایت کو ہمیشہ مدنظر رکھیں گے۔

بلّی

اشیاء ذیل کا موجود رہنا ضرور ہے:۔ روٹی۔ گھانس اور لکڑی کے چند ٹکڑے۔ کپڑے کی گیند۔ اگر ممکن ہو تو کتا بھی مدرسہ کے احاطہ میں لایا جائے اور چونکہ سبق کئی روز میں تمام ہوگا اس لئے استاد بچوں کو بھیڑ۔ بکری۔ بھینس وغیرہ بھی بآسانی دکھلا سکتا ہے۔

نمبر شمار	مشاہدہ	مقابلہ	تجربہ	وجہ	نتیجہ
۱ (۱)	شکل و صورت۔ گول چمکدار آنکھیں۔ زرد	آدمی کی آنکھیں ایسی چمکدار نہیں	کمرہ میں اندھیرا کر کے ایک روٹی کا ٹکڑا ڈالا جائے۔ آدمی کو نہیں دیکھیگا مگر بلی دیکھ لیگی	کیونکہ بلی کی آنکھ زیادہ چمکدار ہیں	(۱) بلی اندھیرے میں دیکھ سکتی ہے۔ (۲) چمکدار آنکھیں تیز ہوتی ہیں۔
(۲)	ملایم اور بڑے کان	کتے کے کان بھی ملایم اور لمبے ہوتے ہیں مگر آدمی کے نہیں۔	کوئی خفیف آواز کی جائے بلی فوراً کان کھڑے کرلے گی۔	کیونکہ اُسکو اپنے شکار کی آہٹ اور آواز سننے کی ضرورت ہے	بلی آدمی سے زیادہ سن سکتی ہے۔
(۳)	گول چوڑا منہ	بکری کا منہ ایسا چوڑا اور گول نہیں ہوتا	بچوں کو ایک ایک گھانس کا ٹکڑا دیا جائے اور اسکے بعد ایک ایک لکڑی کا ٹکڑا دانت سے کاٹنے کو دیا جائے لکڑی سخت ہوگی۔	کیونکہ بلی گوشت ہڈی اور سخت چیز بھی کھاتی ہے۔	بلی کا منہ مضبوط ہوتا ہے

نمبر شمار	مشاہدہ	مقابلہ	تجربہ	وجہ	نتیجہ
(۴)	تیز دانت۔	بکری کے دانت اتنے تیز نہیں ہوتے۔	تجربہ سابقہ	وجہ سابقہ	بلی کے دانت مضبوط ہوتے ہیں۔
ب	جسم کی ساخت				
(۱)	لمبا مضبوط۔ لوچدار	بھیڑ کا جسم ایسا مضبوط اور لوچدار نہیں ہوتا البتہ گائے کا ایسا ہی مضبوط اور لوچدار ہوتا ہے۔	اگر ممکن ہو تو کسی روز مدرسے کے باہر ایک بلی اور گائے کو بھڑکا کر دیکھا جائے بھیڑ تیز نہیں بھاگ سکے گی۔	کیونکہ بلی کو شکار پکڑنے کے لئے تیز دوڑنا پڑتا ہے۔	بلی ایک پھرتیلی اور تیز دوڑنے والی جانور ہے.....
(۲)	پنجے تیز ناخن دار ہوتے ہیں	بکری یا بھیڑ کے پاؤں ناخن دار نہیں ہوتے۔	کپڑے کی گیند بلی اور بھیڑ کے سامنے ڈالکر دیکھی جائے بھیڑ منہ سے سونگھ کر چھوڑ دیگی یا منہ نہ ڈالے گی۔ مگر بلی فوراً دوڑ کر اسے پنجوں کی مدد سے دبوچ لے گی۔	کیونکہ بلی کو پنجوں سے شکار کرنا ہوتا ہے۔	بلی ایک شکاری جانور ہے۔

مذکورہ بالا سوالات کے علاوہ طلبا سے یہ بھی دریافت کیا جائے کہ انہوں نے کس کس رنگ کی بلیاں دیکھی ہیں۔ جنگلی اور پلاؤ بلی میں کیا فرق ہے۔ لوگ بلی کیوں پالتے ہیں۔ لیکن مناسب ہوگا کہ اس قسم کے سوالات زیادہ تر ان لڑکوں سے دریافت کئے جائیں جن کے گھروں میں خود بلیاں پلی ہوئی ہوں ایسے لڑکوں سے بلی کی خوراک اور عادات کی نسبت بھی دریافت کیا جا سکتا ہے

اُستاد کو سبق الاشیاء پڑھاتے وقت حسب ذیل باتوں کا ضرور خیال رکھنا چاہیئے۔

(۱) سبق ایسے اشیاء کی بابت ہو کہ جنہیں ہر بچہ نے بچشم خود بارہا دیکھا اور تجربہ

کیا ہو۔

(۲) کوئی ایسی شئے سبق کے لئے انتخاب نہ کی جاوے جو اُستاد اصلی یا نقلی (یعنے تصاویر اور ماڈل وغیرہ) کے ذرائع سے طلبار کے ذہن نشین نہ کرا سکے۔

(۳) طلبار کی ہمت افزائی کیجاوے اور اُنسے کہا جاوے کہ وہ مختلف اقسام کی اشیار کے نمونے اُستاد اور طلبار کو دکھلائیں اور اُنکی بابت اپنے مشاہدات وتجربات بیان کریں۔

(۴) طلبار سے اشیار کا خاکہ اور اُنکی مورتیں بنوائیں۔ یعنی سبق الاشیار کو دیگر اسباق کے ساتھ دلچسپ طریقہ پر ملا دیا جائے۔

(۵) طلبار کو ہر وقت دلچسپ گفتگو اور سوال وجواب کے ذریعہ سے منہمک اور متوجہ رکھا جائے۔

(۶) اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا جائے کہ بچوں کا بیان دن بدن زیادہ واضح اور صحیح ہوتا جائے۔

(۷) سبق ہمیشہ پہلے سے تیار کر لیا جائے

تبصرہ

روئداد کانفرنس تعلیمی ضلع لنگنڈہ

مولوی ملک سردار علی [illegible] ضلع لنگنڈہ نے حال میں ہمارے یہاں کانفرنس تعلیمی کی روئداد روانہ فرمائی ہے۔ کانفرنس کے معلومات کیلئے ہم نے اس پر مختصر تبصرہ کر دیا ہے۔ روئداد کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ کانفرنس ۲۷ مرد سے ۲۹ مرد سنہ ۱۳۳۳ف کی نسبت مدرسہ وسطانیہ لنگنڈہ میں جاری ہی

اوقات اجلاس روزانہ نو ساعت تا بارہ ساعت دو ساعت تا ساڑھے چار ساعت تھے۔
رپورٹ سے تعداد شرکا کا پتہ نہیں چلتا لیکن مقررین کے کثرت سے ظاہر ہوتا ہے کہ شرکا کی تعداد معقول رہی گی۔ رپورٹ کی تمہید کے چند سطور بجنسہ ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں جس سے کانفرنس کے حالات پر روشنی پڑے گی "خدائے عزوجل کا شکر ہے کہ اس سال کی کانفرنس بمقابلہ سالگزشتہ نہایت کامیاب رہی۔ گزشتہ کانفرنس نے مدرسین میں ایک ایسا تعلیمی جوش اور اہل جل پیدا کردی کہ سال حال بہ نسبت سال ماسبق شرکا کی تعداد تقریباً دوچند رہی۔ شرکا کی کثرت اور ان کا دور دراز فاصلہ طے کرکے شریک کانفرنس ہونا ان کے دلی جوش اور دلچسپی کو ظاہر کرتا ہے"۔

کانفرنس کے ساتھ نمائش تعلیمی بھی قائم کی گئی تھی جس میں کنڈرگارٹن کے نمونہ نقشہ جات ڈرائنگ تصاویر اسٹورن کاری کے نمونے۔ اصطلاحات جغرافیہ کے ماڈل وغیرہ فراہم کئے گئے تھے صحن مدرسہ میں حیدرآباد و گلکنڈہ، ہندوستان کے سطحی نقشے تیار کئے گئے تھے اور کوہ آتش فشاں مدرسہ کی عمارات اور باغ کا چھوٹا سا نمونہ تیار کیا گیا تھا۔

کانفرنس کے انتظامات کیلئے ایک کمیٹی قائم کیگئی تھی جس کے اراکین ناظر صاحبان اور اہلکاران دفتر مہتمی تھے۔

رپورٹ کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ۳۲ شرکا نے عملی حصہ لیا بعض تقریریں اور زرولیوشن نہایت دلچسپ تھے۔ اِن سب کا ذکر ایک مختصر تبصرہ میں ناممکن ہے بالاجمال چند تقریروں پر نظر ڈالی جاتی ہے۔

اعلیحضرت بندگانعالی کی مدح میں مولوی سعادت اللہ خاں صاحب مولوی کامل صدر مدرس مدرسہ وسطانیہ کا قصیدہ بہت پر لطف ہے اور ان کی قابلیت کی زندہ مثال۔

صدر نشین صاحب نے مدرسین کی تخصیت کے متعلق اپنے خطبہ افتتاحیہ میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے ان سے ہر مدرس کو واقف ہونا چاہئے۔

مولوی ملک سردار علی صاحب مہتمم تعلیمات ضلع نلگنڈہ معتمد کانفرنس نے حقوق و فرائض صدر مدرسین و مددگاروں اور مشاہدہ فطرت پر نہایت شرح و بسط کیساتھ تقریر فرمائی ہے۔ تقریریں تھیں بلکہ یہ نظم و نسق مدرسہ اور مشاہدہ فطرت پر دو مختصر سے کتابچے تھے تو بیجا نہ ہوگا یہ مضمون بھی اس قابل ہے کہ مدرسین کی نظر سے گذرے۔

مولوی افتخار علیخاں صاحب صدر مدرس مدرسہ وسطانیہ سریا پیٹ کی تقریر تاریخ کے فوائد اور اس کا دوسرے مضامین کے ساتھ مثالیں دیتے ہوئے مولوی صاحب نے اپنے دعووں کو ثابت کیا ہے۔ مضمون محنت سے تیار کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ دوسرے مضامین بھی کم و بیش اچھے اور عرق ریزی سے تیار کئے گئے ہیں۔

ہم مولوی ملک سردار علی صاحب اور ان کے دیگر کارپردازان و منتظمین کانفرنس کو دلی مبارکباد دیتے ہیں کہ ان کی سرگرمی، دلچسپی اور غیر معمولی مستعدی کی وجہ ایک نئی چیز یعنی کانفرنس وجود میں آئی اور نہایت کامیاب ثابت ہوئی۔ ہم کو معلوم ہوا کہ ضلع محبوب نگر، میدک اور نظام آباد میں بھی اس قسم کی کانفرنس منعقد ہوئی ہیں اگر مما لک محروسہ سرکار عالی کے باقی اضلاع بھی ان کی تقلید کریں تو مناسب ہوگا

رپورٹ دیر میں شائع کیگئی۔ اس قدر تعویق نہ ہونی چاہئے تھی۔ ہم ناظرین المعلم کی خدمت میں تحریک کرتے ہیں کہ اس رپورٹ کو خرید کر ضرور مطالعہ فرمائیں

رپورٹ کا حجم ۳۲ صفحہ ہے طباعت وغیرہ چنداں بری نہیں قیمت درج نہیں ہے۔ مہتمم صاحب تعلیمات ضلع نلگنڈہ سے رپورٹ طلب کر لیجا سکتی ہے

شذرات

تار کلف ہائی اسکول شولاپور میں ایک انجمن طلبا کا افتتاح کیا گیا۔ مسٹر نبر اسٹر نے اپنی تقریر میں بیان کیا کہ انجمن کے قیام کی غائت یہ ہے کہ طلبا وقتاً فوقتاً ذی علم حضرات کو انجمن میں لکچر دینے اور تقریریں کرنے مدعو کیا جائے تاکہ طلبا کے خیالات میں اضافہ ہو اور ملک کے سربرآوردہ علما سے ملاقات کرنے کا ان کو موقع ملے۔

ترکی کی درس گاہیں مندرجہ ذیل انواع میں منقسم ہیں۔
(۱) مطالعہ سائنس کی درس گاہیں (۲) ادبی درس گاہیں (۳) فن لطیفہ کی درسگاہیں (۴) منعتی درسگاہیں۔ (۵) غیر سرکاری درسگاہیں۔

استنبول کی یونیورسٹی میں طلبا کو وہ تمام علوم پڑھائے جاتے ہیں جنکی تعلیم دنیا کی اس قسم کے دیگر کالجوں میں دیجاتی ہے۔ غیر زبانیں مثلاً انگریزی فرانسیسی اور جرمنی بھی پڑھائی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ تاریخ عثمانیہ ترکی۔ فارسی۔ عربی علم ادب کی تحصیل بھی ضروری ہے یونیورسٹی میں پروفیسروں کی تعداد حسب ذیل ہے

(۱) دینیات اور علمی زبانیں	۱۵ پروفیسر	(۵) ریاضی	۱۵ پروفیسر
(۲) سیاسیات و تجارت	۱۸ "	(۶) قانون	۲۱ "
(۳) علوم ادبیہ	۲۳ "	(۷) انجینیرنگ	۱۰ "
(۴) سائنس	۱۹ "		

ترکی میں عورتوں کو ہر جگہ آزادی کے ساتھ تعلیم حاصل کرنے کی اجازت ہے ... ایک درسگاہ ہے جو اعلیٰ طبقہ کی عورتوں کے لئے ہے اس میں تقریباً ... عورتیں پڑھتی ہیں پرنسپل ایک ترکی خاتون ہے جو ڈگری ... اس کے علاوہ کئی مدارس نسواں ایسے ہیں کہ جن میں فن مصوری سنگ تراشی

معماری وغیرہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔

جرمن یونیورسٹیوں کی جانب سے حال میں جو اعداد و شمار شائع کئے گئے ہیں ان سے ظاہر ہے کہ یونیورسٹیوں میں تعلیم پانیوالی جرمن لڑکیوں کی تعداد ۱۹۲۳ء میں آٹھ ہزار پانسو اکانوے ہوگئی تھی (حالانکہ ۱۹۱۴ء میں تعداد چار ہزار تھی) لیکن اس میں تخفیف ہوگئی ہے اور سات ہزار چار سو چوہتر کی تعداد رہ گئی ہے۔ پہلے عورتیں جن دو پیشے اختیار کرتی تھیں پیشہ طبابت اور پیشہ معلمی لیکن اب وہ تعداد کثیر میں اقتصادیات اور قانون کی جانب توجہ کر رہی ہیں تاکہ ملک کی اقتصادی اور معاشرتی زندگی میں زیادہ حصہ لیں لیکن بہت سی عورتوں نے دواسازی اور علوم طبعیات سے متعلق پیشے بھی اختیار کئے ہیں باوجودیکہ ان شعبوں میں مقابلہ نہایت سخت ہوتا ہے بعض عورتیں صنعتی یونیورسٹیوں میں انجنیری اور صنعتی تعلیم بھی حاصل کر رہی ہیں۔ برلن میں یونیورسٹیوں میں تعلیم پانیوالی لڑکیوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے ۱۹۲۴ء کے موسم بہار میں انکی تعداد ایک ہزار تین سو سینسٹھ تھی میونک میں آٹھ سو چھیانوے کولون میں پانسو دو فیرسرگ میں تین سو پچہتر۔ فرانکفورٹ میں پانسو تیس لیپزگ میں تین سو اناسی ہمبرگ میں تین سو اڑتالیس۔ ہیڈلبرگ میں دو سو چھپن۔ ماں تین تین سو سینتیس برسلاؤ تین سو اٹھہتر منسٹر میں دو سو پچاس۔ ارمبرگ میں دو سو چھپن گاٹنجن میں دو سو پینسٹھ جنیا میں دو سو ساٹھ ٹوبنجن میں دو سو پانچ ورزبرگ میں ایک سو سینسٹھ کانگزبرگ میں ایک سو اٹھہتر کیلی میں ایک سو پچہتر۔ ہالے میں ایک سو بہتر گیسن میں ایک سو پانچ گرنیز والد میں ایک سو پندرہ اور ارلانگن میں اٹھہتر

انٹر یونیورسٹی بورڈ کا جلسہ ۲۲ مارچ روز دوشنبہ کو بمبئی یونیورسٹی کی لائبریری میں انٹر یونیورسٹی بورڈ کا پہلا جلسہ منعقد ہوا اگر اخبار کے نمایندوں کو اس میں شریک ہونیکی اجازت نہ تھی ہندوستان کی مختلف یونیورسٹیوں کی جانب سے مختلف حضرات نے اس میں شرکت کی عثمانیہ یونیورسٹی کے جانب

نواب حیدر نواز جنگ بہادر صدر المہام فینانس نے شرکت فرمائی۔

اے۔ بی پیٹرو وزیر تعلیمات مدراس نے بحیثیت صدر نشین جلسہ اساتذہ سیدا پیٹ ٹیچرز کالج تعلیم ثانویہ کے نصاب کی تبدیل کے متعلق چند دلچسپ خیالات کا اظہار فرمایا۔

(۱) یہ کہ نصاب ایسا ہو کہ تعلیم کو موجودہ حالات زمانہ کے موافق کردے۔

(۲) یہ کہ اساتذہ جب ٹریننگ سے فارغ ہو کر اپنے اپنے مقامات پر واپس جائیں تو ان مقامی حالات پر غور کر کے اپنے کام کا پروگرام مرتب کریں اور کام شروع کریں۔

(۳) دیہاتی طلبہ کیلئے علاوہ عام تعلیم کے تعلیم زراعت اور ان شعبوں کی تعلیم جو دیہاتیوں کیلئے ضروری ہے شامل کیجائے۔ ۴ جماعتیں ان کیلئے کافی ہے اور نہ آئندہ زندگی کیلئے نفع بخش ہو سکتی ہے۔

(۴) سر پیٹرو نے بیان کیا کہ آئے دن میٹرک کامیاب نوجوانوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے اور انمیں سے اکثر وہ نوجوان جو اعلیٰ تعلیم حاصل نہیں کر سکتے ذریعہ معاش کی تلاش میں سرگرداں پھرتے ہیں اور جب کوئی ذریعہ نہیں پاتے تو نا امید اور بددل ہو جاتے ہیں۔ اس صورت حال کے اندفاع کیلئے سر پیٹرو نے تحریک کی کہ تعلیم ثانوی کے ساتھ صنعت و حرفت کی تعلیم شریک کیجائے جسکی ابتداء طبقہ وسطانیہ میں ہو اور طبقہ فوقانیہ میں یہ لازمی کر دیجائے۔ دیہاتی علقوں میں زراعت اور دستکاری پر زور دیا جائے۔ یونیورسٹی میں داخل ہونیوالے طلبہ کی تعداد اس اسکیم سے محدود ہو جائیگی صرف طلبہ کالجوں میں جائینگے جو اعلیٰ تعلیم کیلئے قابل سمجھے جائیں گے۔

ناگپور کے مسٹر وی۔ بی مہاجن جو یونیورسٹی کے ایک طالبعلم رہے یونیورسٹی کیلئے اپنی وصیت میں ۵ ہزار روپیہ چھوڑ گئے ہیں

مہاراجہ صاحب ریاست راج پیلا نے اعلان کیا ہے کہ آئندہ ان کی ریاست میں ابتدائی تعلیم مفت ہوگی۔

آلہ باد یونیورسٹی نے اعلان کیا ہے کہ یہ ۴ وظیفے برطانیہ میں تعلیم حاصل کرنیکے لئے دیگی۔ ایک وظیفہ لڑکی کیلئے اور ۳ لڑکوں کیلئے ہونگے۔ ہر چہار وظائف گرائجویٹس کو دئے جائیں گے۔

دفتر معتمدی فینانس سے گشتی جاری ہوئی ہے کہ کم خورد و سنہ رواں سے تمام دفاتر سرکار عالی سامان صاد روغیرہ بازار کے عوض سرکاری ڈپو سے خریدیں ورنہ نقد رقم جاری نہ ہوسکیگی فقط

اشتہارات

مفتاح التعلیم
مولفہ
سید محمد حسین صاحب مفتاح بی اے (آکسن)

اردو میں یہ پہلی کتاب ہے جس میں سلیس زبان عام فہم پیرائہ میں یورپ کے جدید ترین اصول و طریقہ تعلیم کنڈرگارٹن تحریر کئے گئے ہیں اور ایسے طریقہ پر بتلائے گئے ہیں جس کے مطابق تعلیم مدارس تحتانیہ لاع میں ہو سکتی ہے اس میں جا بجا تصاویر دیگر مطلب واضح کیا گیا ہے قیمت فی جلد دو روپیہ سکہ [illegible] علاوہ محصول ڈاک

نوٹ ابتک فقر رسالہ المعلم میں اس کتاب کے جتنے آرڈر آئے تھے وہ سب ہم نے سید عبد القادر صاحب تاجر کتب چارمینار کو دیدئے ہیں پس براہ کرم دوکان [illegible] سے اگر وی پی مفتاح التعلیم وصول ہو تو فوراً واگذاشت فرمالیا جائے۔

یہ مرواضح رہے کہ مفتاح التعلیم کے سابقہ دو ایڈیشن ختم ہو جانے کی وجہ بروقت آرڈر کی تعمیل نہ ہو سکی اب تیسرا ایڈیشن چھپ چکا ہے اس لئے اب کتب مذکور کی ترسیل میں تعویق نہ ہوگی جس قدر نسخے مطلوب ہوں سید عبد القادر صاحب تاجر کتب چارمینار حیدرآباد دکن سے طلب کیجئے

وکرم اردسی
مولفہ
مولوی عزیز مرزا صاحب جرم

یعنی مہاکوی کالیداس کے ایک مشہور ناٹک کا ترجمہ مع ایک بسیط مقدمہ کہ جسمیں ہندو ڈراما کی تاریخ اور نوعیت پر مفصل بحث کی گئی ہے قیمت فی جلد ایکروپیہ علاوہ محصول ڈاک

ہدایات برائے مدرسین
مولفہ
سید محمد حسین صاحب مفتاح بی اے (آکسن)

حین معائنہ مدارس جس قدر بھی ہدایات دیجا سکتی ہیں وہ سب ایک کتاب کی صورت میں شائع کی گئی ہیں اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ اہم ترین امور معمولی [illegible] کرتہ ایتی تفصیلی ہدایات درج ہیں قیمت فی جلد ایکروپیہ علاوہ محصول ڈاک۔

خلاصہ تاریخ انگلستان
مولفہ
منیر فشر

ابتک اردو میں کوئی ایسی مختصر تاریخ انگلستان موجود نہیں تھی جسکے پڑھنے سے انگریزوں کے حالات معلوم ہو سکیں۔ یہ کتاب اگرچہ ٹیپر کے نصاب میں داخل ہے مگر ہر شخص اس سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے قیمت فی جلد ایکروپیہ بارہ آنہ سکہ عثمانیہ علاوہ محصول ڈاک

ملنے کا پتہ

دفتر رسالہ المعلم کوچہ چراغ علی حیدرآباد دکن

دی انڈین کوآپریٹو انڈسٹریل سوسائٹی لمیٹڈ چارمینار حیدرآباد دکن

ہماری کارخانہ ہمہ قسم کی ملکی مصنوعات موجود ہیں عمدہ کپڑا سوتی واونی وریشمی رنگا رنگ ریڈی کا شہوکپڑا خالص ہاتھ کی بنی کھادی پاتابے دستیاں۔ توال اچھپی ہوئی وسادی چادریں وغیرہ بیدری سامان ازقسم بٹن۔ بروچ ڈبیاں کتیاں وغیرہ وغیر چاندی کا سامان ازقسم عطردان پاندان سگریٹ کیس طرح طرح کے انعامات مثلاً کپ شیلڈ وغیرہ اسٹیشنری ہمہ قسم کا دیسی کاغذ پنسل نکل کی طرح طرح کی دواتیں کاغذ وا۔ بیرونجات غیر ممالک آنہ روانہ کرنے پر فہرست مع قیمت مسکتی ہے

ایجنٹ انجمن الدین اینڈ کو مینیجنگ ایجنٹ

اخبار تعلیم لاہور ہر قسم کے تعلیمی معاملات پر آزادانہ بحث کرنے والا مدرسین کا وکیل اور ترجمان طلبا کا معاون ومددگار افسران محکمہ تعلیم کا خیرخواہ سررشتہ تعلیم کا مشیر ہر قسم کے علمی عملی اخلاقی مذہبی وغیرہ مضامین کا مخزن ہفتہ وار اخبار تعلیم لاہور سے شائع ہوتا ہے۔ قیمت سالانہ چار روپیہ ششماہی دو روپیہ آٹھ آنہ سہ ماہی ڈیڑھ روپیہ

منشی طالب علی صاحب پابند قریشی ایڈیٹر اخبار تعلیم لاہور سے طلب کیجئے

سررشتہ تعلیمات

کی ہر جماعت کی جملہ اصلی کتب نصاب خلاصہ جات وکتب انعامی اردو وفارسی عربی انگریزی تلنگی مرہٹی

ڈرائنگ و تصاویر

جو بچوں کی ابتدائی تعلیم اور ڈرائنگ کے عملیات کے لئے مفید وکارآمد ہیں کہ ڈرائنگ کا بال وکمپاس وتصاویر نباتات وجانوراں وغیرہ

نقشہ جات

ہندوستان ایشیا یورپ افریقہ۔ امریکہ ہر دو موجود ہیں جن کی نہایت واجبی قیمت ہے تفصیل کے لئے کتب خانہ ہذا کی فہرست کتب مفت طلب فرما کر ملاحظہ فرمائی جائے۔

المشتہر سید عبدالقادر تاجر کتب وپبلشر مالک اعظم اسٹیم پریس چارمینار حیدرآباد دکن

جریدہ نمبر ۱۱ دفتر سررشتہ تعلیمات سرکار عالی نشان

جلد اول نمبر ۱۱

حیدرآباد صدر پوسٹ خانہ

المعلم

ماہ تیر سنہ ۱۳۳۴ فصلی

ایڈیٹر..... محمد سجاد مرزا بی اے (کنٹب) صدر مہتمم تعلیمات صوبہ گلبرگہ شریف

اسسٹنٹ ایڈیٹر..... شیخ عظیم الدین بی اے مددگار محکمہ نظامت تعلیمات ملک سرکار عالی

مطبوعہ

اعظم اسٹیم پریس چارمینار

حیدرآباد دکن

قواعد

(۱) یہ مخلص تعلیمی رسالہ ہے جس میں تعلیم کے مختلف شعبوں کے متعلق مضامین درج ہونگے سیاسی یا مذہبی مضامین شریک نہ کئے جائیں گے۔

(۲) یہ رسالہ ہر ماہ فصلی کے پہلے ہفتہ میں شائع ہوا کرے گا۔

(۳) پرچہ وصول نہ ہو تو ہر ماہ کی ۲۵ تاریخ تک خریدار صاحبان بجوازہ نمبر خریداری مطلع فرمائیں

(۴) جو مضامین ناقابل طبع متصور ہونگے ان کی واپسی خرچہ ڈاک کی روانگی پر منحصر ہوگی

(۵) اس رسالہ کی قیمت سالانہ (پیشگی) مع محصول ڈاک ہے جو پیشگی لی جائے گی۔

(۶) نمونہ کا پرچہ پانچ آنہ کے ٹکٹ وصول ہونے پر روانہ کیا جائے گا۔

(۷) جوابطلب امور کیلئے جوابی کارڈ وصول ہونا چاہیے ورنہ ادائی جواب میں مجبوری رہیگی۔

(۸) اجرت طبع اشتہارات درج ذیل ہے رقم وصول ہونے پر اشتہارات طبع کئے جائیں گے۔

تعداد مدت	صفحہ	نصف صفحہ	ربع صفحہ
ایک بار	۵	۸/۵	۸/۳
سہ ماہ	۱۵	۸/۱۵	۸/۹
ششماہ	۲۵	۸/۲۵	۱۵
سالانہ	۴۵	۸/۴۵	۲۵

(۹) جملہ مراسلت و ترسیل رقوم منی آرڈر وغیرہ موسومہ جائنٹ ایڈیٹر پتہ ذیل پر ہونی چاہیے

محمد عظمت اللہ خاں۔ بی اے جائنٹ ایڈیٹر

دفتر رسالہ العلم کوچہ چراغ علی واقع سانچہ توپ

حیدرآباد دکن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مندرجات

المعلم

(۱) طلبا مدارس کی بصارت — مولوی سید محمد حسین صاحب جعفری — (۱ تا ۶)
(۲) دیہی مدارس میں تعلیم حساب — از س۔ م۔ ح۔ — (۷ تا ۸)
(۳) ترمیم نصاب — (۸)
(۴) کم فرصت اساتذہ کیلئے — از س۔ م۔ ح۔ — (۹ تا ۱۱)
(۵) اثر پذیری و اثر آفرینی — از مولوی محمد عبدالرشید صاحب پروفیسر جاگیردار کالج — (۱۲ تا ۲۱)
(۶) تبصرے — (۲۲ تا ۲۷)
(۷) شذرات — (۲۸ تا ۳۲)

جلد (۱) | بابتہ ماہ تیر ۱۳۴۴ سنہ فصلی | نمبر (۱۱)

طلبائے مدارس کی بصارت

سلسلہ کیلئے ملاحظہ ہو نمبر ۱۰

حصہ دوم | اب ان نقائص بصارت کا ذکر کیا جاتا ہے کہ جو آنکھوں کے مرکز شعاع یگانگی سے پیدا ہوتے ہیں۔

(۱) ضعف بصارت (EYE - STRAIN) شعاع کا اجماع

جب پردے پر برابر نہیں ہوتا تو آنکھ کے عضلات اس کو برابر کرنے کی کوشش کرتے کرتے تھک جاتے ہیں اور آنکھوں میں تکلیف محسوس ہونے لگتی ہے۔ پڑھنے لکھنے کے بعد درد سر شروع ہو جاتا ہے۔ چہرے پر آثار خستگی اور پریشانی ظاہر ہو جاتے اور قبل از

جھریاں پڑ جاتے ہیں اور یہ ضعف بصارت ہے۔

کمسن بچے اس مرض میں زیادہ تر مبتلا ہوتے ہیں اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ فطرت کا منشا ہے کہ کمسن بچے کھائیں، سوئیں، کھیلیں، اور پھولے پھلیں نہ کہ مدارس کی عمارتوں میں گھنٹوں ایک جگہ قید ہو کر رکھے پڑے رہیں۔ کمسن بچوں کا مدارس جانا اور گھنٹوں غلط اصول سے بیٹھے رہنا اور انواع و اقسام کے باریک و بدخط چھاپے کے کتب پڑھنا اس نقص کو کمسن طلبا اور نوجوانوں میں عام کر دیا ہے برقی روشنی بھی اس نقص کے پیدا کرنے میں مدد دے رہی ہے۔

جب کسی بچے کو ضعف بصارت پیدا ہوتا ہے تو لکھنے پڑھنے کے بعد درد سر شروع ہوتا چہرہ سرخ ہو جاتا ہے اور بچہ پلکیں مارنے لگتا ہے۔ آنکھوں سے پانی بہنا شروع ہوتا اور بچہ ہمیشہ پریشان و متفکر نظر آتا ہے۔ اس کے علاوہ بعض بچے منہ بنانے اور لکھنے پڑھنے کے بعد آنکھیں ملنے لگتے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنکھیں تھک گئی ہیں۔ اور اب کام کرنے کی زیادہ طاقت باقی نہیں رہی۔

یوں تو اچھی آنکھیں بھی تھک جاتی ہیں لیکن افسوس کہ ہم کام مطلق خیال نہیں رکھتے ہم جانتے ہیں کہ مسلسل دور تک چلنے سے ہمارے پاؤں تھک جاتے ہیں اور لامحالہ ہم کو ٹھیر جانا اور پاؤں کو آرام دینا پڑتا ہے اور یہی کیفیت ہاتھ کی ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر گھنٹوں مطالعہ کیا جائے تو اس وقت یا اس روز یوں چھ بار نہیں معلوم ہوتا لیکن دوسرے روز جب نیند سے آنکھ کھلتی ہے تو آثار خستگی نمودار ہوتے ہیں یعنے سر میں اور آنکھوں میں درد ہوتا ہے اور آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں جس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ آنکھوں کو آرام دینے کے بغیر دیر تک کام لیا گیا سن طفولیت میں چونکہ جسمانی نشو و نما مکمل نہیں ہوتی آنکھیں بھی ناقص حالت میں

رہتی ہیں اس لئے بچوں کی آنکھیں بہ نسبت نوجوانوں کے جلد تھک جاتی ہیں اور اوقات مرکز الاحتراق (FOCUS) کے حالت اعتدال پر نہ ہونے سے آنکھوں پر بیجا بار پڑتا ہے۔ جن کی بصارت اچھی ہوتی ہے ان کے آنکھوں کے عضلات اور اعصاب پر بھی تکلیف پڑھنے یا کوئی نزدیک کا کام کرنے میں خاطر خواہ بار پڑتا ہے اگر چیکہ وہ محسوس نہیں کرتے پس جبکہ مرکز الاحتراق بگڑ جاتا ہے تو یہ عضلات اور اعصاب کا بار زیادہ بڑھ جاتا ہے اور آنکھوں کی تھکن کے آثار نمایاں ہو جاتے ہیں صحت منداور توانا بچوں کا اگر مرکز الاحتراق حالت اعتدال پر ہو تو آنکھوں کی تھکن نہیں ہوتی لیکن بخار چیچک اور کالی کھانسی میں مبتلا ہونے کے بعد بچوں کے جسم میں ان امراض کا زہری مادہ عرصہ تک موجود رہتا ہے اور اعصاب کو کمزور کر دیتا ہے اور جب بچے پڑھنے لکھنے لگتے ہیں تو آنکھیں برابر کام نہیں دیتیں اور جلد تھکن شروع ہو جاتی ہے اور بعض وقت اس سے زیادہ بصارت پر نقصان پڑتا ہے۔ ترچھا پن پیدا ہو جاتا اور دور کی چیز مطلق نظر نہیں آتی ہے۔

آنکھوں کی تھکن کی روک تھام کے لئے بچوں کی آنکھوں سے ان کے سن اور حالت کے حیثیت سے کام لینا چاہئے تاکہ بصارت پر بار نہ پڑے اور آنکھیں جلد خستہ نہ ہو جائیں پس جو آنکھوں کا کام بچوں کو دیا جائے وہ آسان ہو اور جلد ختم ہو جانے والا۔ کمسن بچوں سے لکھنے پڑھنے یا سینے پرونے کا کام حتی الامکان نہ لیا جائے اور اگر ابتدائی اصول لکھنے پڑھنے اور سینے کا سکھانا مقصود ہو تو بڑی چیزیں استعمال کی جائیں مثلاً درعوض کتاب کے نقشہ جات حروف کا غذیا کاپیوں کے، عوض بلاک بورڈ۔ سوئی تاگہ کے جگہ اون کا کام وغیرہ دیا جائے۔ چھوٹے حروف لکھنے اور پڑھنے اور باریک سیون سینے میں بچوں کی آنکھوں پر غیر معمولی بار پڑتا ہے اس لئے ابتدا اُن سے احتیاط لازم ہے اور

پھر چھوٹے چھوٹے سبق قصد کے ساتھ مقرر کئے جائیں تو نقصان رساں نہیں ہوتے

(۲) قصر البصر۔ مایوپیا (MYOPIA یا شارٹ سائیٹ (SHORTSIGHT) ایک نقص ہے جس میں مریض کو نزدیک سے تو اچھا نظر آتا ہے مگر دور کی چیز برابر دیکھ نہیں سکتے نقص پیدائشی ہوتا ہے اور کبھی موروثی۔ مگر خراب روشنی میں باریک بینی کا کام کرنے سے بھی ہو جاتا ہے مدارس میں اندھیری کوٹھریوں میں پانچ پانچ گھنٹے عبادتی آنکھوں سے کام لینے سے یہ نقص بچوں میں پیدا ہو جاتا ہے۔ ترقی تہذیب و تعلیم کے ساتھ اس مرض کو خاص تعلق ہے جوں جوں قوت بصیرت بڑھتی جاتی ہے قوت بصارت گھٹتی جا رہی ہے موجودہ طریق تعلیم میں آنکھ پر کثرت سے بار پڑتا ہے۔ خراب روشنی اور خراب مطبوعہ کتب و اخبار کا مطالعہ ناموزوں مدرسہ کا فرنیچر یہ سب اس مرض کی ترقی کے باعث ہو رہے ہیں۔

رفع نقص بصارت کے لئے مناسب عینک لگانا صرف مفید نہیں بلکہ ضروری ہے ورنہ آنکھوں پر ہمیشہ بار پڑ کر مرض بڑھتا جاتا ہے نظر کا صحیح امتحان کرنے کے بعد مناسب عینک لینی چاہیئے معمولی بازاری عینک اور بلا صحیح امتحان بصارت کے غیر مفید بلکہ مضر ہوتی ہے عینک کا استعمال اکثر چھوٹی عمر سے ہی کرنی کی ضرورت ہوتی ہے علاوہ اس کے ایسے مریض کو رات کے وقت اور خراب روشنی میں کسی قسم کا باریک بینی کا کام نہ کرنا اور باریک ٹائپ کی کتب غیر نہ پڑھنا چاہیئے

(۳) طول البصر۔ بعید نظری۔ ہائپر مٹروپیا (HYPERMETROPIA)

یہ نقص قریب نظری کے برعکس ہے یعنے مریض نزدیک کی چیزوں کو بآسانی نہیں دیکھ سکتا اس نقص کے رفع کرنے کے لئے بھی عینک کی ضرورت ہوتی ہے

(۴) بصر الشیوخ۔ پرسبایوپیا (PRESBYOPIA) اولڈ سائٹ

(OLD. SIGHT) یہ بڑھاپے کی نظر ہے۔ یہ نقص بڑی عمر میں یعنے چالیس سال کے بعد عموماً ہر شخص کو ہوجاتا ہے۔ اس نقص کے نقص میں مریض کو نزدیک کی چیزوں کا دیکھنا پہلے مشکل اور پھر محال ہوجاتا ہے عینک کے ذریعہ یہ نقص بھی دور ہوسکتا ہے۔

(۵) نقص بصر۔ اسٹگمائٹزم (ASTIGMATISM) یہ ایک قسم کا مرکب خلل بصارت ہے جس میں آنکھ کے ایک سمت کی نظر تو درست ہوتی ہے لیکن دوسری سمت میں قریب یا بعید نظر ہوتی ہے اس میں "ضعف بصر" (WEEK. SIGHT) کے علامات کثرت سے ہوتے ہیں مرکب شیشوں کی عینک لگانے سے یہ نقص دور ہوسکتا ہے عینک کا بہت صحیح اور درست ہونا ضروری ہے

(۶) حول۔ یا ترچھاپن یا اسکوئیٹ (SQUINT) یہ آنکھ کے عضلات میں خرابی آنے کی وجہ سے یہ نقص ظاہر ہوتا ہے خاص عینکوں کے عمل جراحی (اپریشن) کے ذریعہ اس کا علاج کیا جاسکتا ہے۔

نقائص متذکرہ بالا کی تفصیل بیان کی جائے تو مضمون بہت طویل ہوگا اور پھر بہت سے اصطلاحات طبی کا استعمال کرنا ہوگا اور مضمون دلچسپ نہ رہیگا اس لئے تفصیل متروک کی جاتی ہے۔ یہ نقائص بچوں میں عام ہوتے ہیں اور اس کے انسداد کا بہترین طریقہ یہی ہوسکتا ہے کہ وقتاً فوقتاً طلبا، مدارس کی آنکھوں کا طبی معائنہ کرایا جائے اور حسب ہدایت طبیب عینک استعمال کی جائے یا روزمرہ تعلیم کے طرز اور وقت میں تبدیل کی جائے۔ ہمارے ملک میں اس کی بیحد ضرورت ہے کہ وقتاً فوقتاً طلبا، مدارس کا طبی معائنہ ہوا کرے اور یہ کام اس طرح کامیابی کے ساتھ انجام پاسکتا ہے کہ سررشتہ تعلیمات مقامی ڈاکٹروں کو الاؤنس مقرر کردے اور ڈاکٹر معائنہ کرکے نتیجہ سے اساتذہ کو آگاہ کردیں اور اساتذہ خود

ان کی ہدایتوں پر عمل کریں اور بچوں کے والدین اور اولیا سے بھی ان ہدایتوں کی پابندی کرائیں اور تمام کار... ئی کے متعلق ایک رجسٹر میں مکمل مواد رکھیں اس قسم کی کوششیں دیگر ممالک میں شروع ہو چکی ہیں اور اب جاری ہیں۔ انگلستان میں طبی معا کرانے کا طریقہ جاری ہے اگرچہ انگلستان اس میں بعض ممالک سے بہت پیچھے ہے جرمنی۔ فرانس سوئزرلینڈ ڈنمارک بلجیم ... کوئی بچہ مدرسہ میں شریک ہوتا ہے تو پہلے اس کا طبی معائنہ کر لیا جاتا ہے اور بعد شرکت کی اجازت دیجاتی ہے اور بعد میں باری باری سے مدارس اور جماعتوں کا معائنہ ہوتا رہتا ہے امریکہ میں ڈاکٹرا... کام کے لئے روزانہ مدارس میں چکر لگایا کرتے ہیں۔ جاپان میں کثیر تعداد میں ڈاکٹر... کے طبی معائنہ کے لئے مقرر ہیں جرمنی میں جنگ کے قبل (۷۰۰) ڈاکٹر اور امریکہ میں کئی سو ڈاکٹر اس کام کو انجام دیتے تھے۔ سر ہنری اسٹون ناظم تعلیمات مدراس پریسڈنسی نے چند سال قبل اپنی سالانہ رپورٹ میں اس کی شدید ضرورت بتلائی ہے اور گورنمنٹ آف انڈیا نے تمام مدارس کے منتظمین کی توجہ اس مسئلہ کی جانب مبذول کرائی ہے اور سرکاری امداد کا وعدہ کیا ہے فقط

از سید محمد حسین

دیہی مدارس میں تعلیم حساب

ہمارے ابتدائی مدارس کے تختہ وقات میں حساب کی تعلیم کے لئے بہت زیادہ وقت رکھا جاتا ہے۔ کیا حساب کے لئے اس قدر وقت دینا اچھا ہے؟ بیشک حساب کی تعلیم اس لئے ضروری ہے کہ اس سے بچوں میں قوت استدلال پیدا ہوتی ہے اور ہر شخص کو کم و بیش حساب سے واقف ہونا پڑتا ہے لیکن مدرسین کا مطمح نظر یہ نہیں ہوتا کہ قوت استدلال کی نشو نما ہو بلکہ یہ سمجھکر آسانی وقت دیتے ہیں کہ یہ آسان اور امتحان مضمون ہے اگر غور کیا جائے تو حساب ہی ایسا مضمون نہیں ہے کہ جس سے قوت استدلال بڑھے اور نہ روزمرہ زندگی کے لئے اس سے واقفیت اتنی ضروری ہے جتنی کی سمجھی جاتی ہے پس چاہئے کہ اب جو وقت دیہی مدارس میں اس کی تعلیم پر صرف کیا جاتا ہے اس کو کم کیا جائے۔

نصاب کی وجہ مدرسین ایک حد تک مجبور ہیں کیونکہ نصاب میں ہر جماعت کیلئے کورس اور کتب مقرر کر دئے گئے ہیں اور توقع کیجاتی ہے کہ مدرسین بموجب نصاب عمل کریں علاوہ ازیں کتب مقررہ ضرورت سے زیادہ طولانی اور غیر مفید مواد سے بھری ہوئی ہیں۔ ایسی حالت میں مناسب ہوگا کہ مدرسین قوت تمیزی کو استعمال کریں اور دیہی حالات کو مدنظر رکھکر ہر سال اتنے ہی قواعد حساب طلبار کو سکھائیں جو لازمی سمجھیں اور باقی مواد مندرجہ کتاب کو نظر انداز کر دیا جائے۔

دیہی مدارس کے طلبار کو اتنے ہی حساب کی تعلیم کافی ہو سکتی ہے جتنی کہ انہیں ان کے روزمرہ زندگی میں مدد دے سکے۔ ان مدارس میں حساب کی تعلیم کو اشیائے ماحول کے مطابق کرنا اور نصاب کو ضروریات دیہی کے موافق بنانا چاہئے۔ مثلاً دیہی مدارس

ہیں حسب ذیل ابواب کے متعلق کے سوالات کافی ہوں گے۔

(۱) مقامی پیداوار کے قیمت کے متعلق سوالات۔

(۲) اجناس کے نرخ۔

(۳) زمینوں کی قیمتیں۔

(۴) مزدوری۔

(۵) پیمایش اراضی۔

(۶) اوزان۔

ابواب مندرجہ بالا کے علاوہ اور بھی عملی چیزیں بتائی جاسکتی ہیں جن کو مقامی حالات کے لحاظ سے استاد ضروری سمجھے۔

مدرسین کو چاہئے کہ ہر سال تعلیمی شروع ہونے کے قبل خود ایک نصاب تیار کرلیں اور اس کے موافق تعلیم شروع کریں فقط

از س۔ م۔ ح

ترمیم نصاب کا رعائی دفتر نظامت تعلیمات کی تحریک پر حسب الحکم عالیجناب نواب صدر اعظم بہادر محکمہ سرکار صیغہ تعلیمات سے مدارس سرکار عالی کے جماعت مڈل کی تیسری جماعت میں بجائے خزینۂ اردو بزم اردو مولفہ مولوی احمد عارف صاحب ساکن کنٹہ گوشہ محل حیدرآباد اور جماعتہائے سوم و چہارم کے تعلیم حساب کیلئے کتاب حساب الف محمد عبدالرحمان صاحب نمبر ۳، ۴ و د کے بجائے حمایت الحساب جماعتہائے سوم و چہارم مصنفہ مولوی غلام رسول صاحب مدرس سٹی کالیجیٹ سکول بلدہ شریک نصاب کرنے کی منظوری صادر فرمائی گئی ہے اور سررشتہ تعلیمات سے اوائل سال تعلیمی سال حال حسب عمل کرنیکے احکام دفاتر تحت کے نام جاری کئے گئے ہیں حمایت الحساب مکتب ابراہیم پٹن روڈ حیدرآباد دکن سے اور نمبر ۱ و ۲ مدرسہ محمود الآیتہ سے ملسکتی ہیں فقط

کم فراست اساتذہ کیلئے

پڑھنے کے سبق کے متعلق ذیل میں چند سوال اور اُن کے جواب لکھے جاتے ہیں۔ اساتذہ ان سوالوں کے جواب پہلے اپنے آپ تحریر کریں اور بعد جو جواب دئے گئے ہیں ان سے اپنے جوابوں کا مقابلہ کریں۔

سوالات	جوابات
(۱) بچوں کے لئے پڑھنے کی مشق کب شروع کرائی جائے۔	(۱) بچے پڑھنا اس وقت شروع کریں جبکہ تقریر پر اچھا قابو پالیں اور ان کے پاس الفاظ کا کافی ذخیرہ جمع ہو لے۔
(۲) کیا بچوں کو حروف کے اسماء اور ان کے آوازیں ساتھ ساتھ بتائی جائیں۔	(۲) بچوں کو کسی وقت بھی حروف کے نام بتائے جاسکتے ہیں اس کے لئے کوئی خاص وقت کا تعین نہیں ہو سکتا۔
(۳) بلاک بورڈ پر عبارت لکھکر بچوں سے اجماعی طور پر پڑھانے میں کیا قباحت ہے؟	(۳) بچوں کو اجماعی طور پر پڑھانے کا طریقہ احسن نہیں کیونکہ اس میں بہت سے بچے بغیر الفاظ کے سمجھنے کے آوازوں کو دہرا دیتے ہیں۔
(۴) کیا بچوں سے یہ توقع کیجائے کہ کسی عبارت کے پڑھنے سے قبل وہ اس کے معنی سمجھ لیں؟	(۴) ہاں۔ ابتداء سے بچوں کو اس کی عادت ڈالنی چاہئے کہ وہ الفاظ اور جملوں کے معنی خود سمجھنے کی کوشش کریں۔
(۵) کسی عبارت کو آواز سے پڑھانے کا مقصد	(۵) چھوٹے بچوں کے لئے اسکا مقصد یہ ہو

کیا ہونا چاہئے ؟

بچے الفاظ پہچانیں اور انکا تلفظ صحیح
ادا کریں بڑے بچوں کو اسلئے پڑھایا جاتا ہے
وہ عبارت کی حسن ترتیب پر غور کریں

(۵) بڑے بچوں کی جماعت میں مثلاً ۱۲ سال کے بعد استاد کا عبارت کو آواز سے پڑھنا غیر مفید کیوں سمجھا جاتا ہے ؟

(۶) پڑھنے کا سبق بڑے بچوں کے لئے اس لئے نفع بخش نہیں ہوتا کہ اس کا اصل مقصد بچوں کو الفاظ سے آشنا کرنا ہے اور ۱۲ سال کے بچوں کو اسکی ضرورت باقی نہیں رہتی ۔

(۷) پڑھنے کے سبق کو کامیاب بنانے کیلئے کن کن امور کی ضرورت ہے ؟

(۷) استاد خود اچھا پڑھنے والا ہو اسکا تلفظ صحیح اور طرز خواندگی دلپذیر ہو۔ آواز کریہہ نہو۔ طلبا صرف مثل طوطے کے نہ پڑھیں بلکہ جو چیز پڑھیں اس کا مطلب بھی سمجھیں

(۸) کیا وقتاً فوقتاً جماعت کے سامنے استاد کا آواز سے پڑھنا مفید ہو سکتا ہے ؟

(۸) ہاں کسی طلبا کی جماعت میں جسقدر استاد پڑھے اچھا ہے اس سے طلبا کو صحیح طور پر پڑھنے کی ہی مشق نہیں ہوتی بلکہ عبارت کو غور سے سننے کا مادہ بھی پیدا ہوتا ہے جس کی آیندہ زندگی میں بہت ضرورت واقع ہوتی ہے ۔

(۹) طلبا اپنے میں جلد ترقی کیونکر کر سکتے ہیں ؟

(۹) اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ طلبا کے پڑھنے کے لئے مقدار کتب فراہم کیجائیں اور ان کو پڑھنے کا شوق

دلایا جائے۔

(۱۰) کمسن بچوں کے پڑھنے کے لئے جو کتب منتخب کئے جائیں تو ان میں کن کن امور کا لحاظ رکھا جائے؟

(۱۰) ایسے کتب کا انتخاب کیا جائے کہ جن کی عبارت صاف و سلیس ہو اور مضامین بچوں کے لئے دلچسپ ہوں

(۱۱) تاریخ جغرافیہ اور سائنس ریڈر کا انتخاب کیا جائے تو کیا قباحت ہے؟

(۱۱) ایسے کتب اکثر اصطلاحات سے مملو ہوتی ہیں اور پھر ان میں بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ جو بچے خود سمجھ نہیں سکتے مضامین خشک اور غیر دلچسپ ہوتے ہیں

(۱۲) جب بچے خود پڑھتے ہوں تو نامعلوم الفاظ اور جملوں کے معنی کیونکر معلوم کریں؟

(۱۲) بچوں کو چاہیئے کہ وہ ان عبارت کے معنی سمجھنے کی کوشش کریں اگر اس سے بھی معنی نہ معلوم ہوں تو ایک دوسرے سے دریافت کریں۔ لغت دیکھیں اس پر بھی تشفی نہ ہو تو بدرجہ مجبوری استاد سے پوچھیں۔

از س۔ م۔ ح

اطلاع

ماہ تیر میں تعطیلات گرما واقع ہونے سے خوردادکا پرچہ مدارس پر رسالہ ہذا کیساتھ ارسال کیا گیا ہے فقط

اثر پذیری، اثر آفرینی

آپ نے اکثر غور کیا ہوگا کہ ادب و عبرت کے مواقع پر مثلاً نماز پڑھتے وقت یا وعظ اور تقریر کے جلسوں میں جب ایک ہنستا ہے تو دوسروں کو ہنسی بلا وجہ آجاتی ہے جب ایک کھانستا ہے۔ تو دوسرا بھی کھانسنے لگتا ہے۔ اگر ایک جمائی لیتا ہے تو دوسرے کو خواہ مخواہ جمائی آجاتی ہے۔

آپ نے اکثر یہ بھی ملاحظہ کیا ہوگا کہ ایک مصنف کی ہر چیز ہم کو پسند ہو جایا کرتی ہے اگر اس مصنف کی تصنیف ہمارے نزدیک پسندیدہ ہے۔ اپنے محبوب کی ہر ادا ہم کو بھاتی ہے۔ حتیٰ کہ جسم کا سب سے بڑا نقص یعنے کمر کا دبلا ہونا وہ بھی عاشقوں کے نزدیک سب سے بڑی ستائش ہے۔ شاعروں کے کلام میں کمر پتلی تو پتلی اس کا عنقا اور معدوم ہونا تو اعلیٰ ترین صفات میں سے ہے۔

اگر ہم ایک مجمع کے حالات نفسی پر غور کریں۔ تو ہم کو بہت سی ایسی مثالیں ملیں گی جس سے واضح ہوگا کہ نفس کس طرح ایک دوسرے کو دیکھ کر اثر پذیر ہوا کرتا ہے۔ اگر مجمع میں سے ایک بھاگا سب اسی کے پیچھے پیچھے ہو لیا کرتے ہیں ہنستا ہے تو سب ہنستے ہیں

یہ مضمون مدرسین کے لئے جس قدر دلچسپ ہے اسی قدر اہم ہے۔ کیونکہ مدرسین کے افعال و اقوال، حرکات و سکنات بچوں کے نفس پر اس طرح موثر ہوتے ہیں کہ نہ مدرسین کو اس کا حس ہوتا ہے اور نہ بچے اس اثر کو لیتے وقت باخبر ہوتے ہیں بچے ماں کے پیٹ سے علاوہ فطرتی افعال کے اور کچھ لیکر پیدا نہیں ہوتے ہیں۔ ان کے افعال حسنہ و قبیحہ سب ہمارے ہی افعال کا نتیجہ ہوا کرتے ہیں۔ چونکہ ان کا نفس بہت ضعیف ہوتا ہے۔ بید کے اندر سرد و گرم ہوا سے اثر پذیر ہوتا ہے۔ لہذا ہم کو معلوم ہونا چاہئے کہ کیونکر ان کے افعال

رفتہ رفتہ مرتب ہوتے اور ان کو دنیا میں کامیاب یا ناکامیاب کرنے میں معین و معاون ہوتے ہیں۔ فطری طور سے بچوں کے ذہن تیز یا کند ہوتے ہیں۔ اب اس اللہ کی بندہ سے جس قدر بھی ممکن ہو مناسب کام لینا۔ ان کو مناسب اثر پذیر کرنا اور ان کے حسب حیثیت کامیاب کرانا ہمارا فرض ہے۔ اور اس فرض کے متعلق نہ صرف ہم اپنے افسران بالا دست کے جوابدہ ہیں بلکہ اس عاطی کے بھی ؎

جس کی ساری یہ دست کاری ہے

بادی النظر میں لفظ اثر پذیری یا اثر آفرینی بڑا خشک اور بے مزہ ہے لفظ تو بیشک بہت ثقیل معلوم ہوگا۔ مگر حقیقتِ حال یہ ہے کہ یہ مضمون بڑا ہی مزیدار ہے کیونکہ اثر آفرینی۔ جادوگری۔ ہپناٹزم یہ سب ہم معنی الفاظ ہیں۔ صرف درجوں کا فرق ہے۔ مضمون ہذا کو پڑھ کر اس امر کا سمجھ لینا بہت آسان ہوگا۔ ہپناٹسٹ کس طرح اپنے معمول پر اثر ڈالتے ہیں۔ اولیاء اللہ اور بڑے بڑے جنگم کس طرح اپنے مریدین کو حلقہ میں بٹھا کر ان کے تزکیہ نفس کی کوشش کرتے اور بالآخر ان کا درجہ انسانیت کے درجے سے بہت بالا اور برتر کر دیتے ہیں۔

نفس کا وہ عمل جس کے ذریعے خیالات ذہن میں داخل ہوتے ہیں اور معمول کی بے خبری کی حالت میں اس کے اعتقاد۔ جذبات فیصلہ اور اعمال پر موثر ہوتے ہیں اثر پذیری یا اثر آفرینی کہلاتا ہے۔ اثر پذیری کے وقت تمام خیالاتِ مخالف ذہن سے دور ہو جاتے ہیں اور معمول مجبور ہوتا ہے کہ وہ کوئی خاص اعتقاد قائم کرے۔ یا کوئی خاص جذبہ محرک ہو کر اس کو کسی عمل کی طرف راغب کرے۔ اس طرح کہ معمول ہرگز ہرگز واقف نہیں ہوتا کہ اس کا فلاں عمل فلاں اثر پذیری کی وجہ سے ہے یا فلاں اعتقاد فلاں اثر آفرینی کی وجہ ہے۔ اگر وہ واقف ہو جائے تو خیالات مخالف پیدا ہو کر اس کو اس خاص عمل یا اعتقاد سے روک دیں گے۔ اور اثر آفرینی اپنا فعل نہ کر سکے گی جس طرح وہی کے اثر سے جمال گوٹے کا اثر

زائل ہو جاتا ہے اسی طرح معمول کے نفس سے اثر آفرینی کا عمل اس کی واقفیت سے باطل ہو جاتا ہے۔

اثر آفرینی اور تقلید گو ہم معنی نہیں مگر ظاہر ہے دونوں کا عمل یکساں معلوم ہوگا مگر حقیقت میں نہ دونوں ہم معنی ہیں اور نہ ان کا عمل یکساں ہے۔ تقلید معمول کے حرکات پر مبنی ہے تقلید میں شخصی نمونہ کا وجود ضروری ہے۔ ذیل کی مثال سے تقلید اور اثر پذیر میں فرق معلوم ہو جائے گا۔

ایک بچہ کھیل میں مشغول ہے اس وقت اس کا تخیل اپنے گڈے کے اطراف چکر لگا رہا ہے اور دنیا مافیہا کی اسکو کچھ خبر نہیں ہے اتنے میں اس کے کان میں آواز آتی ہے کہ کھانا دسترخوان پر چن دیا گیا ہے۔ ایکدم وہ چونک پڑتا ہے اور کھانے کے کمرے کی طرف دوڑ پڑتا ہے۔ یہ فعل اس کا تقلیدی نہیں بلکہ تاثیری ہے اگر وہی بچہ دوران طعام اپنے بڈھے باپ کے پوپلے منہ کی نقل کر کے اپنے منہ کو توڑے موڑے اور اسی طریقہ سے کھانا کھایا کرے جس طریقہ سے اس کا باپ کھاتا ہے۔ یہ چیز تقلید ہے۔ یا یوں سمجھ لیجئے کہ اب بچہ کھائے اس وقت جبکہ اس کو بھوک نہیں ہے۔ یا ایسی چیز کھائے جو اس کو پسند نہیں ہے یہ تقلید کا نتیجہ ہے۔

اب میں اثر پذیری کی دلچسپ مثال پیش کروں گا جس کو عبدالماجد صاحب نے اپنی کتاب "فلسفہ اجتماع" میں درج فرمائی ہے جس سے واضح ہوگا۔ کہ اثر پذیری وہی فعل کرتی ہے جو فعل اس حالت میں ذہن کیا کرتا ہے۔ اور جس کو عرف عام میں جادوگری کہتے ہیں حلقہ مملکت فرانس کی کسی عدالت کے سامنے ایک مقدمہ پیش ہے جج کے گرد جوری لئے ہوئے ہیں۔ ملزم کی طرف سے پیروکار مشہور و معروف فرنچ بیرسٹر مسٹر لاشاڈ ہے۔ وہ تقریر شروع کرتا ہے اور ساتھ ہی جج اور ممبران جوری متاثر ہونے لگتے ہیں۔ لیکن ایک خاص جوری اس عام کیفیت سے مستثنیٰ ہے اسے مقدمے کے واقعات کی رتی رتی اطلاع ہو جاتی

وہ دل میں یہ ارادہ کر کے آئے تھے کہ وکلاء و بیرسٹروں کی خطابت اسے کسی طرح متاثر نہ ہونے دے گی۔ مانا کہ ہر تقریر کرنے والا نہایت ہی سحر بیان بیرسٹر ہے۔ مگر اس کیا ہوتا ہے۔ وہ خود ذاتی طور پر ملزم کے بے گناہ ہونے کو محقق کر چکا ہے اور آج وہ اپنے دل کو دلیلانہ چرب زبانی سے نہ مغلوب ہونے دے گا۔ لالہ شادی کی تقریر شروع ہوئی دس پندرہ منٹ بیس منٹ ہو چکے ہیں۔ اور تمام سامعین اس کے زور بیان اور فصاحت مرحبا اور آفریں کہہ رہے ہیں لیکن اس جوری کا یقین واثق اب بھی غیر متزلزل ہے ناواقفوں کا فریب میں آجانا ممکن ہے لیکن اسے واقف کون کہہ سکتا ہے۔ وہ پوری طور سے اس معاملہ کی تحقیق کر کے ملزم کے قصور نہ ہونے کے نتیجہ پر پہنچ چکا ہے اور اس کے یقین کامل کو دنیا کی کونسی زبان آوری شکست دے سکتی ہے۔ آدھ گھنٹہ ہو گیا پینتالیس منٹ جالیس منٹ۔ یہاں تک کہ پورے پینتالیس منٹ گزر گئے۔ اور عہدہ راسخ اب تک خطیبانہ کے حملہ آوریوں سے غیر مغلوب ہے۔ لالہ شادی کی جوش تقریر اب اپنے عہد شباب پر ہے سامعین میں سے ہر شخص ہمہ تن گوش ہے۔ اور عدالت کے در و دیوار کے ساتھ حاضرین کے دلوں سے بھی اس کے موثر الفاظ کی صدائے بازگشت آرہی ہے۔ کہ بے شان و گمان دفعتہً وہ اپنی تقریر میں قطع کلام کر کے حاکم عدالت سے مخاطب ہو کر کہتا ہے۔

"براہ مہربانی چپراسی کو حکم دیجئے۔ کہ سامنے کے دریچہ پر پردہ چھوڑ دے ادھر سے دھوپ آرہی ہے۔ جس سے فلاں جوری صاحب کو تکلیف ہو رہی ہے"۔

یہ جملہ ایک عمل سحر تھا۔ عزم و ثبات۔ عہد و پیمان کا قلعہ بات کی بات میں سحر ہو گیا۔ چہرہ پر سرخی کا آنا۔ لبوں پر خفیف مسکراہٹ کا نمودار ہونا۔ اور زبان کا شکریہ کے لئے کھلنا۔ آناً فاناً کا کام تھا۔ بالآخر چند منٹ کے بعد جب ملزم کی رہائی کا حکم سنایا گیا۔ تو دیکھنے والوں نے دیکھا کہ فرمان رہائی پر ان جوری صاحب کی بھی دستخط ہے اب آپ نے ملاحظہ کیا ہوگا۔ کہ وہ جوری جس نے اپنی آنکھوں سے واقعہ دیکھا

اور دل میں عہد واثق رکھتا ہو کہ میں کبھی انصاف کو ہاتھ سے نہ دوں گا۔ دریچہ پر پردہ ڈالتے ہی اس کا عہد واثق فسخ ہو گیا۔ اور فیصلہ پر جوری صاحب نے بھی اپنی دستخط کر دی یہی اثر پذیری ہے جس نے ان کے عہد کے جہاز کو ڈبو دیا اور ان کو پتہ بھی نہ چلا۔ کہ کس باد مخالف نے پیمان کو توڑ کر ان کو اندھا کر دیا تھا۔ ایک جاہل تو یہی سمجھیگا کہ پردہ میں کوئی جادو تھا جس نے حضرت جوری صاحب کی آنکھ پر پٹی باندھ دی تھی۔

ڈھاکہ میں ہم لوگ بحیثیت متعلم ٹریننگ کالج رہتے تھے۔ ایک دن ہمارے پرنسپل مسٹر ولیٹ چند شیشیاں لیکر آئے۔ اول تو سب متعجب ہوئے۔ کہ ان شیشوں کا رجسٹر میں کیا کام ہے۔ دوسرے، ان میں جو چیز بھری ہوئی ہے اس سے کیا مقصد ہو سکتا ہے۔ ان کے متعلق ہم کو بتایا گیا کہ قوت مشاہدہ کی جانچ مقصود ہے۔ اور ہم سے کہا گیا کہ جب کوئی بو معلوم ہو ہاتھ اٹھاؤ۔ کسی نے کہا کہ اس میں گلاب ہے۔ کسی نے کہا کہ کیوڑا ہے۔ کسی نے کچھ تجویز کیا کسی نے کچھ۔ حالانکہ ان شیشیوں میں معمولی پانی تھا یہ اثر پذیری تھی جس نے ان سب کو اندھا کر دیا تھا۔

اس قدر مطالعہ کے بعد ہم کو اندازہ ہو گیا ہوگا۔ کہ اثر پذیری کی حالت میں نفس سے خیالات مخالف کا عدم نہایت ضروری ہے۔ اگر عدم کامل ہے۔ اور نفس میں کچھ بھی شائبہ خیالات مخالف کا موجود نہیں ہے۔ اس وقت اثر پذیری کا اثر بھی بدرجہ اتم موجود ہوتا ہے۔ اور اس کا نام بدل کر ہم اثر پذیری نہیں کہا کرتے ہیں بلکہ مبالغہ آمیز اثر پذیری یا ہپناٹیزم کہتے ہیں۔ ہپناٹزم کے حال میں خیالات تردیدی اس قدر دور رہتے ہیں کہ نفس اثر آفریں کے زبانی احکام کی پابندی پر مجبور ہو جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے۔ کہ دیکھو انسان ہوا میں معلق ہے اور ہم واقعی دیکھتے ہیں کہ ایسا ہی واقعہ ہے اگر عامل کہتا ہے۔ کہ رکھا ہوا معمول کو معلوم ہوتا ہے کہ ساری قوت جنبش سلب ہو گئی۔ اور اگر اتفاق سے حکم دیا گیا۔ کہ تم کھڑے ہو نہیں سکتے تو معمول صاحب دھم سے زمین پر آرہے۔ ہپناٹزم کا ایک دلچسپ قصہ

نہایت صحیح اور سچا میں آپ کو سناتا ہوں جو ڈاکٹر ہنسلاٹ پر گزرا ہے ڈاکٹر ہنسلاٹ
(جو ہندوستان کے مورخ اور سیاح ہیں) آپ بیتی بیان کرتے ہیں۔ کہ وہ شکار کو گئے تھے
اتفاقاً اپنے ہمراہیوں سے بچھڑ گئے۔ تمازت آفتاب سے پریشان۔ بھوک اور پیاس سے
بے حال سایہ دار پناہ کی جگہ کے متلاشی تھے۔ دور سے انھوں نے ایک جھونپڑی دیکھی۔ دم میں
دم آیا۔ کہ ایسے ویرانے میں انسان ہے جس سے مدد ملیگی۔ افتاں وخیزاں وہاں تک
پہونچے۔ کیا دیکھتے ہیں۔ کہ ایک جوگی دھونی رمائے کٹی میں بیٹھا ہے۔ ڈاکٹر نے موجودہ
حاجت روائی کی استدعا کی۔ کہا بابا کیوں فقیر کو ستانے آیا ہے۔ ان کی آہ وزاری پر قلب
گرم نرم ہوگیا۔ اور ان کو حکم ہوا کہ اچھا وہ اندر جا کر بیٹھیں۔ روٹی کے خشک ٹکڑوں اور
صاف ٹھنڈے پانی سے ان کی تواضع کی گئی۔ اور وہیں لیٹ کر سو گئے۔ تقریباً شام کو
آنکھ کھلی۔ باباجی مع چیلوں کے نظر آئے۔ پہلے نہایت موثر اور دلفریب تقریر کرتے رہے
اس کے بعد کہا۔ دیکھو! ایک رسی ہاتھ میں لی۔ جو زیادہ سے زیادہ پندرہ فٹ لانبی اور
ایک انچ موٹی ہوگی۔ ایک سرا بائیں ہاتھ میں لے لیا۔ اور دوسرا داہنے ہاتھ سے ہوا میں
پھینکا۔ رسی بجائے اس کے کہ نیچے آکر گر جاتی۔ ہوا میں کھڑی ہوگئی۔ اگرچہ جوگی نے
بائیں ہاتھ کا سرا بھی چھوڑ دیا تھا۔ اور لکڑی کی طرح سخت ہوگئی۔ جوگی نے نیچے کا سرا پکڑ کر
اوپر چڑھنا شروع کیا۔ جوں جوں وہ اوپر کی جانب چڑھتا جاتا تھا۔ رسی نیچے کی جانب
کم اور اوپر کی جانب چڑھتی جاتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جوگی کی صرف سفید پگڑی نظر آتی تھی
ہنسلاٹ صاحب کی گردن اور آنکھیں آسمان کو دیکھتے دیکھتے تھک گئی تھیں مجبوراً
انھوں نے آرام لینے کے لئے سر جھکایا۔ اور جب دوبارہ نظر دوڑائی تو جوگی فضائے آسمان
میں غائب ہوچکا تھا جس طرح ایک کبوتر اڑتے اڑتے بلند ہوجاتا ہے۔

اثر پذیری اور ہپناٹزم میں صرف ایک درجہ کا فرق ہوتا ہے۔ اثر پذیری کی
حالت میں خیالات مخالف موجود رہتے ہیں مگر وہ اس قدر کثیر تعداد میں نہیں ہوتے

کہ اثر کو قبول نہ کر سکیں۔ ایک اور فرض ہے کہ اثر پذیری کی حالت میں عامل کے چال چلن اور طرز عمل کا اثر ہوتا ہے اور رہنما تلزم کے وقت عامل کے زبانی احکام کا۔

اب میں یہ بتلاؤں گا کہ اثر پذیری مختلف معمولوں پر کس مقدار میں مؤثر ہوتی

نوع بشری حیوان بہت جلد متاثر ہو سکتا ہے۔ بھیڑ کی اثر پذیری تو ضرب المثل ہے۔ نسل وحشی قومیں جن میں موجودہ تہذیب و شائستگی کا اثر کم ہے۔ شہریوں کے مقابلہ میں زیادہ اثر پذیر ہو سکتے ہیں۔ امریکہ کے انڈین اور چینی اس قسم کی کمزوریوں میں جلد مبتلا ہو جاتے ہیں۔

جنس۔ عورتیں بہ نسبت مردوں کے بہت جلد متاثر ہوتی ہیں۔ مؤلف صاحب کا خیال ہے کہ عورتیں بمقابلہ مردوں کے دونا اثر لیتی ہیں۔

سن۔ بچے بہ نسبت بڑوں کے زیادہ موثر ہو سکتے ہیں۔

چونکہ ہمکو بچوں سے تعلق ہے۔ اور وہ اثر پذیری کے بہت جلد شکار ہو جاتے ہیں لہذا ہمکو

(۱) وجاہت اور وقعت پیدا کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اثر آفرین کے لئے لازمی شرط ہے کہ اس سے لوگ محبت کرتے یا خوف کھاتے ہوں۔ وہ قابل بھروسہ ہو۔ ایک مدرس جو بڑا کھلاڑی ہے یا ضبط قائم رکھنے میں مشاق ہے بڑا دستکار ہے اپنے شاگردوں پر زیادہ اثر ڈال سکیگا۔ بہ نسبت اس مدرس کے جو مندرجۂ بالا صفات سے عاری ہو۔ بچوں کے محبوب اور دلپسند سپاہی۔ ملاح۔ فوج غرض ایسے لوگ ہوا کرتے ہیں جن میں کچھ قوت اور قدرت ہو۔ لہذا بلا قوت اور قدرت کامیاب ہونا بچوں کو اثر پذیر کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔

(۲) مدرس کو ہمیشہ خیال رکھنا چاہیئے۔ کہ جب اپنے شاگردوں پر کسی اپنے فعل کا اثر اس طرح ڈالنا چاہیئے۔ کہ مخالف خیال پیدا نہ ہو۔ تو اس کو خود اپنے فن کا ماہر۔ اعتقاد میں مضبوط ہونا چاہیئے۔ بچوں کے دماغ پر جو اثر پڑیگا اس کو وہ اپنا ذاتی خیال سمجھیں گے۔ مخالف خیالات دور رہیں گے۔ اور ان کا عمل ان کے خیالات کے موافق کمہار کے برتنوں کی طرح ڈھل کر نکلے گا۔

ادب اور تاریخ اثر پذیری کی زندہ مثالیں پیش کرتے ہیں۔ یہ اثر پذیری ہے کہ اکبر کو اپنی رسالت پر اعتماد اور اعتقاد آگیا تھا۔ شاہجہاں اپنے بیٹے اورنگ زیب سے اس درجہ خفا تھا اس نے عہد کرلیا تھا۔ کہ فقیر منش صحرانورد انسان کو گورنری سے کیا سروکار۔ اس نے زیب کو صوبہ داری دکن سے علیحدہ کردیا تھا۔ مگر میر جملہ کی تقریر نے وہ جادو گری کی کہ سارا خاک میں مل گیا اور اسی اورنگ زیب نے نہ صرف صوبہ داری کی بلکہ اپنے باپ شاہنشاہی کو اس کی زندگی میں خاک میں ملا کر چھوڑا۔ جو لوگ انگریزی دان ہیں وہ بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ کہ ایاگو نے آتھلو کو اپنی خفت آمیز بیوی کے خلاف کس طرح ورغلایا اور کس طرح اس کو یقین دلایا۔ کہ کیسیو اس کی لیلیٰ کا ناجائز حصہ دار ہے۔

جب ایاگو ورغلاتا ہے۔ وہ دو چیزوں کا خیال رکھتا ہے:-

۱۔ اپنی غرض و غایت کو پوشیدہ رکھتا ہے۔

۲۔ ہمیشہ شبہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ مجھے ان چیزوں کا شک ہے۔

جب آتھلو کے دل میں شک پیدا ہوگیا۔ تو اپنی بیوی کی ہر سچی ہنسی پر یقین کرتا ہے جس کا شبہ ایاگو نے دلایا تھا۔ شک کا پیدا ہونا زیادہ مہلک ہے۔ بہ نسبت براہ راست الزام کے جب اب ہم مضمون کے سب سے زیادہ اہم حصہ یعنی تربیت و تعلیم اطفال میں اثر آفرینی کے عمل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ یوں تو جستہ جستہ اس کا ذکر صفحات سابق میں بھی ہو چکا ہے لیکن یکجا طور پر ان مختلف ذرائع اور طرق کا تذکرہ زیادہ فائدہ مند ہوگا۔

۱۔ گزشتہ موقع پر کہا جا چکا ہے۔ کہ سرعت تاثیر بچوں میں بہت کچھ ہوتی ہے اس کی سب سے روشن مثال کامیابی یا ناکامیابی ہیں نظر آتی ہے۔ اگر کسی جدید مضمون کو پڑھاتے وقت استاد طلبہ کی توجہ اس کی دقتوں کی طرف دلائے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ قبل از قبل اس کی دقتوں کا خیال دلوں میں سما جاتا ہے اور کوئی ایسا ذہین لڑکا ہو تو خیر ورنہ عام طور سے اس مضمون کا سیکھنا طلبا کے لئے مشکل ہو جاتا ہے یعنی یہی حال استاد کی

رائے کا ہے۔ اکثر مدرّسین بعض اوقات سے کہا کرتے ہیں۔ تم ہرگز پاس نہیں ہو سکتے تم کو تو چھوڑو تمہارے پرحصاتم کو آہی نہیں سکتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ قول ان کے نفس میں اُتر جاتا ہے اور اکثر اوقات اپنے آپ کو عمل کی صورت میں ظاہر کر کے چھوڑتا ہے۔ عام زندگی میں اس کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں۔ اگر آپ کانوکر چینی کے ظروف کا ٹوکرا لئے ہوئے زینے پر جا رہا ہو اور آپ ایسے جملے اس سے کہیں۔ دیکھو خبردار! مجھے ڈر ہے کہ تم ضرور پھینک دو گے۔ آخر طول کر جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ تو کم از کم (۶۰) فیصدی صورتوں میں وہ برتنوں کا ٹوکرا یقیناً پھینک دیا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا حقیقت کی روشنی میں استادوں کو جو نصیحت کی جا سکتی ہے۔ وہ یہی ہے کہ حتی الوسع طلباء کی ہمت افزائی کرتے رہیں۔ مضمون کو شروع کرتے وقت مشکل بنا کر طلباء کے سامنے پیش نہ کریں۔ بلکہ اسے آسان اور عام فہم ظاہر کریں۔

۲۔ قبل اس کے کہ کوئی خیال طلباء میں اپنا عکس پیدا کرے اس میں چند صفات کا ہونا لازمی ہے۔ وہ صفات یہ ہیں:-

ا۔ اس میں اور دیگر خیالات موجود فی الذہن طلباء میں کسی قسم کا مقابلہ یا اضداد پایا جائے مثل مشہور ہے کہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ لہٰذا اساتذہ کو چاہئے کہ اسباق میں حتی الوسع مختلف حصوں کا باہم گر مقابلہ یا موازنہ کرا کے ان کے فرق طلباء سے نکلوائیں اور ایک ہی بات کو مختلف طریقوں سے پیش کریں۔

ب۔ اسے بالکل ہی مغلق اور غریب نہ ہونا چاہئے۔ بلکہ اس میں اور بچوں کے سابقہ خیالات میں کسی قسم کی مناسبت ہو یعنی طلباء اس کے متوقع ہوں یا کم از کم اس کے خواہشمند ہوں۔ لہٰذا استادوں کو چاہئے کہ سبق کی نئی باتوں کے لئے طلباء کو پیش از پیش کسی قدر تیار کر لیں۔ نیز یہ کہ کسی مضمون کے بظاہر مختلف بے ربط اشارات میں ربط اور تعلق پیدا کر لیں۔

ج۔ اسے بامعنی ہونا چاہئے۔ مہمل خیال کا اثر زیادہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا استادوں کو فرق جملہ مضامین نصاب میں اور بچوں کی آئندہ زندگی میں کسی تعلق کی موجودگی کا اظہار کریں مثلاً

تاریخ کے اساتذہ ہیں طلبا کو یہ نہ خیال ہو کہ سننا اور [illegible] کے لیے
ضروری ہے۔ بلکہ انھیں اس کا بھی یقین لایا جائے۔ کہ ان کی [illegible] کے
گی ہیں انھیں قوموں کے عروج و زوال ان کے ارتقا اعتقاد کی تکوین و فساد وغیرہ
سمجھنے میں مدد دے گی۔

زیر بحث میں کسی موقع پر کہا جا چکا ہے۔ کہ خیالات مخالف یا ضد کا پیدا ہونا تاثیر کے لیے
ضروری ہے اس کی ایک وجہ تو یہ ہوتی ہے۔ کہ اگر اثر آفرینی میں طلبا کے جذبات کا لحاظ
نہ رکھا جائے اور جو خیال انہیں پیدا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے وہ ان کے جذبات اور ارادی
محرکات کا ہم آہنگ نہ ہو۔ تو فوراً ضد اور خیالات تازہ کی کا وجود ہو جاتا ہے۔ دوسری وجہ کی
یہ ہے۔ کہ کبھی کبھی کوئی بات اگر بار بار کہی جائے تو اس سے بھی ایک قسم کی ضد پیدا ہو جاتی ہے
ہر مدرس کو اس کی احتیاط رکھنا چاہئے اخلاقی تعلیم میں خاص طور سے یہ بات ملحوظ رہے۔ کہ تربیت
زیرہ جو کچھ ہو بالواسطہ ہو نہ کہ براہ راست۔ اخلاقی قصوں کا اثر کچھ اسی وقت خوب ہوتا ہے
جب مدرس بار بار اس کے اخلاقی پہلو پر زور نہیں دیتا اسی طرح سے بچے بار بار کی تاکید سے مثلاً
سچ بولو۔ پاک صاف رہو اچھی عادت سیکھو۔ یہ باتیں نہیں سیکھ سکتے۔ لازم یہ ہے کہ خود مدرس
اطوار سے یا تاریخی مثالوں سے انھیں متاثر کرے۔ تربیت اخلاق درسی کتب کے ذریعے نہیں
کی جا سکتی اسی طرح ضبط قائم رکھتے وقت لعنت ملامت کرنا کبھی اچھا اثر نہیں پیدا کرتا۔ بلکہ اکثر
اوقات ضد کا محرک ہوتا ہے۔ والدین کے پاس صدر مدرسین کی رپوٹیں جن میں طالب علم کی
خامیوں کا نمبرواری اعادہ کیا جاتا ہے۔ بجائے اصلاح کے بعض اوقات طلبا کے حق میں مضر
ثابت ہوتی ہیں۔ ان کے دل میں اپنی ناقابلیت کا ایسا خیال بس جاتا ہے جو ان کی آئندہ ترقی میں
سد راہ ہوتا ہے۔ اور نکالے نہیں نکل سکتا فقط

عبدالرشید صدیقی

تبصرے

شمع آگرہ | ہندوستان میں بدقسمتی سے برج بابل کی طرح بھانت بھانت کی بولیاں وجود میں آئیں اور ہندوستان کے سیاسی حالات اس رنگ "دھنک" کے [illegible] بولیاں ابھی کچھ بھی ترقی نہ کرنے پائیں تھیں کہ ہندوستان پر برطانوی قوم مسلط ہوگئی اور ایسے اسباب پیدا ہوئے کہ ہندوستان میں تعلیم کا ذریعہ زبان انگریزی قرار دی گئی میکالے کے مغالطہ انگیز لیکن چمکیلے الفاظ والے مشہور نوٹ نے جدید تعلیمی نظام کے اصلی مدعا کو نظر انداز کر دیا اور مدت تک ہندوستانی انگریزی تعلیم یافتہ لوگ اسی خبط میں مبتلا رہے کہ جو کچھ لکھیں انگریزی میں لکھیں یہاں تک کہ انگریزی میں شعر گوئی ایک نہایت فخر و مباہات کی چیز سمجھی جانے ایک ہندوستانی کے قلم سے انگریزی مضامین کا رسالوں میں طبع ہونا قابلیت کی بین دلیل مانی جانے لگی۔ اور اگر کسی ہندوستانی کی انگریزی تحریر کی کسی انگریز نے داد دیدی تو پھر کیا کہنے قابلیت کو چار چاند لگ گئے اور اگر کسی انگریز نے ان الفاظ میں مدح سرائی کی کہ مضمون نگار کی انگریزی بالکل ایک انگریز کی انگریزی معلوم دیتی ہے۔ تو کیا کہنا ہے جن صاحب کی شان میں یہ الفاظ انگریز کے قلم سے نکلے ہوں ان کی یہ نئی روشنی کی معراج ہوگئی اس خبط میں اب بھی شومی قسمت سے ہندوستانی نوجوان چور مبتلا ہے۔ لیکن یہ خوشی کی بات ہے کہ اب ایسے لوگ بھی نظر آنے لگے ہیں جو نئے تعلیم یافتہ ہیں لیکن اس زہریلے خبط سے محفوظ ہیں۔ ہندوستان میں انگریزی زبان اور مغربی نصاب تعلیم کی شدید ضرورت اس لئے تھی کہ ہندوستان کی زبانیں عہد مغلیہ میں تصیر علوم سے عاری اور اظہار خیال سے مجبور۔ انگریزی کے ذریعہ مغربی [illegible] کے مطابق تعلیم پاکر ہندوستانی دماغ ان علوم اور خیالات سے مالا مال ہو سکتے تھے جنکی

بدولت یورپ کی اقوام آگے بڑھ رہی تھیں اور اس مرح دماغوں کی تہذیب پارلیمنٹ اور
نفوس کے شائستہ اور آراستہ ہونے کے بعد یہ توقع ہو سکتی تھی کہ تعلیم یافتہ ہندوستانی
ہندوستانی مادری زبان کو علوم سے مالا مال اور اظہار خیال کی دولت سے مشمول کردیں گے
لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائرکٹروں کا ۱۸۵۴ء والا مراسلہ مکالے کی تحریر سے کہیں زیادہ مدبرانہ
اور مدلل اور خلوص آمیز تھا جس میں انہوں نے اس بات پر زور دیا تھا کہ انگریزی
کے ذریعہ مغربی نصاب کی تعلیم اسی صورت میں مفید اور خلوص پر مبنی ہوگی کہ اس کا نتیجہ
یہ ہو کہ ہندوستان کی مختلف زبانیں جدید علوم اور نئے خیالات سے لبریز ہو جائیں
لیکن جیسا کہ اس تحریر کے شروع میں ذکر کیا گیا ہے ہندوستانی تعلیم یافتہ اس خبط میں
گرفتار ہو گئے کہ انگریزی ادبیات میں سر برآوردہ بنیں اور انگریزی انشا پردازوں اور شعرا کے
کم از کم دوش بدوش ہو جائیں لیکن کئی اسباب ایسے پیدا ہو گئے جن میں سے ایک زبردست
سبب جامعہ عثمانیہ کا قیام بھی ہے کہ ہندوستانیوں کی توجہ اس جانب منعطف ہوئی کہ
اصل علمی اور کلچر کی ترقی مادری زبان کے ذریعہ ہی ہو سکتی ہے۔ انگریزی تعلیم کی بھی ضرورت
مدتوں رہے گی اس لئے نہیں کہ ہندوستان کے پست اور بیزبان شیکسپیر اور ایلزبتھ بارٹ
برونگ کی مادری زبان میں تخلیقی کام کی کوشش کریں اور اپنی عمر اور اپنا دماغ تباہ کریں بلکہ
اس لئے کہ زبان انگریزی کے ذریعہ علوم اور اعلیٰ تخیلات سے اپنے دماغوں کو بھر کر اپنی
مادری زبان کو اظہار خیال کا بہترین آلہ بنائیں اور اپنی زبان میں علوم جدیدہ کا وافر سرمایہ
فراہم کر کے اس خزانہ میں اور اضافہ کریں۔ اس مدعا کے مطابق عمل کیا جاتا تو آج ہندوستان کی
کئی زبانیں زبان انگریزی کی ہم پلہ ہو چکی ہوتیں اور ان میں سے کوئی ایک زبان اس قدر آگے
بڑھ چکی ہوتی کہ سارے ہندوستان کی عام زبان قرار پا جاتی۔ خیر صبح کا بھولا اگر شام کو گھر آجائے
تو اسے بھولا نہ کہنا چاہیے۔ اب ہندوستان کے صاحب غور اصحاب اس جانب مائل ہو رہے ہیں
اور بڑی خوشی کی بات یہ ہے کہ ولایت کے تعلیم یافتہ ہندوستانی نوجوان بھی اس سیدھے

علمی خدمت لے رہے ہیں ورنہ ایک زمانہ تھا کہ ولایت کے تعلیم یافتہ نہ صرف اپنی زبان اردو سے بیگانہ ہو جاتے تھے بلکہ بعض کو تو اپنے ہندوستانی ہونے سے بھی عار آنے لگتا تھا رسالہ شمع کے مدیر مولوی محمد حبیب صاحب اور مولوی حسن عابد جعفری صاحب دونوں آکسفورڈ یونیورسٹی کے علمی فرزند اور بیرسٹر ہیں۔ پہلے صاحب مسلم یونیورسٹی کے پروفیسر ہیں اور دوسرے صاحب ہمارے عزیز دوست اور وہ پرجوش ہندوستانی لمان جو جنگ بلقان کے دوران میں تعلیم کو خیرباد کہہ کر محض اسلامی ہمدردی کی خاطر ایک ترکی لے گئے تھے ان تعلیم یافتہ احباب نے یہ رسالہ جاری کیا ہے۔ اور خوشی کی بات ہے کہ یہ دونوں اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات اپنی ماری زبان کی ترقی کی اہمیت اور ضرورت کو پوری طرح محسوس کرتے ہیں اور لم دبیش انہیں خیالات سے متاثر نظر آتے ہیں جو ابھی اس تبصرہ کے شروع میں سپرد قلم کئے گئے ہیں۔

پہلے نمبر میں عرض حال کی سرخی کے تحت جو تحریر ہے اسکا یہ ٹکڑا پڑھنے کے قابل ہے

"ہماری قومی حیات کے لئے منجملہ دیگر اصناف کے ادب کی تجدید تعمیر کی بھی ضرورت اور اس مرتبہ کے لحاظ سے جو خوش قسمتی سے ہندوستانی زبان کو حاصل ہے ہماری قومی زبان بننے کی اس میں صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہے لیکن جب تک اس کو حصول علوم کا مستقل ذریعہ قرار دیکر اس کے ادب کو دنیا کی اور زبانوں کی طرح وسعت نہ دی جائے کامیابی ممکن نہیں"

ہمیں اس سے کامل اتفاق ہے کہ اردو ادب میں تجدید تعمیر کی ضرورت ہے اور اس پہلو کو پیش نظر رکھکر ہم نے بغور پہلا اور تیسرا نمبر مطالعہ کیا نئی بنا کا ڈالنا بہت مشکل کام ہے اور ابھی شمع کو رونق افروز بزم ادب اردو ہوئے کل کی ہی بات ہے لہذا اس میں تجدید تعمیر کی ابھی کوئی بات ڈھونڈھنی انصاف کے خلاف ہے۔ ان نمبروں کے مضامین عموماً کارآمد اور پرمغز ہیں پہلے نمبر میں "ہندوستان اور حکومت خود اختیاری" ایک قابل غور مضمون ہے اور مضمون نگار صاحب نے جس سلاست اور روانی سے اس مسئلہ کے مختلف

پہلوؤں پر بحث کی ہے وہ قابل مبارکباد ہے حزب مخالف اور ہندوستان بھی ان لوگوں کیلئے جو انگلستان کی سیاسی پارٹیوں کے اصول اور کارروائیوں سے واقف نہیں ایک دلچسپ کتاب ہے۔ تجارت میں ناکامیابی کے پانچ اسباب ایک ایسا مضمون ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مضمون نگار عملی حیثیت سے تجارت کی گتھیوں کے سلجھانے میں مہارت رکھتے ہیں ہمالہ پہاڑ اور پہلے انسان کی تلاش ایسے مضامین ہیں جن کی اردو داں دنیا کیلئے ضرورت ہے اردو ادب میں جدید تعمیر اسی وقت ہو سکے گی کہ اردو بولنے اور لکھنے والے لوگوں کے دل سائنٹی فک استدلال میں پک جائیں اور مشاہدہ اور تجربہ کی اہمیت اور وقعت اس طرح خاطر نشین ہو جائے کہ وہ ان چیزوں کو صداقت کی کسوٹی قرار دے لیں جناب شیر حسین قدوائی کے ذکر خیر میں شاعری کے تعلق پر لطف باتیں ضمناً آگئی ہیں ان میں سے بعض خیالات بحث کے قابل ہیں لیکن اس بحث کا یہ موقع نہیں۔

تیسرے نمبر میں بھی جملہ مضامین پر مغز اور عالمانہ ہیں مبادی سیاسیات ایک قابل قدر تالیف ہے اردو میں سیاسیات پر اس قسم کی کتابوں اور مضامین کی سخت ضرورت ہے۔ طرز بیان سلیس نہیں ہے۔ اصطلاحات کے وضع کرنے میں جھجک سے کام لیا گیا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ ہر مضمون نگار کو اپنی ضرورت کے لحاظ سے اور اپنے مذاق کے مطابق ایسی اصطلاح فوراً گھڑ لینی چاہیے جو اردو میں موجود نہ ہو یا اگر موجود بھی ہو تو اس کی نظر میں نامناسب اور ناکافی ہو اسی طرح عمدہ اصطلاحیں آپ سے آپ نکل آئیں گی مضمون ہندوستان و مصوری بہایت دلچسپ اور سبق آموز ہے ہم اس کے اور اقساط دیکھنے کے مشتاق ہیں۔

شمع کے حصہ نظم سے ہمیں مایوسی ہوئی۔ غزل جو اردو شاعری کی بربادی اور شیرو پرلیتان خیالی اور سٹر آمد کی جڑ ہے اس کو شمع نے بھی اپنے صفحات پر جگہ دی ہے اردو شاعری میں بڑی ضرورت اس کی ہے کہ مسلسل نظمیں ہوں بے ضرورت فارسی

اور ... کی گرانباری کم کی جائے۔ اردو حروف میں وسعت اور بھاؤ پیدا کیا جائے۔
اگر اسفور کے سپوتوں نے بھی اس جانب توجہ نہیں کی تو اردو کا واقعی نقصان ہے۔
دوسری بات جس سے مایوسی ہوئی وہ یہ ہے کہ شمع کو جیسے روشن خیال مدیر صاحب نظر
مدیر نصیب ہوں ... پھر بھی رہ لیتھو کی طباعت اور وہی اردو کے عام پرچوں کا سا
وضع قطع۔ مگر ہمیں حوصلہ مند مدیر صاحبان سے توقع ہے کہ وہ رفتہ رفتہ رسالہ اردو
شمع کو بھی ٹائپ میں شمع کرانے کا بندوبست فرمائیں گے۔ سخت ضرورت ہے کہ اردو
طباعت میں سے لیتھو کو حرف غلط کی طرح مٹا دیا جائے۔

اس میں شک نہیں کہ رسالہ شمع اردو کے چوٹی کے رسالوں میں شمار کرنیکے قابل ہے
جس رنگ کے مضامین اب تک اس میں نکلے ہیں اگر ایسے ہی مضامین نکلتے رہے تو
یقیناً شمع اردو کی بلحاظ ادب اور بلحاظ معلومات علمی بہت قابل قدر خدمت انجام دیگا
ممالک محروسہ سرکار عالی کے اساتذہ کو اس کے مضامین ضرور پڑھنے چاہئیے۔
اور مدارس ثانویہ اور کالجوں کے طلبہ شمع کو روح اور دماغ کے لئے ایک نفیس ضیافت پائینگے

قیمت سالانہ ۔ رسالہ کلدار پتہ احسن منزل شاہ گنج آگرہ

جام جہاں نما (پانی پت پنجاب) جام جہاں نما کا پہلا نمبر نکل چکا ہے محض ایک نمبر کے
مدنظر کوئی مفید تبصرہ ممکن نہیں۔ اس رسالہ کے سرورق پر یہ عبارت ہے۔
"دنیا کی نہایت دلچسپ اور مفید کتابوں رسالوں اور اخبارات کا عطر"۔
شذرات میں مدیر صاحب تحریر فرماتے ہیں۔
"رسالہ کا نام شاید طبع سلیم پر ناگوار گزرے لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ
میں حتی الامکان اس امر کی سعی کروں گا کہ رسالہ پورے طور پر اسم با مسمّٰی ثابت ہو
میں نہ اس کو چوں چوں کا مربہ بنانا چاہتا ہوں نہ ہی عمر عیار کی زنبیل بلکہ میرا مقصد

اس رسالہ کے ذریعہ نہایت مفید اور کارآمد معلومات اور اعلیٰ درجہ کا لٹریچر پیش کیا جائے گا۔

ان الفاظ کے بعد قابل مدیر صاحب نے اللہ تعالیٰ سے اسے سعی مشکور بنانے کی دعا کی ہے جس میں ہم بھی ان کے شریک ہیں۔ جو مقصد انھوں نے پیش نظر رکھا ہے اس کے متعلق یہ خیال ہے ہی معمولی آدمیوں کا دماغ چکرا جائے۔ رسالہ میں بیسیوں زبانیں قائم کی ہیں آلتی کے تحت غالباً آئندہ مضامین ہوا کریں گے۔ وجودہ کے متعلق ہم خود صاف گو واقعت پسند مدیر کے الفاظ دھرا دینے مناسب سمجھتے ہیں۔

"پیش نظر نمبر شاید ناظرین کی پسند کے قابل نہ ہو لیکن میں کوشش کروں گا کہ آئندہ بہتر سے بہتر مضامین ہدیہ ناظرین کر سکوں"

ہماری دلی دعا ہے کہ باہمت مدیر آئندہ اپنے اس دعوے میں پورے اتریں۔

پہلے نمبر میں ایک تو مولانا حالی کی نظم ہے جو ایک بیش بہا تحفہ ہے اور دوسری نظم نازمحبت کے عنوان سے خوب چیز ہے۔ شاعر کا نام نہیں دیا گیا مگر ہمیں امید ہے کہ جام جہاں نما اس اخفا پسند شاعر کی اور نظمیں حاصل کر کے شائع کر سکے گا۔ طباعت وغیرہ معمولی ہے رسالہ کی قیمت سے سکہ کلدار اور سرورق کے نیچے کے حصے میں یہ نوٹ اردو صحافت میں ایک قابل قدر جدت ہے۔

(ہر شخص کو اختیار ہے کہ دیکھے ہوئے پرچے احتیاط سے واپس کر کے اپنی قیمت منگوالے)۔

شذرات

ملک برف کے سب سے قدیم مدرس فریڈرک ہارنس نے بمقام برلن ۱۰۰ برس کی عمر میں انتقال کیا۔

حکومت جاپان نے اپنے ملک کے تمام مدارس میں فوجی تعلیم لازمی کردی ہے۔

اٹلی میں ایک مدرسہ ہوائی جہاز رانی سکھانے کے لئے قائم ہوا ہے۔

جاپان میں اس وقت ہر قسم کی تعلیم گاہوں کی جملہ تعداد تینتالیس ہزار آٹھ سو پچیس ہے۔ جن میں صرف چوہتر سرکاری ہیں اور باقی سب غیر سرکاری اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ عام طور پر تعلیم کی کیا قدر ہے اور پبلک اس کے لئے کتنا روپیہ بلا تکلف صرف کرتی ہے۔

جرمنی میں بمقام ورکس ڈارف ایک نئی وضع کا مدرسہ قائم کیا گیا ہے جہاں کہ طلبا کو نہایت آزادی کے ساتھ رہنے سہنے پڑھنے لکھنے کا موقع دیا جاتا ہے۔ بانی مدرسہ ڈاکٹر وائنی کن کا خیال ہے کہ اگر طلبا کو ایک جماعت میں رکھکر ان کی نشو نما میں کوئی رکاوٹ نہ پیدا کی جائے تو وہ دنیا میں ان لڑکوں کے مقابلہ میں زیادہ کامیاب ثابت ہوں گے جو مروجہ مدارس کی قیود میں اپنی شخصیت پیدا نہیں کر سکتے۔

یہ نادر مدرسہ ایک خوشنما پہاڑ کے دامن میں واقع ہے اس میں بیس مکان

اور ایک سو بیس طلبا، وطالبات ہیں۔ لڑکے اور لڑکیاں۔ علیحدہ۔ علیحدہ مکان
رہتے ہیں مگر کام ایک جگہ کرتے ہیں۔ ادبی تعلیم کے ساتھ زراعت نجاری وغیرہ بھی

فلسطین میں بمقام یروشلم جس کو مسلمان بیت المقدس کہتے ہیں حکومت
برطانیہ نے ایک یونیورسٹی خاص یہودیوں کے لئے قائم کی ہے۔ مسٹر بالفور نے
بڑے تزک واحتشام سے اس کا افتتاح کیا اس یونیورسٹی میں عبرانی زبان میں تعلیم ہوگی

امریکہ کے ایک عالم نے پورے طور پر ثابت کر دیا ہے کہ (استوائی قطر)
۸۶۷۲۲۶ میل ہے اور (قطبی قطر) ۸۹۹۹۶۴ میل
ان دونوں میں صرف ۲۶۹۹۴ میل کا فرق ہے۔ اس لحاظ سے دونو (قطب)
کے جانب زمین ہر ۲۹۷ میل میں ایک حصہ چپٹی ہو جاتی ہے۔

پچیس جاپانی مدرسہ کی لڑکیاں ایک تجربہ کار شخص کی نگرانی میں چین کے
مشرقی حصہ کی سیر و سیاحت کو روانہ کی گئی ہیں۔

کارخانہ فورڈ موٹر کار کے مالک نے گذشتہ سال صرف پچیس کروڑ ڈالر
مزدوری دینے میں خرچ کئے۔ ایک ڈالر تقریباً چار روپیہ کے برابر ہوتا ہے اس سے امریکہ کے
ایک تاجر کی دولت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

جاپان کی پارلیمنٹ نے اپنے ملک کے ہر اس شخص کو ووٹ دینے کا مجاز کر دیا ہے
جو اپنی روٹی آپ کماتا ہے۔ جو بھیک مانگتے ہیں یا دوسروں کی کمائی پر زندگی بسر کرتے ہیں

ووٹ دینے کا حق نہیں رکھیں گے۔

داؤدیہ فرقہ کے بعض بااثر متمول نوجوانوں نے بمبئی میں ایک انجمن قائم کی ہے جس کا نام انہوں نے نوجوانان فرقہ داؤدیہ رکھا ہے انجمن کے مقاصد میں یہ ہیں کہ داؤدیہ فرقہ کے حقوق وغیرہ کی حفاظت کی جائے اور ان کے بچوں کی تعلیم اور اخلاق پر عہدگی کے ساتھ ہو اور ساتھ ہی کھیل اور ورزش جسمانی کا معقول انتظام ہو۔ مرحوم نے اس انجمن کے لئے پانچ ہزار کا وعدہ کیا ہے یہ رقم وظائف میں صرف کیجائے گی۔

آج سے پچاس برس قبل ہندوستان میں تعلیم نسواں کا عدم وجود برابر تھا آخر ملک میں اس کی اہمیت و ضرورت کا احساس پیدا ہوا۔ اور اب روز بروز اس میں ترقی نظر آرہی ہے اگرچہ مشرقی ممالک مثلاً روس، ترکی، مصر، جاپان اور ایران وغیرہ کا مقابلہ تعلیم نسواں کے معاملہ میں ہندوستان نہیں کرسکتا ہے۔ تاہم یہ امر کچھ کم موجب اطمینان نہیں ہے۔ کہ اب ہمارے ملک میں بھی ہر شعبۂ زندگی میں مستورات بیش بیش نظر آرہی ہیں صنعت و حرفت کا میدان اب تک صنف لطیف سے خالی تھا مقام شکر ہے کہ مس یاسمین سرویر نے اس کمی کو بھی پورا کردیا۔

بمبئی یونیورسٹی کے حال کے امتحانات میں اس پارسی خاتون نے تجارت میں بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی ہے۔

ہندوستان میں یہ پہلی خاتون ہے۔ جو اس شعبہ خاص میں فارغ التحصیل ہوئی ان کی کامیابی صرف پارسی کمیونٹی کے لئے نہیں بلکہ تمام ہندوستان کے لئے مایۂ ناز ہے امید ہے کہ ہمارے ملک کی دیگر خواتین بھی ان کی تقلید کرکے حصول تعلیم کو اپنی سرگرمیوں اور امیدوں کا مرکز بنائیں گی۔ ہندوستان کی نجات کا دارومدار ایک حد تک طبقۂ اناث پر ہے

اور جتنا زیادہ یہ تعلیم کی طرف رجوع مائل ہوں گی اُسی قدر جلد ہندوستان اپنے مقاصد میں کامیاب ہوگا۔

جہانسی میونسپل بورڈ نے کسی ٹیکس کی اضافہ کے بغیر ابتدائی تعلیم مفت کردی ہے

حال میں بمبئی کے سکولس کمیٹی کا اجلاس میونسپل کارپوریشن ہال میں زیر صدارت مسٹر پی۔ین موتی والا منعقد ہوا سب سے پہلے صدر نشین نے میڈیکل انسپکٹروں کے رپورٹیں سنائیں جن میں تفصیل کے ساتھ ان مدرسین کے حالات بتلائے گئے جو کہ کسی نہ کسی مرض میں مبتلا ہیں اور رپورٹ میں ظاہر کیا گیا کہ اکثر اساتذہ باوجود بیمار رہنے کے رخصت بیماری محض اس لئے نہیں لیتے کہ نصف تنخواہ ضبط ہوجاتی ہے۔ میڈیکل انسپکٹروں نے اپنی رپورٹوں میں تحریکات کی ہیں کہ مدرسین کے قیام کے لئے اچھے محلوں میں کمیٹی مکانات فراہم کرے افسران طبی معائنہ کنندہ نے (۲۰) مدرسین کو بوجہ معذوری قابل علیحدگی قرار دیا اور (۴۴) مدرسین کو بوجہ علالت علاج کے لئے رخصت لینے کی رائے دی۔ ان مدرسین کیلئے جو مرض سل اور دق میں مبتلا ہیں ایسے دواخانوں میں رجوع ہونے کی تحریک کی کہ جہاں اس کا معقول علاج کیا جاتا ہے۔ اور جو مدرسین ضعف بصارت میں مبتلا پائے گئے ان کو عینک کے استعمال کی تاکید کی گئی ہے۔ میڈیکل انسپکٹروں نے رائے دی ہے کہ بعض خاص امراض کی صورت میں مریض مدرسین کو سالم تنخواہ پر رخصت بیماری دیجائے۔

مسٹر راس پرنسپل ٹریننگ کالج احمدنگر کو گورنمنٹ مدراس نے ولایت بھیجا تھا کہ وہاں کے ہائی سکولس اور اعلیٰ تعلیمی مراکز کا معائنہ کریں۔ مسٹر راس نے واپسی پر انگلستان کے تعلیم ثانوی کے متعلق رپورٹ پیش کی ہے۔ اس رپورٹ میں ظاہر کیا گیا ہے کہ فی زمانہ

تعلیم دستکاری (MANUAL TRAINING) کی جانب زیادہ رجحان ہے۔ اور تحریک کی
ہے کہ
ء مفید دستی مشاغل مدارس میں جاری کئے جائیں اور ان کے لئے تختہ اوقات میں ہر ہفتہ میں
چند گھنٹے معین کئے جائیں۔

کہتے ہیں کہ
ڈاکٹر ولیم تھلڈن پروفیسر نفسیات شکاگو یونیورسٹی نے اس بات کے معلوم کرنے
لانبے پیر اور ہاتھ رکھنے والے زیادہ چالاک اور ہوشیار ہوتے ہیں یا چھوٹے، پستہ
یونیورسٹی کے چار سو طلبا کی پیمایش شروع کریں گے اور اس کے بعد پیمایش ذہن
اور ہر ایک کی قابلیت وغیرہ کا کام شروع کریں گے۔

بڑودہ کی حکومت نے یہ طے کیا ہے کہ ڈاکٹر گلبرٹ کے دشوا بھارتی میں دیہی مسائل کا
مطالعہ کرنے کی غرض سے پانچ آدمیوں کو وظیفے دیے جائیں۔ حکومت نے جسمانی تعلیم کی
اصلاح کے لئے بھی ایک اسکیم منظور کی ہے۔ اس سکیم کے تحت ریاست کے اکھاڑوں کو
رقمی امداد اس غرض سے دی جائے گی کہ وہ اس امداد سے اکھاڑوں میں کشتی سکھانے والے
نوکر رکھیں اکھاڑوں کے لئے عمارتیں کرایہ پر لیں اور اکھاڑوں کا ضروری سامان
مہیا کریں۔

قسطنطنیہ میں وزارت جنگ کی جو عالی شان عمارت ہے۔ وہ وہاں کی یونیورسٹی
"جامعہ استنبول" کو دے دی گئی ہے۔ وہاں باغ بھی لگایا جائے گا۔ اسکے بعد وہ لحاظ
جائے وقوع دنیا بھر میں بہترین یونیورسٹی بن جائے گی۔

اشتہارات

مفتاح التعلیم
مولفہ
سید محمد حسین صاحب جعفری بی اے (کین)

اردو میں پہلی کتاب ہے جس میں سلیس زبان عام فہم پیرائہ میں یورپ کے جدید ترین اصول و طریقہ تعلیم کنڈرگارٹن تحریر کئے گئے ہیں اور ایسے طریقہ پر بتلائے گئے ہیں جن کے مطابق تعلیم مدارس تحتانیہ اضلاع میں ہو سکتی ہے اس میں جابجا تصاویر دیگر مطلب واضح کیا گیا ہے قیمت فی جلد دو روپیہ سکہ عثمانیہ علاوہ محصول ڈاک۔

نوٹ۔ اب کہ دفتر رسالہ المعلم میں اس کتاب کے جتنے آرڈر آئے تھے وہ سب ہم نے سید عبد القادر صاحب تاجر کتب چارمینار کو دیدے ہیں پس براہ کرم دوکان مذکور سے اگر وی پی مفتاح التعلیم وصول ہو تو فوراً واگذاشت فرمالیا جائے۔

یہ امر واضح رہے کہ مفتاح التعلیم کے سابقہ دو ایڈیشن ختم ہو جانے کی وجہ بروقت آرڈر کی تعمیل نہ ہو سکی اب تیسرا ایڈیشن چھپ چکا ہے اس لئے اب کتب مذکور کی ترسیل میں تعویق نہ ہوگی جو قدر نسخے مطلوب ہوں سید عبد القادر صاحب تاجر کتب چارمینار حیدرآباد دکن سے طلب فرمائیں۔

وکرم عروسی
مولفہ
مولوی غیور زمرا صاحب مرحوم

یعنی مہاکوی کالیداس کے ایک مشہور ناٹک کا ترجمہ مع ایک بسیط مقدمہ کہ جسمیں ہندو ڈراما کی تاریخ اور نوعیت پر مفصل بحث کی گئی ہے قیمت فی جلد اکیروپیہ علاوہ محصول ڈاک۔

ہدایات برائے مدرسین
مولفہ
سید محمد حسین صاحب جعفری بی اے (کین)

حین معائنہ مدارس جس قدر بھی ہدایات دیجا سکتی ہیں وہ سب ایک کتاب کی صورت میں شائع کی گئی ہیں اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ اہم ترین امور معمولی اردو کے متعلق تفصیلی ہدایات درج ہیں قیمت فی جلد یکروپیہ علاوہ محصول ڈاک۔

خلاصہ تاریخ انگلستان
مولفہ
مسز فشر

ابتک اردو میں کوئی ایسی مختصر تاریخ انگلستان موجود نہیں تھی جسکے پڑھنے سے انگریزوں کے حالات معلوم ہو سکیں۔ یہ کتاب اگرچہ میٹرک کے نصاب میں داخل ہے مگر ہر شخص اس سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے قیمت فی جلد اکیروپیہ بارہ آنہ سکہ عثمانیہ علاوہ محصول ڈاک

ملنے کا پتہ

دفتر رسالہ المعلم کوچہ چراغ علی حیدرآباد دکن

دی انڈین کوآپریٹو انڈسٹریل سوسائٹی لمیٹڈ چاگھاٹ حیدرآباد دکن

تمام دکانین ہمہ قسم کی ملکی مصنوعات موجود ہیں عمدہ کپڑا سوتی و اونی و ریشمی سنگاریڈی کا مشہور کپڑا خالص اقمشی بنی ہوئی کھادی باآب دستیاں۔ توال چھپی ہوئی و سادی چادریں، وغیرہ بیدری سامان ازقسم بٹن۔ بروج ڈبیاں کشتیاں غیرہ وغیرہ جاپانی کا سامان ازقسم عطردان پنڈان سگریٹ کیس کھیلوں کے انعامات مثلاً کپ شیلڈ وغیرہ اسٹنری ہمہ قسم کا دیسی کاغذ نسل و نگل کی طرح طرح کی دوائیں کاغذ ب۔ پن ریک وغیرہ نیم آنہ روانہ کرنے پر فہرست شائع مفت ملسکتی ہے

ایم نظام الدین اینڈ کو منیجنگ ایجنٹ

اخبار تعلیم لاہور

ہر قسم کے تعلیمی معاملات پر آزادانہ بحث کرنے والا مدرسین کا وکیل اور ترجمان طلبا کا معاون و مددگار افسران محکمہ تعلیم کا خیر خواہ سررشتہ تعلیم کا مشیر ہر قسم کے علمی عملی اخلاقی طبی وغیرہ مضامین کا مخزن ہفتہ وار اخبار تعلیم لاہور سے شائع ہوتا ہے۔ قیمت سالانہ چار روپیہ ششماہی دو روپیہ آٹھ آنہ سہ ماہی ڈیڑھ روپیہ

منشی طالب علی صاحب پابند قریشی ایڈیٹر اخبار تعلیم لاہور سے طلب کیجئے

سررشتہ تعلیمات

کی ہر جماعت کی جملہ اصلی کتب نصاب خلاصہ جات و کتب انعامی اردو فارسی۔ عربی انگریزی تلنگی مرہٹی

ڈرائنگ و تصاویر

جو بچوں کی ابتدائی تعلیم اور ڈرائنگ کے عملیات کے لئے مفید و کارآمد ہیں کتب ڈرائنگ کاپیاں و کپیاس و تصاویر نباتات و جانوران وغیرہ۔

نقشہ جات

ہندوستان ایشیا یورپ افریقہ امریکہ ہر دو موجود ہیں جن کی نہایت واجبی قیمت ہے تفصیل کے لئے کتب خانہ ہذا کی فہرست کتب مفت طلب فرما کر ملاحظہ فرمائی جائے

المشتہر سید عبدالقادر تاجر کتب و پبلشر و مالک اعظم اسٹیم پریس چاگھاٹ حیدرآباد دکن

رجسٹرڈ نمبر ۲۰۶۵ انگریزی ایم نشان

رجسٹرڈ نمبر ۴۱ سرکار عالی نشان

جلد اول

نمبر ۱۲

المعلم

ع

۱

ماہ امرداد سنہ ۱۳۳۴ ف

ایڈیٹر ..... محمد سجاد مرزا بی اے (کنٹب)

جائنٹ ایڈیٹر ..... محمد عظمت اللہ خاں بی اے

اعظم اسٹیم پریس چارمینار

حیدرآباد دکن

قواعد

(۱) یہ محض تعلیمی رسالہ ہے جسمیں تعلیم کے مختلف شعبوں کے متعلق مضامین درج ہوں گے سیاسی یا مذہبی مضامین شریک نہ کئے جائیں گے۔

(۲) یہ رسالہ ہر ماہ فصلی کے پہلے ہفتہ میں شائع ہوا کرے گا۔

(۳) پرچہ وصول نہ ہو تو ہر ماہ فصلی کی ۲۵ تاریخ تک خریدار صاحبان بحوالہ نمبر خریداری مطلع فرمائیں

(۴) جو مضامین ناقابل طبع متصور ہوں گے ان کی واپسی خرچہ ڈاک کی روانگی پر منحصر ہوگی۔

(۵) اس رسالہ کی قیمت سالانہ ہے مع محصول ڈاک ہے جو پیشگی لی جائے گی:

(۶) نمونہ کا پرچہ پانچ آنہ کے ٹکٹ وصول ہونے پر ارسال کیا جائے گا۔

(۷) جو اطلب اور کے لئے جوابی کارڈ وصول ہونا چاہئے ورنہ ادائی جواب میں مجبوری رہے گی۔

(۸) اجرت طبع اشتہارات درج ذیل ہے رقم وصول ہونے پر اشتہارات طبع کئے جائیں گے۔

تعداد بدت	صفحہ	نصف صفحہ	ربع صفحہ
ایک بار	[illegible]	[illegible]	[illegible]
سہ ماہ	[illegible]	[illegible]	[illegible]
ششماہ	[illegible]	[illegible]	[illegible]
سالانہ	[illegible]	[illegible]	[illegible]

(۹) جملہ مراسلت و ترسیل رقوم منی آرڈر وغیرہ موسومہ جائنٹ ایڈیٹر پتہ ذیل پر ہونی چاہئے

محمد عظمت اللہ خاں بی اے جائنٹ ایڈیٹر

دفتر رسالہ المعلم کوچہ چراغ علی واقع سیاہ توپ

حیدرآباد دکن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مندرجات

المعلم

(۱) تعلیم کس کو کہتے ہیں	نواب سر امین جنگ بہادر	(۱ تا ۱۱)
(۲) تعلیم کا طریقہ	" " "	(۱۱ تا ۲۲)
(۳) تاریخ	مولوی غلام مصطفےٰ صاحب	(۲۲ تا ۲۴)
(۴) ابتدائی جماعتوں کی تعلیم	مولوی سید محمد حسین صاحب	(۲۵ تا ۲۷)
(۵) تبصرہ		(۲۸ تا ۳۰)
(۶) شذرات		(۳۰ تا ۳۲)
(۷) ضمیمہ رسالہ المعلم		(۳۳)
(۸) مکتوبات فرنگ	مولوی سید محمد مہدی صاحب دگار انجمن اتحاد و قرضہ سرکار عالی	(۳۴ تا ۶۲)
(۹) دیہی مدارس میں دستکاری	مولوی سید محمد حسین صاحب	(۶۲ تا ۶۴)

جلد | بابتہ ماہ امرداد سنہ ۱۳۳۴ ف | نمبر ۱۲

تعلیم کس کو کہتے ہیں؟

یہ ایک مضمون ہے جسے نواب سر امین جنگ بہادر نے مدرسہ آصفیہ سے متعلق ایک جلسہ میں بہ حیثیت صدر نشین پڑھا۔ یہ مضمون مقامی اخبارات میں شائع بھی ہو چکا ہے۔ لیکن مضمون اس قدر قیمتی ہے۔ اور مقامی اخبارات ہمارے جملہ مدارس میں نہیں پہونچتے۔ کہ ہم نے معزز صاحب مضمون سے باادب استدعا کی اس مضمون کے شائع کرنے کی "المعلم" کو بھی اجازت عطا فرمائی جائے۔

نواب سر امین جنگ بہادر کی شخصیت بلحاظ قابلیت اعلیٰ کیریکٹر اور سنجیدہ کاری

نہ صرف ہماری ریاست بلکہ مسلمانان ہند کے لئے مایۂ ناز ہے۔ آپ ان ہستیوں سے ہیں جن کا اوڑھنا بچھونا اور زندگی کا تنہا مقصد علم ہے اور جو اعلیٰ کلچر کی زندہ نشانی ہیں بہت کم لوگوں کو ایسے اہم اور جلیلہ عہدوں تک پہونچنا نصیب ہوتا ہے جن کے اہم اور نازک فرائض کی انجام دہی میں نواب صاحب ممدوح کی عمر گذری ہے ان بھاری ذمہ داریوں کے باوجود کے ساتھ خالص علمی ترقی کی غرض سے مطالعہ اور تالیف اور تصنیف میں اپنی ہستی اوقات کا وقف کرنا ایک ایسی چیز ہے جس کی مثال صدر مسلمانوں نے کئی زمانوں میں مل سکتی ہے جبکہ مسلمان دنیا کے مختلف حصوں میں حکومت کی گرانباریوں کے پہلو بہ پہلو علمی انہماک بھی رکھتے تھے۔ تدبر کے دوش بدوش تحریر بھی تھا۔ فتوحات کے ہمرکاب علمی تحقیقات بھی تھی۔

نواب صاحب ممدوح کے اس مضمون کی قدر و قیمت اور بھی دوبالا ہو جاتی ہے جب اس پہلو سے غور کیا جائے کہ یہ مضمون نری نمائی اور محض علمی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ ایک ایسے قلم سے نکلا ہے جس کی ایک عمر امور مملکت کے تعمیری کاموں اور گلجھیڑوں کے سلجھانے میں گذری ہے علمی تحقیقات اسی وقت کارآمد ہوتی ہے کہ صاحب تحقیقات مرد کار بھی ہو۔ علاوہ اس کے کہ نواب صاحب کو میدان عمل کے اہم ترین شعبہ حکومت سے مدتوں سابقہ رہا ہے آپ کو ہمیشہ تعلیمی تحریکات سے دلچسپی رہی ہے اور آپ کی زندگی کا ابتدائی حصہ تعلیمی تجربہ سے مالا مال رہا ہے۔ ایسے اصحاب قلم جو مرد کار بھی ہوں صحیح معنوں میں مفید اور کارآمد باتیں سپرد قلم کر سکتے ہیں اور ہماری استدعا ہے کہ نواب صاحب اپنے وسیع علمی مطالعہ اور دیرینہ تعمیری تجربہ معدن سے بشرط فرصت اور بہ نظر بہبود عامہ اس نایاب علم کو اپنے قلمی جواہر پارے عنایت فرماتے رہیں گے۔

شریک مدیر

ہم سب کو فخر ہے کہ ہم مسلمان ہیں۔ ایسے رسول برحق کی امت میں ہیں جنہوں نے ہمارے
ین و دنیا کی بہتری کا نہایت سیدھا و سہل راستہ (صراط مستقیم) ہمیں بتایا۔ ہم میں چند ایسے بھی ہیں
ن کو ناز ہے (اور ہونا چاہئے) کہ اپنے قوم کے دلدادہ خادم ہیں اور حتی المقدور اپنی قوم کی خدمت ادا کر سکتے ہیں
لیکن ہمارا یہ فخر و ناز جو بجا ہے محض بیکار و بے سود ہوگا اگر ہم اسلام کے سچے عقائد کے علاوہ اُس کے
صحیح مسلک کو جو سنت ہے اختیار نہ کریں۔ اس وقت اسی بارہ میں اپنے چند کج مج خیالات
ظاہر کرنا چاہتا ہوں جو میرے ذہن میں آئے ہیں۔

دنیا کے ہر مذہب کے عقائد عبادات و فقہ اگرچہ مختلف ہیں لیکن سب کا اصل مقصد
ایک ہی ہے یعنے ہر انسان کی نیت نیک بن جائے۔ اس کو انگریزی میں (GOODWILL)
پیدا کرنا کہتے ہیں۔ یہی مذہب اسلام کا اصل مقصد ہے جو اسلامی عقائد عبادات و شریعت کا
مطمح نظر ہے۔ انسان جو مرکب مع الخطاء والنسیان ہے انسان جو جانور اور ملائک کے خصلتوں کا
مرکب معجون ہے۔ اُس کے نفس کو۔ یعنے اُس کے اُس شعور کو جس کو "وہ میں" کہتا ہے۔ اُس کی
(انانیت) کو ایسا پاک کرنا جس کی وجہ سے وہ ہر امر میں نیکی کی طرف رجوع ہو اور بدی سے
گریز کرے۔ نفس کو پاک کرنے۔ نفس انسان کی نیتوں اور ارادوں کو نیک بنانے
طریقہ کو ہمارے صوفیاء کرام (تزکیہ نفس) کہتے ہیں

تزکیۂ نفس کے مختلف و متعدد طریقے ہیں۔ چنانچہ ایک طریقہ عبادت و ریاضت کا ہے
جو اکثر بزرگان دین نے اختیار فرمایا۔ اور ایک طریقہ وعظ و نصیحت کا ہے جو اکثر علماء کرام نے
پسند کیا ہے۔ لیکن ان سب طریقوں میں ایک ایسا طریقہ بھی ہے جو عام الناس کے واسطے
مناسب و موزوں ہے۔ یہ وہی ہے جو ہمارے پیغمبر صلعم نے اپنی عمر بھر کے عمل سے ہمیں بتایا
پڑھی
ہم سب جانتے ہیں کہ سنت کس کو کہتے ہیں: آنحضرت نے کس طرح وضو کیا۔ کس طور سے نماز
کس بات میں کیا حکم فرمایا۔ کس کو کیا کرتا دیکھکر پسند فرمایا۔ اور کس کے کونسے فعل و قول کو منع فرمایا
آپ کے روزمرہ آئین و اطوار۔ اخلاق و عادات کیا تھے۔ یہ سب سنتیں ہیں اُن کو ہم سب اپنا

دستور العمل بنانا اور ان کے موافق عمل کرنے کی کوشش کرنا ہمارے لئے [illegible] دین ہے مگر یہ سب فروعات ہیں۔ ان کا اصل اصول جس کو ہم (سنت السنن) کہہ سکتے ہیں وہ آنحضرتؐ کی حیات اقدس پر بہیئت مجموعی غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔

اگر آنحضرت کے سوانح عمری پر غور کیا جائے۔ مولانا شبلی جیسے علامہ کی "سیرۃ النبی" یا سید امیر علی جیسے مقنن کی کتاب "روح الاسلام" پڑھی جائے۔ بلکہ گبن جیسے لامذہب کی تاریخ زوال روما (Decline & Rome) یا سر ولیم میور جیسے عیسائی کی "حیات محمدی" دیکھی جائے تو معلوم ہوگا کہ آنحضرت کا کیا مسلک تھا۔ کیا طریقہ عام انسان کے تزکیہ نفس کا۔ یعنے نیت کو نیک بنانے کا طریقہ آپ نے اپنے عمر بھر کے اقوال و اعمال سے ہم کو بتایا۔ آنحضرتؐ نے اپنی تمام عمر دو باتوں کے لئے وقف فرما دی تھی جن کے ہمعصر مخالفین معترف تھے اور بعد کے متعصب مورخین بھی معترف ہیں۔ وہ دو باتیں یہ تھیں۔

ایک یہ کہ آنحضرت ہر طرح سے ہر حال میں اپنی امت کے دلنشین فرماتے تھے کہ اللہ جو ہر جگہ و ہر وقت حاضر و ناظر ہے وہ ایک ہے۔ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ۔

دوسری یہ کہ آنحضرت کی کوشش مدت العمر یہی رہی کہ ایک اللہ کے تمام بندوں کو ایک بنا دیں۔ سب کو ایک ہی رشتہ اتحاد میں جمع کر کے ایک امت ایک خدا ایک نبی کی نام لیوا بنا دیں۔

جیسا اللہ ایک ہے ویسے اس کے تمام بندے جو اوس کو ایک ماننے والے ہیں آپس میں مل جل کر ایک بن جائیں۔ آنحضرت کے تمام کوششوں کا ایک ہی مقصود تھا۔ اللہ کے تمام بندے آپس میں بھائی بہنوں کے مانند ایک ملت ایک امت بلکہ ایک خاندان کے ارکان ہو جائیں۔ آپ نے دنیا کے ہر فرد بشر کو کامل موقع عطا فرمایا کہ خواہ وہ مراکش کا مور ہو۔ مصر کا [illegible] ہو۔ چین کا مغل ہو یورپ کا المانی یا سکاٹ ہو۔ عرب ہو۔ ترک ہو۔ یا ایرانی یا ہندی [illegible] ایک مذہب کا پیرو ہو کر ایک ہی قوم اسلام کا رکن بن جائے

کی کلمہ گو امت کے اتحاد میں شریک ہونے سے مستثنیٰ نہیں فرمایا فقط عقیدۂ توحید پر عمل کرنے والے تمام انسانوں میں یگانگت پیدا کرنے کی کوشش بلیغ فرمائی۔ ہر جا بجا کہ

پس اگر ہم کو مسلمان ہونے کا فخر ہے اور قوم کی خدمت بجا لانے کا ناز ہے تو فخر اور ناز تب ہی ہو سکتا ہے جب ہم آنحضرت کی سنت کے اصل اصول پر عمل کرتے ہیں۔ جو نے آنحضرت کا سچا اور صحیح مسلک اختیار کیا ہے کہ اللہ کو ایک ماننے والے اس کے نبی کے شیدا تمام مسلمانوں کو ایک ہی قوم والے کیا بلکہ ایک ہی خاندان کے ارکان ہمارے بھائی بہن سمجھتے رہیں اور ان کے ساتھ اپنے اپنے موقع و مقدور کے موافق ایسا ہی برتاؤ کرتے رہیں جیسا بھائی بھائی سے بہن بہن سے کرنا لازم ہے۔

جب ہم اس اعلیٰ سنت رسول مقبول کو اچھی طرح سمجھ جائیں اور اس کے مطابق عمل کرنے کا قصد مصمم کر لیں تو خود بخود ہمارے نفس کا تزکیہ شروع ہو جائے گا یعنے ہماری نیت نیک بنتی جائے گی۔ جو ارادہ ہمارے ذہن میں آئیگا وہ لامحالہ نیک کام کی طرف ہمیں رجوع کرائے گا۔ اور جب ہم مسلمان بندوں کے ساتھ بھائی چارہ کر لیں اور دل سے ان کی خوشی غمی میں بھائی کے مانند حصہ لینے لگیں تو مذہب اسلام کا اصل مقصد حاصل ہونے لگے گا اور ہمارا نفس جانوروں کے خصائل۔ غصہ۔ نخوت نفرت۔ وغیرہ چھوڑ کر ملکوتی خصائل۔ ہمدردی۔ یکدلی۔ فروتنی۔ محبت وغیرہ کی طرف رجوع ہوگا "اخوت اسلام" کا شعار و ولولہ ہر انسان کے دل میں پیدا کرنا اسلام کا اصل شیوہ ہے یہی اعلیٰ سنت نبوی اور مذہب اسلام کا صحیح مسلک ہے۔ یہی مقصد اسلامی تعلیم کا اس مدرسہ میں ہونا چاہئے۔ یہاں کی تعلیم تعلیم کے نام سے موسوم نہ ہوگی اگر یہاں کے لڑکوں کے دلوں میں اخوت اسلام کے شعور کی بنا نہ ڈالی جائے۔ اس کے دو طریقے ہیں۔

(۱) اول یہ کہ توحید کی تعلیم دی جائے کہ اللہ ہر جگہ ہر وقت حاضر و ناظر ہے۔ یہی مذہبی تعلیم ہے جس کے لئے یہاں اس مدرسہ میں ایک خاص شعبہ قائم ہے۔ یوں تو لڑکوں کو

سکھا دینا سہل ہے کہ وہ طوطے کے مانند بولتے جائیں "اللہ ایک ہے اُس کا رسول برحق ہے" مگر ہر لڑکے کے دل میں اس عقیدہ کا بٹھانا بہت دشوار ہے۔ عقیدہ دل میں بٹھانے کے معنے یہ ہیں کہ عقیدہ کا اثر ہر وقت و ہر حال میں انسان کے ارادے و افعال پر پڑتا رہے تاکہ اُس کی نیت نیک بن جائے اُس کی طبیعت و عادت کا رجحان ہر وقت نیکی کی طرف زیادہ بدی کی طرف کم ہو جائے۔

(۲) دوسرا شعبہ اس مدرسہ میں دنیوی تعلیم کا ہے۔ اس کا بھی مقصد وہی ہونا چاہئے جو سنت النبی ہے۔ علوم و فنون کی ساری باتیں لڑکوں کو اسی لئے سکھانا چاہئے کہ وہ آئندہ اسی کام میں لائیں کہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی بھائی کے مانند برتاؤ کیا جائے یوں تو آجکل کے سائنس و ادب کے کتابیں بچوں کو پڑھا دینا کوئی دشوار نہیں ہے۔ لیکن اُن سے علم جو حاصل ہوتا ہے اُس کو قوم کی بہبودی کے کام میں لانے کی ترغیب اُن کو دلانا بڑی جد و جہد کا کام ہے۔ اگر ایسی رغبت نوجوان لڑکوں کے دلوں میں علم کی وجہ سے پیدا نہ ہو تو وہ علم محض بیکار ہوگا۔

غرض "ایمان" و "علم" کے صحیح معنے یہ ہیں کہ ایک طرف اللہ ہر انسان کے دل نشین اس طرح ہو جائے کہ وہ اُس کے فضل و کرم کی امید سے نیک ارادے اور نیک کام کرتا رہے اور اس کے ڈر کے مارے بُرے ارادے اور برے کاموں سے بچتا رہے۔ (الایمان بین الخوف والرجاء) اسی کو کہتے ہیں۔ دوسرے طرف علم کا نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ ہر ایک اپنے ابنائے جنس کو اپنے بھائی بہن سمجھ کر اُس کی برائی نہ کرے اور ہمیشہ اُن کی بھلائی کا خواہاں رہے یہی اخوت اسلام ہے۔ اسی کی تعلیم اپنے بچوں کو دینا اور دلانا ہم سب پر فرض ہے۔

پس اب سوال یہ ہے کہ ایمان و علم کی تعلیم کا کیا طریقہ ہے جس سے ایمان دلنشین ہو اور علم کا عمدہ اثر ارادہ و عمل پر ہوتا جائے یہ بہت بڑا مسئلہ ہے جس پر اندیشہ

ایک طرف ماہرین علم النفس بھی لمبی چوڑی بحثیں کر رہے ہیں۔ دوسری طرف بڑے بڑے معلمین و پروفیسر غور و خوض کر رہے ہیں اور تیسری طرف ہر ملک کے مدبرین سیاسیات تجاویز سوچ رہے ہیں۔ تعلیم کی ضرورت کی نسبت کسی کو کلام نہیں۔ ہر کس و ناکس جانتا ہے کہ ملک و قوم کی بہبودی کا دارومدار اعلیٰ پیمانہ پر تعلیم پر ہے۔ تعلیم کی غایت کے متعلق بھی کسی کو چنداں اختلاف نہیں ہے۔ یہ تو کم و بیش وہی ہے جو سنت انبوی ہے لیکن تعلیم کے طریقہ کے متعلق بہت اختلاف ہے۔ کوئی صحیح و سہل طریقہ ہے عام یہ طریقہ کافی سمجھا جا رہا تھا کہ لڑکوں کو چند کتابیں پڑھا کر اُن کا امتحان دیا جائے کامیابی کے بعد سند دیگر دستار فضیلت باندھی جائے۔ ڈگری دیگر گون وغیرہ پہنا دیے جائے مگر یہ طریقہ ہر جگہ غیر کافی ثابت ہوا ہے۔ اگرچہ کتابیں پڑھانا علوم و فنون سکھانا تعلیم کا ایک ضروری جزو ہے جو ترک نہیں کیا جا سکتا۔ مگر یہ جزو جزو ہے فقط اس سے تعلیم کی تکمیل نہیں ہو سکتی تکمیل اُسی وقت ہوتی ہے جبکہ ایمان کا اثر انسان کے عمل پر پڑتا ہے جبکہ علم عمل درست ہوتا ہے ایمان و علم کا اثر عمل پر ڈالنے کے بہترین طریقوں کی دریافت کیواسطے دو امور تحقیق لابد ہے۔

(۱) ایک یہ کہ نفس کیا چیز ہے اور اس کے خصائل و اختصاصات کیا ہیں؟

(۲) دوسرا یہ کہ کسی انسان کے نفس پر اُس کے ماحول کا (علی الخصوص دوسرے انفاس کا) اثر کیا اور کس طور سے پڑ سکتا ہے؟

یہ دونوں امور ایسے ہیں جن کی نسبت بہت سی ضخیم کتابیں لکھی گئی ہیں اور لکھی جا رہی ہیں۔ ان کا مختصر سے مختصر خلاصہ بھی میں اس وقت بیان نہیں کر سکتا فقط چند باتیں جو عام فہم ہیں اُن کا ذکر کرتے ہوئے تعلیم کے اُس طریقہ کا سرسری بیان کرنا چاہتا ہوں جس سے اس مدرسہ کے اساتذہ و منتظمین کو معلوم ہو جائے کہ ان کی کوشش کا رُخ کس طرف رہنا بہتر ہوگا۔

ہماری موجودہ غرض کے واسطے یہ فرض کرلینا کافی ہوگا کہ انسان کے حرکات وسکنات کا مبدا محرک و باعث نفس ہے جس کی طرف ہر انسان "میں" "مجھے" "میرے" کہتے ہوئے اشارہ کرتا ہے محض تشبیہاً کہا جاسکتا ہے کہ (نفس) ایک بہتی ہوئی دریا کے مانند ہے جس کی موجیں اوس کے کناروں اور سواحل کو جو انسان کے اعضا ہیں تھپیڑ مار کر حرکت میں لاتی ہیں اور کہیں کسی ساکت ساحل یعنے عضو کو حرکت میں لاتی ہیں اور کہیں کسی متحرک عضو کو ساکت کردیتی ہیں۔ اس دریا کی موج تین قسم کی ہیں:۔ ایک قسم کی موجیں جو سطح پر ہیں، وہ (جبلات) (DISPOSITIONS) کہلاتی ہیں۔ مثلاً بھوک پیاس ہمدردی۔ تقلید وغیرہ۔ دوسری قسم کی موجیں جو کسی قدر گہری و بڑی ہوتی ہیں وہ (غریزات) (INSTINCTS) کہلاتی ہیں مثلاً خوف۔ تعجب۔ غصہ۔ نفرت۔ محبت وغیرہ۔ اور تیسری قسم کی موجیں جو نفس کی دریا میں بہت بڑی اور گہری ہوتی ہیں وہ (وجدانات) (SENTIMENTS) کہلاتی ہیں جو جبلات و غریزات سے مرکب ہیں مثلاً عداوت۔ حسد۔ امتنان۔ رحم وغیرہ یہی جبلات۔ غریزات اور وجدانات ہیں جو ہر انسان کے جملہ حرکات وسکنات۔ افعال واقوال۔ کے باعث ہوتے ہیں۔ ان محرکات فعل کی کافی صراحت چند سرسری جملوں سے ممکن نہیں۔ مگر میں جس بات کی تشریح چاہتا ہوں یعنے صحیح طریقہ تعلیم کی دریافت کے واسطے اس قدر یاد رکھنا کافی ہے کہ بھوک پیاس جیسے جبلات۔ خوف۔ وجبہ جیسے غریزات بغض و رحم جیسے وجدانات ہی کے وجہ سے انسان کھاتا پیتا۔ سوتا جاگتا۔ اٹھتا بیٹھتا۔ چلتا پھرتا۔ بات چیت کرتا ہے۔ اگر یہ جبلات وغیرہ نہ ہوں تو انسان میں اور پتھر میں کوئی فرق محسوس نہ ہوگا۔ پس اگر انسان کے افعال پر کوئی اثر ڈالنا مقصود ہو تو انہیں جبلات غریزات پر جو نفس کے لہر و امواج ہیں ان کے بہاؤ یا میلان کا رخ یا رجحان ایک طرف سے دوسرے طرف بدلنا ضرور ہے۔ انہیں لہروں کے رخ و رجحان کو بدلنے کا نام تعلیم ہے۔ جب کسی جبلہ غریزہ یا وجدان کا رجحان ایک طرف سے

دوسرے طرف ہو جاتا ہے جب ایک فعل کا محرک دوسرے فعل کا محرک ہو جاتا ہے اور جب فعل اول کے عوض فعل ثانی بار بار واقع ہو جاتا ہے تو اس کو (عادت) کہتے ہیں۔ قدیم یا بری عادتیں ترک کرکے جدید یا اچھی عادتیں پیدا کرنے کا نام بھی تعلیم ہے۔

ہر جبلہ و غریزہ کا ایک سبب۔ ایک جذبہ اور ایک ہیجان ہوتا ہے مثلاً جبلہ جس کو بھوک کہتے ہیں اس کا سبب معدہ کا خلو ہے جب معدہ غذا سے خالی ہو جاتا ہے تو ایک خاص قسم کی بیچینی محسوس ہوتی ہے جو بھوک کا جذبہ ہے۔ اور یہ بیچینی آدمی کو غذا ڈھونڈ کر حاصل کرنے کی طرف مائل کرتی ہے جو بھوک کا ہیجان ہے۔ پس جبلہ جوع کا سبب حالت معدہ۔ جذبہ بیچینی۔ ہیجان تفتیش غذا ہے۔ ایسا ہی غریزہ جس کو ڈر یا خوف کہتے ہیں اس کا سبب کسی شئے کا ادراک ہے جس سے ضرر کا اندیشہ ہو۔ چنانچہ کوئی شکل مہیب جو کبھی نہ دیکھی ہو اس کو دیکھتے ہی دل میں ایک جذبہ پیدا ہوتا ہے جس کو ہیبت کہتے ہیں۔ اس سے اعضا میں رعشہ ہوتا ہے اور چہرہ کا رنگ فق ہو جاتا ہے اس لامحالہ ہیجان اس فعل کا ہوتا ہے کہ خوفناک چیز سے دور بھاگ کر کہیں چھپ جانا پس غریزہ خوف کا سبب اندیشہ ضرر۔ جذبہ ہیبت۔ ہیجان فرار ہے۔ علیٰ ہذا القیاس وجدان رحم جو ہمدردی و محبت کا مرکب ہے اس کا سبب آفت رسیدہ شخص کو دیکھنا اس کا جذبہ ایک خاص قسم کی ہمدردی ہے جس میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اگر مجھے ایسی آفت آئے تو میرا کیا حال ہوگا۔ اور رحم کا ہیجان آفت رسیدہ شخص کی حفاظت سرپرستی و تیمارداری ہے۔

جس طرح پانی کی ماہیت بدلنا ممکن نہیں اسی طرح ہر جبلہ و غریزہ کا جذبہ بدلنا نہیں ہو سکتا مگر جیسا پانی کے تموج کو روکنا ایک حد تک ممکن ہے ایسا ہی جبلہ و غریزہ کو بھی روکنا و قابو میں رکھنا اگرچہ ممکن ہے لیکن اکثر دشوار ہوتا ہے۔ مگر جیسا کہ لہر کے بہاؤ یا رخ کو کوئی چیز حائل کرکے بدلنا سہل ہے ویسا ہی اکثر جبلات و غریزوں کے

اسباب جو مدرکات ہیں اُن کو بدلنا بھی سہل ہے۔ چنانچہ لیلیٰ سے مجنوں کو محبت تھی جب اس کو دیکھتا تو محبت کا جذبہ اُس کے نفس میں پیدا ہوتا تھا اور وہ اس کے ہیجان سے دوڑ کر اُس سے لپٹ جانا چاہتا تھا۔ اکثر جمال لیلیٰ کے مشاہدہ کے وقت مجنوں کبھی کبھی اُس کے کوچہ میں اُس کے کتے کو بھی دیکھ لیا کرتا تھا۔ بعد میں جب کبھی لیلیٰ کے عوض اُس کا کتا نظر آتا تو اُس کتے سے محبت کرتا تھا۔ انگریزی ضرب المثل بھی اسی بات کی مصداق ہے (LOVE ME LOVE MY DOG) "یعنے اگر تم کو واقعی مجھ سے محبت ہو تو تم میرے متعلقین سے خواہ میرا ایک کتا ہی کیوں نہ ہو محبت کرو"۔ جب زید اگر زید کے کسی کام میں خالد دخل دے کر اُس کا مانع ہوگا تو زید کو غصہ آئے گا۔ زید کے دل میں غصہ کا جذبہ پیدا ہوگا جس کے باعث خالد کو مار کر یا زبان سے باز رکھنے کی کوشش کرے گا یعنے زید کو لڑائی کا ہیجان ہوگا۔ اس کے بعد پھر کبھی زید خالد کو دیکھیگا تو فقط دیکھنا ہی زید کے دل میں غصہ پیدا کرنے کا سبب ہوگا۔ رفتہ رفتہ زید کو خالد کے لڑکے کو دیکھنے ہی سے غصہ آجائے گا۔ ان مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر جبلہ یا غریزے کا سبب بدلا جا سکتا ہے مجنوں کے محبت کی محرک لیلیٰ کی صورت جو تھی اُس کے عوض رفتہ رفتہ لیلیٰ کے کتے کی صورت بھی مجنوں کے محبت کی محرک ہونے لگی۔ زید خالد پر غصہ کرتے کرتے خالد کے معصوم لڑکے پر بھی غصہ کرنے لگا۔ وجدانات جو جبلات و غرائز کے مرکبات ہیں ان کے اسباب یعنے مدرکات۔ جذبات و ہیجانات جیسا جی چاہے بدلنا دشوار نہیں ہے کیونکہ اونکی ترکیب ایک بڑی حد تک اختیاری ہے۔

اس طومار سے میرا مقصد اسی قدر ہے کہ آپ پر ظاہر کیا جائے کہ تعلیم کس کو کہتے ہیں اور تعلیم کا کیا طریقہ ہونا چاہیے۔ میں نے بیان کر دیا ہے کہ نفس ہمیشہ متلاطم ہے اُس کی موجیں سطحی یا گہری جو جبلات و غریزات ہیں اُن کا رخ یا ہیجان ایک طرف سے دوسرے طرف بدلنا ایک قسم کی ابتدائی تعلیم ہے۔ استاد سے بہتر خود ماں باپ اپنے

گھروں میں اپنے بچوں کو دے سکتے ہیں۔ غرائز و جبلات کے بدلے ہوئے رخ و رجحان کو اسی طرف رہنے دینا پھر بدلنے نہ دینا یعنے عمدہ عادتیں لڑکوں کے نفس میں پیدا کرنا ایک دوسرا درجہ تعلیم کا ہے جو ماں، باپ اور استاد دونوں کا مشترکہ فریضہ ہے۔ لیکن لڑکے کے نفس میں جبلات و غرائز (INSTINCTS) کے مرکبات یعنے وجدانات (IDEALS) پیدا کرنا اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہے جو مدارس اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ و منتظمین کا فرض منصب ہے۔

القصہ تعلیم کے معنے فقط یہی نہیں ہیں کہ چند کتابیں پڑھا دی جائیں۔ حساب اقلیدس و الجبرہ کے مسائل سمجھا دئے جائیں۔ طبعیات کیمیا وغیرہ کی ترکیبیں بتلا دی جائیں اگرچہ ان سے طلبا کے نفس پر کچھ نہ کچھ اثر ضرور ہوتا ہے لیکن یہ کافی نہیں ہوتا جبتک کہ اُن کے جبلات و غریزات کے ہیجان و رجحانوں کو ٹھیک کرکے اچھے وجدانات پیدا نہ کرائے جائیں۔ اس کے طریقہ کا بیان انشاءاللہ کسی اور موقع پر کیا جائے گا۔ فقط

تعلیم کا طریقہ

ابھی المعلم مطبع میں تھا کہ نواب سر امین جنگ بہادر نے مدرسہ آصفیہ میں ایک اور تقریر تعلیم کے طریقہ پر فرمائی اور ازراہ کرم اس کو بھی المعلم کے لئے عنایت فرمایا ہے ہم نے یہ مناسب سمجھا کہ یہ دونوں مضمون ایک ساتھ طبع ہوں تاکہ قارئین ایک تو دوسرے مضمون کے انتظار کی زحمت نہ اٹھائیں اور دوسرے یہ کہ ان کارآمد خیالات کو مسلسل ذہن نشین کر سکیں۔

شریک مدیر

لکچر سابق میں بیان کیا گیا کہ نفس جس کو ہر شخص "میں" کہتا ہے اُس کے طبعی غرائز آدمی کے جملہ حرکات و سکنات۔ افعال و اقوال کے باعث ہوتے ہیں۔ غرائز کے جذبات بدلے نہیں جا سکتے لیکن اُن کے محرکات (جو خارجی اسباب ہیں) بڑی حد تک بدلے جا سکتے ہیں اُن کے ہیجانات (جو فعل کے باعث ہوتے ہیں) روئے نہیں جا سکتے۔ لیکن اُن کا رُخ ایک طرف سے دوسرے طرف بدلا جا سکتا ہے۔ تبدیل محرکات اور اعلیٰ ہیجانات کو "تعلیم" کہتے ہیں جس کی غایت سنت نبوی ہے تاکہ عقیدۂ توحید نیت کو نیک بناتا رہے اور عمل اتحاد یعنے اخوت اسلام ہر شخص کا شیوہ بن جائے۔

اکثر خیال کیا جاتا ہے کہ لڑکے لڑکیاں چھ سات سال کی عمر تک معصوم رہتے ہیں یعنے اُن میں بُری عادتیں پیدا ہونے کے قبل اُن کی طبیعت کا رجحان برائی کی طرف نہیں ہوتا مگر یہ خیال لفظ "معصوم" کے غلط مفہوم پر مبنی ہے۔ ہر درخت کے پودہ میں اُس کے آیندہ نشو نما کا پورا مادہ موجود رہتا ہے۔ ہر لڑکے میں تولد کے وقت اُس کے آیندہ کے آئین و اطوار کا نفس ودیعت ہو جاتا ہے۔ نومولودیں وہی جذبات و ہیجانات موجود رہتے ہیں جو کسی نوجوان میں رہتے ہیں۔ لیکن کم سن لڑکا جوان آدمی کے مانند جذبات نفس کو اپنے افعال سے ظاہر نہیں کر سکتا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ بچہ کے اعضاء ہنوز قوی نہیں ہوئے اور نہ اُس کو اُن کے استعمال کے مواقع ملے جیسے عمر رسیدہ اشخاص کو ملے۔ پس اگر لڑکا "معصوم" سمجھا جاتا ہے تو اس وجہ سے کہ اُس کے جذبات طبعی کو کام میں لانے کے آلات یعنے اعضا درست نہوئے اور نہ اُس کو اُن کے کام میں لانے کے کافی مواقع ملے۔ مگر اس کے معنے یہ نہیں کہ بچوں کے طبعی رجحانات کا سیلان اور اُن کے ہیجانات کا رُخ ایک ہی طرف رہ سکتا ہے جیسے کہ کوئی سی سالہ آدمی کا رہتا ہے نہیں بلکہ ہر لڑکے کے جذبات رجحانات اُس کی عمر کی قلیل مدت میں درجہ بدرجہ اُسی طور سے ترقی کرتے ہیں جس طور سے خود اُس کی قوم کے خصائل بہیئت مجموعی مدت دراز میں بتدریج ترقی پاتے ہیں۔ یہ حیاتیات کا مسلمہ کلیہ ہے کہ ہر فرد بشر اپنی اپنی مدت العمر میں ارتقا کے وہی مدارج

طے کرتا ہے۔ جو انسانی قوم نے اپنی مدت الوجود میں طے کئے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی قوم ابتداً وحشی رہی۔ بعد میں نیم وحشی ہوی۔ رفتہ رفتہ مہذب بنی ہے تو ایسا ہی اُس قوم کے لڑکے کا نفس کم عمری میں محض وحشی رہیگا۔ عنفوان جوانی میں نیم وحشی ہوگا۔ بعد میں آہستہ آہستہ مہذب بنے گا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بچوں پر وحشیوں کے مانند خوف بہت جلد طاری ہوتا ہے اُن کو غصہ ذری ذری بات پر آجاتا ہے۔ اور بہت ہی جلد اُن کا خوف یا غصہ تعجب یا نفرت سے بدل جاتا ہے۔ اور جلد جلد بچوں کی توجہ ایک شئے سے دوسری شئے کی طرف مائل ہوجاتی ہے بچوں کے اس سرعت سلان کو اُن کے ماں باپ خوب جانتے ہیں جو روتے ہوئے بچوں کو اِدھر اُدھر کے چیزیں بتا کر ہنسنے پر لگا دیتے ہیں۔ وحشی لوگ کسی نادر چیز کو دیکھتے ہی اُس کی آزمایش ازمایش میں اس کا خاتمہ کرتے ہیں اُس کو سجا رکھکر اُس سے مناسب کام نہیں لیسکتے ایسا ہی بچوں کو جب کوئی کھلونا مل جاتا ہے اُس کو توڑ پھوڑ کر دیکھے بغیر چین نہیں آتا غرض ہر لڑکے کا نفس چھ سات سال تک محض وحشی رہتا ہے یعنے اُس میں اچھے بُرے کی تمیز نہیں ہوتی۔ سن بلوغ کو پہنچنے تک وہ نیم وحشی ہوتا ہے یعنے اگرچہ اُس کو اچھے بُرے کی تمیز ہوتی ہے۔ لیکن اپنے کاموں کے نتائج کا شعور بہت کم ہوتا ہے۔ تقریباً اٹھارہ انیس سال کے بعد سے اُس کے نفس میں تہذیب شروع ہوتی ہے اپنے اور غیر کے فائدہ نقصان کا خیال آنے لگتا ہے نفس کے وحشی پن اور تہذیب کا معیار کوتاہ اندیشی ہے جانور اور آدمی میں بڑا فرق یہی ہے کہ جانور آج کے موقتی فائدہ یا ضرر کے سوا کل کے آیندہ فائدہ یا ضرر کو سمجھ نہیں سکتا۔ بچوں کو بھی وحشیوں کے مانند آنے والی دور کی بات نہیں سوجھتی۔ کسی قوم کے کاموں میں جیسے جیسے دور اندیشی زیادہ ہوتی جاتی ہے ویسی ہی قوم زیادہ زیادہ مہذب بنتی جاتی ہے۔ اسی طرح بچوں میں جیسے جیسے بتدریج عاقبت اندیشی و نتیجہ کار کا شعور پیدا ہوتا ہے ویسی ہی اُن میں تمیز و تہذیب پیدا ہوتی جاتی ہے اسی لئے اس بات کو ماں باپ اور اساتذہ بخوبی یاد رکھیں کہ جس بچے کے افعال و اقوال سے جس حد تک اور جس قسم کی دور اندیشی پائی جاتی ہے اُسی حد تک اور اُسی طور سے اُس کے ساتھ

سزا و جزا کا برتاؤ کیا جائے۔ مثلاً نو دس سال کے لڑکے کے ساتھ کوئی ایسا برتاؤ نہونا چاہئے گویا وہ جوان۔ عاقل و بالغ ہے۔ اور نہ ایسا برتاؤ ہونا چاہئے گویا وہ ہنوز پانچ چھ سال کا ہے۔ اسی کا لحاظ قانون شہادت و تعزیرات میں رکھا گیا ہے جس میں عقل کی پختگی کی شناخت اس دریافت سے ہوتی ہے آیا لڑکا اپنے فعل کی ماہیت اور نتیجہ کو سمجھ سکتا ہے یا نہیں۔ اگر سمجھ سکتا ہے تو اس کی شہادت قبول کی جاتی ہے اور اس کے فعل کی سزا دیجاتی ہے ورنہ نہیں۔

پس اُستاد کا پہلا فریضہ یہ ہے کہ اپنے شاگرد کی سمجھ کی حد دریافت کر لیکر اُس کو اُس کے تعلیم کا پیمانہ قرار دے۔ اور اس حد سے اُس کی تعلیم و تربیت متجاوز نہونے دے ورنہ اُستاد کی محنت بیکار اور شاگرد کا وقت ضائع ہو جائے گا۔ اندنون امریکہ فرانس و انگلستان میں جنگ کے زمانہ کے تجربوں سے یہ فائدہ اٹھایا جاتا ہے کہ جس طرح فوجی رکروٹس کے عقل و فہم کا امتحان لیا جاتا رہا ویسا ہی مدرسوں کے بچوں کے ذہن (یعنے ادراک حافظہ تصور۔ فہم و خیال) کا ایک خاص امتحان لیکر نمبر دیا جاتا ہے جسکو I. Q یا INTELLIGENCE QUOTIENT مقیاس ذکاوت کہتے ہیں۔ اور قریب قریب ایک نمبر I.Q والے لڑکوں کی ایک جماعت بنا کر اُن کو اُسی حد کے اندر کی مقررہ تعلیم دیجاتی ہے نہ کم نہ زیادہ ایک عرصہ کے بعد پھر اس جماعت والے لڑکوں کے حد فہم کی تشخیص ہوتی ہے اور ہر ایک کا I Q مقیاس ذکاوت (نمبر) بدلکر دوسری جماعت قریب قریب ایک ہی نمبر والوں کی بنائی جاتی ہے تاکہ تعلیم کا پورا پورا اثر متعلم پر پڑتا رہے۔ ہمارے مدرسوں میں بھی یہ طریقہ حتی الامکان اختیار کیا جانا مفید ہوگا لیکن امتحان لیکر نمبر دینے والے اچھے ماہر فن بننا چاہئے ورنہ I. Q کی تشخیص میں غلطی ہو تو فائدہ کے عوض نقصان ہونے کا احتمال ہے۔

سالگزشتہ بمبئی کے آرچ بشپ ڈاکٹر گوڈیر نے انجمن اسلام کے طلبار کے سامنے تقریر کرتے ہوئے اپنی دلی آرزو ظاہر کی کہ ہونہار نوجوانوں کو موٹی تعلیم THICK چوڑی تعلیم BRDAD اور لانبی (LONG) تعلیم دیجائے اس سے اُن کا منشا یہ تھا کہ

تعلیم کی مساحت معمولی طور سے ہو سکتی ہے یا وہ کسی مجلد کتاب کے مانند عرض طول و حجم رکھتی ہے۔ نہیں بلکہ انہوں نے ایک عام فہم استعارہ سے بیان کیا کہ تعلیم کے تین پہلو ہر طریقہ تعلیم میں اُستاد کے مدنظر رہنا چاہیئے تاکہ جسم کی صحت دل کی صفائی اور دماغ کی روشنی برابر ہوتی جائے

"موٹی تعلیم" سے مراد وہ تعلیم ہے جس میں متعلمین کی تندرستی ملحوظ رہے طلبہ کا جسم و ذہن دل و دماغ صحیح و سالم رہے لڑکے لڑکیاں تعلیم کی وجہ سے ضعیف و ناتوان نہونے پائیں بلکہ ہر روز ہٹے کٹے موٹے تازے بنتے جائیں جسم و ذہن توام ہیں جسم کی صحت اور ذہن کی صحت لازم و ملزوم ہے۔ دونوں کی ترقی یکساں ہونی چاہیئے۔ کیونکہ اگر جسم ضعیف ہو تو اُس کے ساتھ ذہن قوی نہیں ہو سکتا۔ اگر ذہن کو قوی بنانا ہے تو جسم کو بھی قوی بنانا ضرور ہے۔ اس لحاظ سے تعلیم کو موٹی۔ گہری یا جسیم کہہ سکتے ہیں۔

"چوڑی تعلیم" سے مراد وہ تعلیم ہے جسکی وجہ سے متعلم کا حلقہ اثر و تاثیر وسیع ہوتا جائے اور وہ اپنے جنس کے بہت سے افراد کی کشش کا مرکز بن جائے یعنے اس میں ایسے خصائل پیدا ہو جائیں جن سے ہر جگہ اُس کے بہت سے دوست ہو جائیں وہ اُن سے فائدہ حاصل کرنے والا اور ان کو فائدہ پہنچانے والا بن جائے۔ اُسکی تمیز و تہذیب کی وجہ سے اُس کی اثر پذیری و اثر اندازی ایک وسیع حلقہ پر ہو سکے۔ بہت سے آدمیوں میں اُس کا اثر محسوس ہو سکے۔ اس لحاظ سے تعلیم کو چوڑی۔ عریض یا وسیع کہہ سکتے ہیں۔

"لانبی تعلیم" سے مراد وہ تعلیم ہے جس سے لڑکوں میں دور اندیشی زیادہ ہوتی جائے و [illegible] کے دور دور کے نتائج کو سمجھتے جائیں یہی (جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا) ہر قوم اور اس [illegible] افراد کے ذہن و ذکاوت کا معیار ہے۔ عاقبت اندیشی یعنے مآل کار کی تمیز تمدن کا زینہ اور تہذیب کا پیمانہ ہے۔ اس لحاظ سے تعلیم کو لانبی یا طویل کہہ سکتے ہیں

بہر حال تعلیم کا یا تعلیم کے طریقوں کا کچھ بھی نام رکھا جائے اُس کے تین پہلو

نظرانداز نہیں ہو سکتے کیونکہ ہر آدمی کو جسم ہے اُس کی صحت لازم ہے ہر آدمی کا ماحول ہے
اُس کے ساتھ موافقت ضرور ہے۔ ہر آدمی میں نفس ہے اُس کی تادیب و تہذیب لابد ہے
تعلیم۔ عریض طویل و عمیق۔ چوڑی۔ لانبی و گہری ہونے کے علاوہ ایک اور پہلو بھی رکھتی ہے
جو ہر طریقہ تعلیم میں بلکہ ہر امر و حالت میں مضمر ہے۔ یہ پروفیسر ائین سٹین (EN, ۱۹۲۰, E) نے
نظریہ کی ایک بات ہے۔ اقلیدس کے زمانہ سے اب تک مساحت میں فقط تین پہلو (عرض
طول و عمق) شمار کئے جاتے رہے لیکن پروفیسر ائین سٹین نے ثابت کیا ہے کہ ہر شئے کی
مساحت (طول عرض و عمق) کے ساتھ ساتھ وقت کا شائبہ موجود ہے جسکو ہماری لانبی
چوڑی اور گہری تعلیم میں موقتی تعلیم بھی شریک ہے۔ پس تعلیم کا طریقہ کچھ بھی ہو اُس میں
طلباء کے وقت کا لحاظ ضرور ہے جس تعلیم میں طالب علم کا وقت بہت کم صرف ہو یا بہت
زیادہ صرف ہو دونوں حالتوں میں اس کی تعلیم بے سود ہوگی۔ مثلاً لکھنے پڑھنے یا اور کوئی
کام سکھانے میں جہانتک ہو سکے لڑکوں کا وقت نسبتاً کم لیا جائے اور زیادہ تر وقت
اُن کو اپنی مرضی کے مطابق چلنے پھرنے کھیلنے کودنے کے لئے چھوڑ دیا جائے۔ ورنہ بہت
وقت ایک ہی مشغلہ میں صرف ہونے سے اُن کا دل اُکتا جا کر اس پر اُستاد کی
باتوں کا اثر کم ہو جائیگا۔ طلباء کے مشاغل میں مناسب تبدیل ہوتے رہنا بھی ضرور ہے
تاکہ توجہ پراگندہ نہ ہو جائے۔ حتی الوسع ہر دو مشغلوں کے مابین کسی قدر وقفہ ہو تو بہتر ہوگا
اس کے سوا ہر سال مدارس و کالج کے تعلیم کا زمانہ متعدد تعطیلات کے مابین واقع ہونا چاہئے
کسی دیوار کی تعمیر استوار و مضبوط ہونے کے لئے لازم ہے کہ اُس کی تعمیر یکساں و مسلسل نہ ہو
بلکہ اینٹ جمنے اور چونہ سوکھنے کے واسطے تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد چنتے
دیوار کے بنائے جائیں۔ ایسا ہی تعلیم کا اثر پائدار ہونے اور دیرگاہ قائم رہنے کی غرض سے
علوم و فنون کا تھوڑا تھوڑا حصہ مناسب وقفہ کے بعد سیکھا جائے۔ بہت سے باتیں ایک ہی
سکھانے کی کوشش ہرگز نہ کی جائے کیونکہ ہر بات ذہن نشین ہونے کے لئے وقت درکار ہے

علی العموم تعلیم و تربیت کا وہ طریقہ اختیار کرنا چاہئے جو سریع التاثیر ہو اور جس میں آدمی کے عمر کا زیادہ حصہ بھی صرف نہ ہو۔

انسان کے جسم میں اور اس کے نفس میں ایک حد تک مماثلت کچھ ایسی ہی ہے جیسی کہ موٹر کار میں اور اس کے ہانکنے والے شوفر میں ہے۔ بغیر شوفر کے موٹر چلنا دشوار ہے اگر چلے بھی تو ضرر سے بچنا ممکن نہیں۔ ایسا ہی بغیر نفس کے جسم زندہ رہنا دشوار ہے اگر زندہ رہے بھی تو سب حرکات و سکنات محال ہوں گے۔ جس طرح شوفر اپنے موٹر کار کو پٹرول دیکر اس کے کیل پرزے درست رکھکر چلاتا ہے۔ آگے بڑھاتا پیچھے ہٹاتا روکتا۔ موڑتا ہے تاکہ وہ کسی چیز یا آدمی سے ٹکرا کر ٹوٹ نہ جائے اور نہ دوسروں کو ضرر پہنچائے۔ ایسا ہی نفس اپنے جسم کو وقت پر کھانا پانی پہنچا کر اس کے اعضاء کو درست چلنے پھرنے کے قابل رکھتا ہے اس سے کام لیتا ہے کسی کام کے لئے اس کو آگے بڑھاتا یا پیچھے ہٹاتا ہے کسی کام سے اس کو روکتا ہے۔ کبھی بات چیت کراتا ہے کبھی خاموش رکھتا ہے۔ تاکہ وہ آئے دن کے آفات سے بچا رہے اور دوسروں کو بلا وجہ ضرر نہ پہنچائے۔ لہذا نفس کی تعلیم بھی قریب قریب ویسی ہی ہونی مناسب ہے جیسی کہ موٹر ڈرائیور کو دی جاتی ہے کیونکہ انسان کا نفس اس کے جسم کا دراصل شوفر ہے۔

شوفر کو پہلا کام جو سکھاتا ہے وہ یہ ہے کہ موٹر کو پاک و صاف رکھے کہ اچھی حالت میں اس کا رنگ و روغن خراب ہونے نہ دے۔ عمدہ پٹرول اور صاف پانی اس کے صندوقوں میں ڈالے۔ کل پرزے صاف کرکے حسب ضرورت ان کو تیل و چربی دیتا رہے اپنا کام اچھی طرح سمجھ کر کرنے کے لئے شوفر کو اپنے موٹر کے کیل پرزوں کے جوڑ توڑ سے واقف ہونا چاہئے تاکہ ان کو پونچھ کر صاف کرتے وقت کھینچ کھانچ کر توڑ پھوڑ نہ دے۔ ایسا ہی بچوں کے نفس کو پہلی تعلیم جو دینی چاہئے وہ یہ ہے کہ وہ اپنے جسم کو پاک و صاف رکھیں اچھی غذا کھائیں صاف پانی پیویں مضر و غلیظ اشیاء سے پرہیز کریں اور اپنے مقدور کے موافق صاف

کپڑے پہنیں اور اُن کو میلے کچیلے نہ ہونے دیں۔ ایسی باتوں کا بچوں کو عادی بنانا ماں باپ کا کام ہے مگر اُستادوں پر فرض ہے کہ لڑکوں کی عمر و سمجھ کے موافق اُن کو جسم کے اعضا کی تشریح سمجھا کر اُن کے صحت و خرابی کے اسباب سے آگاہ کریں اور ہوا و پانی کے اقسام و اثرات بتائیں۔ سونے بیٹھنے چلنے پھرنے کے آداب سکھائیں۔ روزانہ ورزش کی تاکید کریں۔ اچھے کھیلوں میں لگائیں بُرے کھیلوں سے بچائیں۔ بہرحال ہر بچہ کے نفس میں جو اُس کے جسم کا شوفر ہے۔ اُن تمام باتوں کی ترغیب پیدا کی جائے جو صحت بخش ہوں اور اُن باتوں سے نفرت پیدا کی جائے جو مضرت رساں ہوں۔ اُس کے رجحانات پاکی کی طرف زیادہ ناپاکی کی طرف کم کرا دئے جائیں۔ یہی موٹی یا گہری (TNICKORDEEP) تعلیم ہے جو جسم کو موٹا تازہ بنانے والی ہے جو اُس کو دکھ درد۔ بیماری و آفات سے بچاتی ہے اور بچوں کے اچھے نشو و نما کی موید ہوتی ہے اور نفس کو بھی قوی بناتی ہے۔

ثانیاً شوفر اپنی موٹر کار کو صاف پاک رکھنا سیکھتے وقت اُس کو چلانا بھی سیکھتا ہے۔ اُس کے کلوں کو پھیرنے کی ترکیب جانکر اُس کی رفتار بڑھانے گھٹانے یا اُس کو روکنے اور ہر حال میں اُسکو اپنے قابو میں رکھنے کی تعلیم پاتا ہے۔ یہ تعلیم اُس کو ماہر فن ہی دے سکتا ہے۔ ایسا ہی لڑکے بھی صحت کی تعلیم پاتے وقت اپنے جسم کے حرکات و سکنات کے نتائج سے واقف ہو کر اپنے چال چلن کو اپنے قابو میں رکھنے کی تعلیم پاتے ہیں۔ یہ تعلیم گھروں میں ماں باپ سے بہتر مدرسوں میں فن تعلیم کے ماہرین یعنے اساتذہ ہی اچھی طرح دے سکتے ہیں۔ موٹر کے کلیں معدودے چند (چار پانچ) ہی ہوتے ہیں اُن کی موڑ جوڑ سے موٹر کی رفتار اپنے قابو میں رکھنا ہوشیار شوفر کے لئے شوار نہیں ہے اُس کو دو تین ماہ کی توجہ و محنت سے سیکھ لے سکتا ہے لیکن (جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے) جسم کے کلیں جو جذبات و ہیجانات ہیں کثیر التعداد ہیں اُن کی ترکیب و تادیب جاننا اور اُن کے ذریعہ سے جسم کی رفتار یعنے افعال و اقوال کی روک تھام سیکھنا کچھ سہل نہیں

اس کے لئے ایک مدت مدید تک توجہ و انہماک کی ضرورت ہے۔

لڑکوں کے عمر و ذہن کے فراخور ان کے جذبات و ہیجانات کی تعلیم کیسی ہونی چاہئے اپنے حرکات و سکنات کو اپنے قابو میں لانے اور رکھنے کی قوت و عادت بچوں میں کہاں تک پیدا ہوتی ہے؟ ان میں وقت و موقع کی تمیز پیدا کرنے اور اس کے مطابق افعال و اقوال کو روکنے کی قدرت آجانے کے واسطے کیا تدابیر عمل میں لانا چاہئے؟ یہ علم النفس کے اہم مسائل ہیں۔ ان کی سرسری بحث بھی اسوقت ممکن نہیں فقط اسقدر کہنا کافی ہے کہ ہر شخص جو صرف لکھنا پڑھنا جانتا ہو یا کوئی علمی صداقت نامہ کسی دار العلوم یا یونیورسٹی کا حاصل کیا ہو وہ محض اپنی علمی لیاقت کی وجہ سے بچوں کو تعلیم دینے کے قابل استاد نہیں بن سکتا تاوقتیکہ کسی نارمل اسکول (مدرسہ معلمین) میں تربیت پاکر سند یافتہ معلم نہو جائے۔ فنون شریفہ میں مفید ترین فن۔ فن تعلیم ہے جس کی قدر حال تک بہت کم ہوتی رہی۔ یہ فن بلا خاص تعلیم و تدریس بغیر خاص جد و جہد کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اساتذہ جنہوں نے استاد بننے کی فن تربیت پائی ہو اُن کے تفویض اگر بچوں کی تعلیم کر دی جائے تو ایسوں کی معلمی فائدہ سے زیادہ نقصان پہنچائے گی۔ بڑے شکر و خوشی کی بات ہے کہ اندنوں ہماری گورنمنٹ نے اس ضرورت کو محسوس کر کے مدارس تعلیم المعلمین قائم کئے ہیں اور اساتذہ کے طریقہ تعلیم کی نگرانی کیواسطے ہر جگہ ناظرین تعلیم مقرر فرمائے ہیں۔ بچوں میں ضبط نفس یعنے افعال و اقوال وقت و موقع پر روکنے یا بدلنے کی عادت (جس کو انگریزی میں سلف کنٹرول کہتے ہیں) پیدا ہونے اور اس کی تشخیص و نگرانی رات دن اچھی طرح ہوتی رہنے کے لئے خود مدرسہ کے پاس بچوں کا دار الاقامہ (ہوسٹل) رہنا لازم ہے۔ حکیم یا ڈاکٹر کے مانند جو اپنے ہر بیمار کے ترقی یا خرابی کا روزنامچہ رکھتے ہیں۔ ہر استاد کو بھی اپنے ہر شاگرد کے چال و چلن کا روزنامچہ رکھنا ضرور ہے تاکہ اس کی تعلیم کی ترقی یا خرابی کا اندازہ ہوتا رہے اور ہر وقت و موقع پر اس کی اصلاح ہوتی جائے۔

بچوں کو ضبط نفس (سلف کنٹرول) کے عادی بنانے کے مختلف طریقوں میں سے دو طریقے انہوں نہایت مفید ثابت ہوئے ہیں۔ کم عمر لڑکوں کو اسکوٹ بنا کر ان کو اسکوٹ کے قواعد کی تعلیم دینا علی الخصوص مسلمان لڑکوں کے حق میں اکسیر ہے اور نوجوان لڑکوں کو جو کالجوں میں تعلیم پاتے ہیں (خواہ وہ فوج میں بالآخر شریک ہوں یا نہوں) التزاماً فوجی تعلیم یونیورسٹی ٹریننگ کور میں دلانا بہت ضروری ہے۔ اسکوٹ و فوجی تعلیم سے لڑکوں کو اس میں مل جل کر بطور خود اور بحیثیت مجموعی کام کرنے کا نہایت مفید سبق ملتا ہے۔ فوجی تعلیم کی غایت یہی ہے کہ متعدد انفاس کو ایک نفس (لیڈر) کی اطاعت کا عادی بنایا جائے۔ ان کو فرمانبرداری سکھائی جائے۔ ہر آدمی کبھی دوسرے کا محکوم ہوتا ہے اور کبھی دوسروں پر حاکم۔ کبھی اس کو اپنے بالادست کی اطاعت کرنا پڑتی ہے اور کبھی وہ اپنے ماتحت یا ملازمین پر حکومت کرتا ہے۔ حکومت سیکھنے کے واسطے اول اطاعت سیکھنا لازم ہے کیونکہ بقول نپولین وہی اچھا فرمانروا ہو سکتا ہے جس نے اول فرمانبرداری سیکھی ہو۔ خود کوئی کام کرنا سہل ہے مگر دوسروں سے کام لینا دشوار ہے۔ اس کے واسطے اول اپنے نفس کو اپنے قابو میں رکھنا سیکھا جائے تاکہ دوسروں کے انفاس اپنے قابو میں لانے کی ترکیبیں معلوم ہوں۔ ایسے امور کی تعلیم نہایت اچھی طرح اسکوٹس اور فوجی قواعد سے ہوتی ہے جس سے لڑکوں کی تفریح کے ساتھ ساتھ تعلیم بھی ہوتی ہے۔ نوجوانوں کو اطاعت و نیز حکومت کے قابل بناتے ہیں۔ ان کو اول اپنے نفس پر بعدہ دوسروں کے نفس پر قادر ہونے کے آئین و اطوار معلوم ہو جاتے ہیں۔

الحاصل جب لڑکوں میں اچھے برے کی تمیز پیدا ہو جائے گی اور وہ لحاظ سے خود بخود اپنے فعل و قول کو روکنے کی قدرت آجائے گی یعنے جب ضبط کی عادت پڑ جائے گی تو لامحالہ ان میں کچھ ایسا مقناطیسی اثر ہوگا جس سے ان کے دوست و خیر خواہوں کی تعداد بڑھتی جائے گی۔ اس طرح سے (BROAD EDUCATION) اول کی تعلیم

پوری یا وسیع ہو جو (جیسا کہ آگے کہا جا چکا ہے) قوم کے تمدن و تہذیب کی بنیاد ہے۔ اس تعلیم کے بدولت انسان اپنے ابنائے جنس کے ساتھ رہنے سہنے زندگی اچھی طرح بسر کرنے کے قابل ہوتا ہے۔

ثالثاً ہمارے ساحت تعلیم کی تیسری شق ہے جس کا نام ڈاکٹر گوڈیرنے LONG EDUCATION لانبی یا طویل تعلیم رکھا ہے اور جس سے ہمارے شوفر میں دور اندیشی پیدا ہوتی ہے اس کو نئی موٹر پاک وصاف رکھکر چلانے کے لئے اس کے کلوں کو اپنے اختیار و قابو میں رکھنا سیکھنے وقت یہ بھی سیکھنا لازم ہے کہ کیوں چلانے سے تیل زیادہ خرچ ہوگا۔ کیسے موٹر توڑ سے موٹر کے کیل پرزے گھس جاتے یا ٹوٹ پھوٹ جانے کا اندیشہ ہے۔ کس حالت میں موٹر کی رفتار تیز رہنا یا دھیمی رہنا بہتر ہوگا۔ اور کس موقع پر اس کو سڑک کے بازو بازو چلنے دینا اور کب اس کو روک لینا ضرور ہوگا۔ یہ سب دور اندیشی کی باتیں شوفر انہیں سے سیکھ سکتا ہے جن کو موٹر چلانے کا عمدہ تجربہ حاصل ہو۔ ہر کس و ناکس اس کو ایسی باتیں سمجھا نہیں سکتا۔ اس لئے تجربہ کاروں نے موٹر کی نسبت واقعات و تجربات جن کتابوں میں لکھے ہیں اُن کو پڑھ کر سمجھنا ضرور ہوتا ہے۔

موٹر کے شوفر سے زیادہ آدمی کے جسم کا شوفر یعنے نفس کے لئے عاقبت اندیشی ضرور ہے تاکہ وہ اپنے ہر کام کا انتہائی نتیجہ (فائدہ یا نقصان) قبل از قبل سوچ سمجھ کر اس کی پیش بندی کرے بیان کیا جا چکا ہے کہ حیوان و انسان میں فرق زیادہ تر دور اندیشی و پیش بندی کا ہے۔ دنیا میں کوئی جانور نہیں ہے جو انسان کے مانند اپنا کھانا پکا کر کھاتا ہو۔ کوئی جانور اپنے حفاظت و آرام کے لئے ایسے کام نہیں کر سکتا جیسے کہ انسان کرتا ہے۔ انسان اپنے آیندہ ضرورتوں کے واسطے نہ صرف اپنے کھانے پینے کے چیزیں پاس بچوں کی حفاظت کرتا ہے بلکہ ایسے اشیاء آیندہ عندالضرورت مہیا کرنے کے واسطے تدبیریں اپنے آرام کے واسطے مناسب لباس اور پائیدار مکان بناتا ہے اور اپنے کاموں میں مدد لینے اور اپنی آیندہ خوشی غمی میں شریک رہنے کے واسطے اپنے اہل و عیال کی پرورش کرتا ہے آدمیوں میں بھی احمق و عقلمند میں فرق کم و بیش دور اندیشی کا ہے عقلمند اپنے کام اور باتوں کے نتائج سوچ کر

وہی کام کرتا ہے یا وہی بات کرتا ہے، جس کا نتیجہ اچھا ہونے کی اُسے امید ہو اور اس کام یا بات کو ترک کر دیتا ہے جس کا نتیجہ اُس کے حق میں برا ہونے کا اُسے اندیشہ ہو۔ یہی فرق غیر مہذب مہذب قوموں میں ہے۔ غیر مہذب اقوام میں (جو افریقہ و آسٹریلیا میں ہیں) بحیثیت مجموعی عاقبت اندیشی کم ہونے کی وجہ سے وہ اندنون اکثر دور اندیش اقوام کے (جو یوروپ و امریکہ میں ہیں) زیر اور زبردست اوقات بسر کرتے ہیں اور اپنے آپ پر حکومت کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ پس لڑکوں میں دور اندیشی پیدا کرنا تعلیم کا اہم ترین فریضہ ہے۔ اس کا طریقہ تو وہی ہے جو قدیم سے چلا آتا ہے یعنی مفید کتابیں پڑھا کر مورخین محققین و دیگر مصنفین کے اعلیٰ خیالات و تجربات لڑکوں کے ذہن نشین کئے جائیں تاکہ اُن کو معلوم ہو جائے کہ کس چیز یا آدمی سے کب اور کیا کام لیا جائے کس کام کا کیا نتیجہ ہوگا جلب منفعت و دفع مضرت کے کیا تدابیر مناسب ہیں وغیرہ مراتب اس قسم کی تعلیم کی ضرورت و اہمیت کی نسبت کسی کو کوئی کلام نہیں ہو سکتا کیونکہ حال تک ہمارے مدارس اور یونیورسٹیوں میں یہی لابنی تعلیم بہت زیادہ رائج رہی ہے اور دوسرے دو قسموں کی موٹی اور چوڑی تعلیم کا چنداں خیال نہ رہا۔

مگر اندنون ہر ملک میں ہر سہ قسم کی تعلیم یکساں ہونے کا انتظام کیا جاتا ہے تاکہ جسم صحت حاصل ہونے سے بچوں کے احساسات و جذبات قوی ہو جائیں۔ حرکات و سکنات پر قابو و قدرت آجانے سے اُن کے ادراکات و تصورات میں ترقی ہوتی جائے۔ عاقبت اندیشی بڑھنے سے اُن کے انہماکات و خواہشات میں روز افزوں تہذیب آتی جائے۔ تاکہ (دوسرے الفاظ میں) اُن کی تعلیم موٹی چوڑی و لابنی ہونے سے وہ آپ خوش رہیں دوسروں کو خوش رکھیں اور سلک انسانی کے خیر خواہ و جان نثار بن جائیں۔

تاریخ

تاریخ بتاتی ہے ہم کو احوال سلف کے لوگوں کا
کس بات سے وہ بدنام ہوے کس کام سے نام کیا پیدا
حاتم ہے سخاوت سے نامی رستم کا ہے شہرہ شجاعت سے
بدنام ہلاکو ظلم سے ہے مشہور انصاف سے ہے کسرے
کام اُس کا بنا نام اُس کا ہوا ہمت سے کام لیا جس نے
ہاں آؤ دکھاتے ہیں تم کو ہم پانی پت کا نقشا را
دیکھو ابراہیم لودھی شاہِ دہلی ہے اک جانب
ہے دوسری جانب بابر جو تیمور لنگ کا ہے پوتا
لاکھ ہے فوج کثیر اُدھر اور ایک ہزار ہیں ہاتھی بھی
ہے بارہ ہزار کی فوج اِدھر۔ دل بھی کیا دل ہے بابر کا
حملہ کا حکم دیا دیکھو۔ خود بھی بڑھا سب سے آگے
یہ بارہ ہزار تو قطرے ہیں۔ اک لاکھ وہ فوج ہے اک دریا
دریاے قتال ہے اک طوفان لو تیرنے لگ گئی ساری سپہ
دیکھو کہ وہ ڈوبا وہ اُبھرا۔ ہے یہ تو نمونہ قیامت کا
پاس بجوا[1] شجاعت کو دیکھو بابر کو نہیں کچھ خوف و خطر
چالیس ہزار تو مارے گئے خود ابراہیم بھی مارا گیا

[1] صدر یا۔

محنت سے ہوئی راحت حاصل۔ دولت بھی ملی عزت بھی ہوئی

عالم فاضل جو گزرے ہیں تاریخ میں دیکھو حال اُن کا

تاریخ بتائے گی تم کو اعمال کے کیسے نتائج ہیں۔

جو بد تھے بدی کی پائی سزا نیکوں کو ملی نیکی کی جزا

تاریخ کا ایسا گلشن ہے جس کو نہیں خوف خزاں کچھ بھی

ہے اور ہی کچھ فرحت اس کی تاریخ کی سیر بہ روح افزا

تاریخ سکھائے گی تم کو جرأت۔ ہمت۔ محنت سب کچھ

تاریخ بتائے گی تم کو کس کام کا کیا ملتا ہے صلہ

آئین بھی سیکھو اس سے آئینہ سکندر کا ہے یہ

دیکھو اس میں کُل عالم کا احوال سب آئینہ ہوگا

تاریخ میں کیسی یہ خوبی ہے خوبی نہیں بلکہ کرامت ہے

تاریخ کو پڑھ کر لوگ بہت ادنیٰ سے بن گئے ہیں اعلیٰ

پڑھ کر جو بعید از عقل قصص۔ بہلاتے ہیں دل حیفا اُن پر ہے

تاریخ پڑھیں حالات اِس کے۔ ہوتے ہیں زبس ہمت افزا

تاریخ پڑھو تو ہوگا عیاں اسرار جو اس میں ہے پنہاں

کیا کیا کرے وصف ذہین بیاں اوصاف ہیں اس میں تو صدہا

سید غلام ۔ لغز (ذہین)

ابتدائی جماعتوں کی تعلیم

نے متعدد مدارس ابتدائیہ کا معائنہ کیا اور تقریباً سب میں یہ نقص نمایاں پایا کہ جماعت ابتدائی کی تعلیم (یعنی صغیر اور جماعت اول کی) بالکل کتابی ہوتی ہے اور سوائے اس کے کہ مقررہ درسی کتب سے روزانہ چند سطریں پڑھا دی جائیں اور اُن کو رٹا دیا جائے اور کچھ نہیں کیا جاتا اس نقص کی بڑی وجہ یہ پائی کہ بالعموم مدارس میں چھوٹی جماعتیں مبتدی اور نامور ناتجربہ کار مدرسین کے سپرد کی جاتی ہیں جو طرز تعلیم سے محض ناواقف ہوتے ہیں اور خود کو واقف کرنے کی کوشش بھی نہیں کرتے۔ صدر مدرسین کا خیال ہے کہ چھوٹی جماعتوں میں معمولی آسان کتب ہوتی ہیں۔ اور ان کی تعلیم ایک تحتانیہ امتحان کا میاب مدرس بھی دے سکتا ہے۔ یہ خیال تجربہ سے غلط ثابت ہوا ہے۔ چھوٹی جماعتوں کی تعلیم کے لئے ذی لیاقت۔ تجربہ کار سن رسیدہ مدرسین کی ضرورت ہے۔ موجودہ حالت کو پیش نظر رکھکر ہم ذیل میں جماعت صغیر اور اول کے لئے چند اسباق بطور نمونہ درج کرتے اور امید کرتے ہیں کہ مدرسین ان کو بغور ملاحظہ فرمائیں گے اور خود بھی اسی قسم کے اسباق طلبا کے لئے وقتاً فوقتاً تیار کریں گے۔

پہلا سبق ایسا ہے کہ اس سے زبان دانی اور نیچر اسٹڈی کی مشق ہو جاتی ہے۔
دوسرا سبق کہانی کا ہے۔ تیسرا حساب پر۔ چوتھا ڈرائنگ اور پانچواں ریتی کا کھیل۔

جماعت صغیر

سبق نمبر (۱) زبان دانی و نیچر اسٹڈی (یہ سبق نیچر اسٹڈی کے گھنٹے میں دیا جا سکتا ہے)

(۱) بچوں سے کہو کہ مدرسہ آتے ہوئے جو چیزیں وہ دیکھتے ہوں بیان کریں مثلاً۔ گھوڑے کتے۔ بلیاں۔ پرندے۔ آدمی۔

(۲) بچوں سے دریافت کرو کہ وہ کونسا پرندہ ہے جو سال بھر مکانوں اور راستوں میں نظر آتا ہے

(۳) یقیناً بچے جواب دیں گے کہ چڑ۔ جس کو ہمارے یہاں عام طور سے خان چڑیا کہتے ہیں۔
(۴) بچوں کو اس چڑیا کے حالات بیان کرنے دو کہ یہ چھوٹی بھورے رنگ کی چالاک چڑیا کس طرح اڑتی کودتی پھدکتی پھرتی ہے۔ اور جب کوئی آدمی نزدیک جاتا ہے تو اڑ جاتی ہے
(۵) بچوں سے کہو کہ جانول یا جوار کے دانے صحن مدرسہ میں پھیلا دیں اور دیکھیں کہ یہ چڑیا کس طرح جمع ہوتی اور دانوں کو چن لیتی ہیں۔
(۶) پھر ان سے کہا جائے کہ چڑیا کی چونچ کا اپنے منہ سے مقابلہ کریں اور بتلائیں کہ چونچ سخت کیوں چاہیئے۔ سخت نہ ہوتی تو دانے چننے میں کیوں تکلیف ہوتی۔ چونچ کے نکیلی ہونے کی وجہ اور فائدہ بتلاؤ۔
(۷) بچوں کو بتلاؤ کہ بعض چڑیوں کی گردنوں کے نیچے سفید سیاہ بال ہوتے ہیں جو نر کی علامت ہے چھوٹی مادہ چڑیا کے یہ سیاہ دھبہ نہیں ہوتا بلکہ تمام بھوری ہوتی ہے۔
(۸) بچوں سے پوچھو کہ چڑیا کا بدن کس چیز سے ڈھکا ہوا ہے۔ اگر بچے کہیں کہ پر ہیں تو سوال کرو کہ سب سے بڑے پر کہاں ہیں۔ ان کو کیا کہتے ہیں اور ان سے چڑیا کیا کام لیتی ہے اگر بچے صحیح جواب نہ دیں تو ان کو پر۔ دم وغیرہ بتا دو اور بچوں کو غور سے ان کا مشاہدہ کرنے دو (اس غرض کے لئے زندہ چڑیا کی ضرورت نہیں مردہ چڑیا جس کو انگریزی میں STUFED SPECIMEN کہتے ہیں کام دے سکتی ہے۔
(۹) اس کے بعد چڑیا کے پاؤں اور پنجوں کا مشاہدہ کراؤ اور بتاؤ کہ ان کی ساخت کیسے واقع ہوئی ہے۔ پنجے کیسے ہیں۔
(۱۰) پھر کہو کہ شب میں چڑیا کیونکر سوتی ہے مثل بچوں کے بستروں پر نہیں بلکہ درخت کی ٹہنیوں پر اس طرح پنجوں سے ٹہنی کو مضبوط پکڑ لیتی ہے اور اپنا سر پروں میں چھپا لیتی ہے۔
(۱۱) بچوں سے سوال کرو کہ چڑیا کی غذا کیا ہوتی ہے۔ اور کیونکر موسم بارش میں اس کو غذا حاصل کرنے میں کیا تکالیف ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ اور بہت ساری باتیں چڑیا کے

حسن بیان کی جائیں۔

سبق نمبر ۳ کہانی کہانی کے پیریڈ میں چڑیا کی کوئی دلچسپ کہانی سنائی جائے۔ بچوں سے کہا جائے وہ خود بیان کریں تو مختلف بچے مختلف کہانیاں سنائیں گے۔

سبق تیسرا حساب بچوں سے کہو کہ پہلے ایک ٹہنی کی تصویر بنائیں اور اس پر چھ چڑیوں کی تصویریں اس طرح بنائیں کہ پانچ چڑیاں ٹہنی پر ایک طرف بیٹھی ہوں اور دوسری طرف ایک ہو۔ دیکھو تصویر ذیل



اسی طرح ایک اور ٹہنی بنائیں جس پر چار چڑیاں ایک طرف اور دو ایک طرف۔ اور ہر وقت ۶ کا ہندسہ لکھا جائے۔

پھر بچوں کو چکنی مٹی دو اور کہو کہ چھ گولیاں بنائیں اور مختلف طریقوں سے ان کو اپنی سلیٹ پر جوڑتے جائیں مثلاً دیکھو تصویر ذیل۔



مزید مشق کے لئے تنکوں (کاڑیوں) اور بالغریم وغیرہ سے کام لیا جائے تاکہ بچے آسانی اور دلچسپی کے ساتھ چھ تک گنتی سیکھ لیں۔

سبق چوتھا ڈرائنگ ڈرائنگ کے گھنٹہ میں چڑیا کی تصویر بنائی جائے۔ اور بعد میں اسی میں بتدریج اضافہ کرتے ہوئے ایک ایسی تصویر تیار کی جائے کہ جس میں بچے چڑیوں کو دانہ ڈالتے ہوں

اسباق بطور نمونہ لکھے گئے ہیں مدرسین کو چاہئے کہ خود اس قسم کے اسباق وقتاً فوقتاً تیار کرتے رہیں اور ان کے مطابق کمسن طلبہ کو تعلیم دیا کریں اگرچہ اس طریقہ کے اختیار کرنے میں حضرات مدرسین کو زحمت اور محنت گوارا کرنی ہوگی لیکن تعلیم سے بچوں کی دلچسپی دوگونہ بڑھ جائے گی اور ان حضرات کو محنت کا خاطر خواہ ثمرہ ملے گا۔

سید محمد حسین

تبصرہ

دکن میں اردو

اس کتاب کو ہم نے بڑے شوق سے پڑھا۔ اس موضوع پر جہاں تک ہمیں معلوم ہے یہ پہلی کوشش ہے کہ ایک باقاعدہ کتاب کی صورت میں پبلک کے سامنے دکن میں اردو کی ارتقا دکھائی جائے۔ ظاہر کہ یہ مضمون نہ صرف وسیع ہے بلکہ اس میں بہت سے مطالعہ تحقیق اور تدقیق کی ضرورت ہے۔ کسی ایک شخص کی کوشش اس مضمون پر پوری روشنی نہ ڈال سکے گی۔ مختلف دماغوں کی مختلف پہلوؤں سے تحقیقات دکن میں اردو کی ارتقا کے دلچسپ مسئلہ کو واضح اور محقق طور پر پیش کر سکے گی لیکن ساتھ ہی ہم کو یہ ماننا پڑتا ہے کہ اس تحقیقات کے لئے مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی کی یہ کتاب صلائے عام ہے یاران نکتہ دان کے لئے۔ آئندہ جو یا دماغوں کے کارنامہ کا پیش خیمہ ہے۔ مصنف خود اس بات کو محسوس کرتے ہیں اور چونکہ مصنفین کے خیالات اپنی کوششوں کے متعلق ہمیشہ لطیف ہوتے ہیں اور اس میں خاکساری اور صاف گوئی کی چاشنی اور نمک ملا ہوا ہوتا ہے۔ لہٰذا ہم ذیل کا ٹکڑا کتاب کے "مقدمہ" میں سے نقل کرتے ہیں۔

"اس امر کا خیال رہے کہ میں نہ تو انگریزی سے واقف ہوں اور نہ عربی۔ فارسی سے کما حقہ آگاہ۔ مجھے اس امر کا دعویٰ نہیں کہ میں انشا پرداز یا مضمون نگار ہوں نہ تو مجھ کو شاعری و سخن سنجی میں دخل ہے اور نہ شعر فہمی کا ذوق۔ ان تمام امور کے لحاظ سے میری تالیف کا کیا رتبہ ہونا چاہئے خود ناظرین غور فرما سکتے ہیں"

اس کتاب کے رتبہ وغیرہ کا مسئلہ ہم بھی قارئین پر چھوڑ دیتے ہیں۔ البتہ اس کتاب سے جو چند خیالات ہمارے دل میں پیدا ہوئے ہیں ان کو اس موقع پر سپرد قلم کرنا مناسب ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ زبان اردو کی تاریخ ہندی کی تاریخ ہے۔ اردو اور ہندی میں جہاں تک زبان کی اصولی ساخت کا تعلق ہے یعنے بلحاظ قواعد ہندی اور اردو ایک ہی شے ہیں۔ ہندی میں فارسی ترکی اور عربی الفاظ سے کام لیجئے اور وہ اردو بنجاتی ہے۔

... احباب ہندی جانتے ہیں وہ اس امر کو خوب سمجھ سکتے ہیں۔ ہندی کی بھی کئی صورتیں ہیں پوربی اور پچھمی اور پھر ان دونوں کی مختلف فروعات ہیں پچھمی کی ایک فرع برج بھاشا تھی اس میں پہلے پہل فارسی ترکی اور عربی کے لفظ زیادہ پھیے اور رفتہ رفتہ اردو ارتقا پانے لگی اور کبھی تاریخ اسی وقت لکھی جائے گی کہ ہندی ادبیات کی پوری تاریخ لکھی جائے اب تک اردو میں اس قسم کی تاریخ نہیں لکھی گئی۔ اور اسی لئے ارتقائے اردو کے متعلق خیالات ایسی ہی غیر مستقل صورتیں رکھتے ہیں جیسی کہ ابر کے ٹکڑے اختیار کر لیتے ہیں۔ یہی حال ہندی کی اس فرع کا ہے جو دکھنی کہلاتی ہے۔ اس کے متعلق بھی جو نظریے اب پائے جاتے ہیں وہ ادھورے اور ناکافی ہیں اس وجہ سے کہ ان کی بنیاد بھی جنوبی ہند میں ہندی کی نشوونما کی تحقیقات نہیں ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے لکھنے والے اس قسم کی قبل از وقت اور بیکار تحقیقوں میں گرفتار ہو جاتے ہیں کہ اردو کا پہلا شاعر کون تھا اور یہ کہ آیا بعض شعرا لب و لہجہ پیدائش دہلوی تھے یا اکبرآبادی لکھنوی تھے یا دکھنی پنجابی تھے یا گجراتی۔

دکن میں اردو کی ارتقا صحیح طور پر سمجھنے کے لئے یہ بھی بڑی ضروری بات ہے کہ ہندی نے دکن میں اپنے دوران ارتقا میں مرہٹی اور گجراتی آریا اور تلنگی کنڑی اور دیگر ڈراوڑی زبانوں کے کیا کیا اثرات قبول کئے۔ دکن میں اردو پر جتنے کتاب زیر تنقید شروع سے آج تک دیکھی جائے اور آپ کو اس کا خیال بھی نہ آئیگا کہ دکن میں سوائے اردو بولنے والوں کے مرہٹی اور تلنگی بولنے والی بڑی بڑی آبادیاں بھی ہیں۔ مختصر یہ کہ جیسا کہ قابل مصنف نے خود تسلیم کیا ہے ضرورت ہے کہ اس کام کے لئے وہ لوگ جو انگریزی کے ذریعہ موجودہ تحقیق اور تدقیق کے طریقوں کے ماہر ہیں عربی اور فارسی سے کافی لیکن ہندی مرہٹی تلنگی کنڑی اور تامل سے بخوبی واقفیت رکھتے ہیں اور جنہوں نے دکن کے مختلف اقطاع میں رہکر مقامی حالات اور اختلافات السنہ کا مطالعہ کیا ہے۔ ایسے لوگ ہی ہندی یعنے اردو کی دکن میں نشوونما کی دلچسپ تاریخ کما حقہ لکھ سکیں گے۔ یہ ہمیں ہرگز نہ بھولنا چاہئے کہ دکن میں

اردو کے مصنف ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے اس دلچسپ میدان میں حوصلہ بڑھانے کی پہل کی ہے۔ یہ تبصرہ نامکمل رہے گا اگر مصنف کی طرز تحریر کا ذکر نہ کیا جائے۔ مصنف باوجود اس خاکساری کے کہ "میں انشا پرداز یا مضمون نگار ہوں" بہت شستہ اور رواں واضح اور شگفتہ اردو لکھتے ہیں۔ اور اس وجہ سے کتاب پڑھنے میں شروع سے آخر تک پر لطف ہے اور یہ کوئی معمولی تعریف کی بات نہیں جن لوگوں کو خوش قسمتی یا بدقسمتی سے کتب کے تبصرہ کا کام کرنا پڑتا ہے وہ اس بات کو خوب جانتے ہیں ہمارے اساتذہ کو چاہئے کہ اس کتاب کو اپنے گھریلو کتاب خانہ میں رکھیں اور غور سے پڑھیں یہ کتاب ہمارے مدارس ثانویہ کے ہر کتاب خانہ میں ہونی چاہئے۔ مدارس فوقانیہ اور وسطانیہ کے طلبا بھی اس کے مطالعہ سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

قیمت دو روپیہ مولف مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی (منشی فاضل) سے مل سکتی ہے۔

شذرات

فوجی مدارس کا افتتاح پنجاب میں

ہندوستانی افسروں اور سپاہیوں کے بچوں کے لئے ملک معظم کے شاہی فوجی مدارس آئندہ تبر میں بمقام جہلم اور جالندھر کھولے جائیں گے ان مدارس کا پہلا مقصد تو یہی ہے کہ اس وقت جن رجمنٹوں اور کوروں میں جو ہندوستانی لوگ خدمت انجام دے رہے ہیں یا دے چکے ہیں ان کے لڑکوں کو انہیں رجمنٹوں اور کوروں میں فوجی خدمت کی غرض سے تعلیم و تربیت دی جائے۔ عمارتوں کے اخراجات کی پابجائی ملک معظم کے اس فنڈ سے کی جائے گی جو پیٹرئی آنک فنڈ (حب وطن فنڈ) کے نام سے موسوم ہے اس فنڈ کو ملک معظم کے حکم سے اس مقصد کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے اس لئے کہ یہ مدارس ہندوستانی فوج کے ان نامی ہندوستانی افسروں اور سپاہیوں کی یادگار میں قائم ہوں گے جنہوں نے جنگ عظیم میں

پنجاب [illegible] ان مدارس میں ان طبقوں کے طلبا کی تعلیم ہوگی جن میں سے لوگ فوج میں بھرتی کئے جاتے ہیں، اور جن کی بود و باش وسطی یا مغربی پنجاب یا صوبہ سرحدی میں ہے جہلم کا مدرسہ مسلمانوں اور جاٹوں والا لکھوں ڈوگروں اور مگیر پنجابی ہندوؤں کے لئے مخصوص ہوگا۔

۱۔ ان مدرسوں کی کامیابی کی صورت میں اس مسئلہ پر غور کیا جائے گا کہ آیا اس اسکیم کو اتنی مزید وسعت دی جائے کہ اور طبقوں کے بچوں کی فوجی تعلیم و تربیت کا بھی انصرام ہو سکے والدین پر سات روپیہ آٹھ آنہ کا ماہوار طلبا کی غذا کے متعلق ڈالا جائے گا۔

یونیفارم اور بچھونے مفت مہیا کئے جائیں گے جو بچے یتیموں یا بعض قسم کے نیلے سپاہیوں کے لڑکوں سے جنکی تنخواہ تیس روپیہ سے کم ہو کچھ نہ لیا جائے گا۔ شرکت کے لئے لڑکے کی عمر بتاریخ یکم ستمبر ۱۹۲۵ء اس سال سے اوپر اور بارہ سے کم ہونی چاہئے انتخاب سے پہلے انسٹرکشن کی جامع اور طبی معائنہ میں کامیابی ضروری ہے۔

مستقر گلبرگہ شریف میں منجانب معتمد انجمن اساتذہ طلبا درجہائے فوقانی و وسطانی و جماعت چہارم کا تقریری مقابلہ زیر صدارت مولوی اکبر علام صاحب ایم اے منعقد ہوا (۱) طبقہ فوقانیہ سے "آثار قدیمہ گلبرگہ" (۲) طبقہ وسطانیہ سے "جائزہ شمس الدین بابا صاحب" پر (۳) جماعت چہارم سے "مدرسہ" پر مضمون لکھنے اور تقریر کرنے کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ طبقہ فوقانیہ کا انعام درجہ خاص محبوب خاں صاحب طالبعلم مدرسہ فوقانیہ عثمانیہ گلبرگہ کو طبقہ وسطانی کا انعام درجہ اول کرشنا جی مانک راؤ صاحب پٹواری طالبعلم وسطانیہ نوتن ودیالیہ کو اور جماعت چہارم کا انعام درجہ اول محمد اسمٰعیل صاحب طالبعلم مدرسہ اسٹیشن بازار گلبرگہ کو دیا جائے ان کے علاوہ دیگر چھ شریک شدہ طلبا کو انعامات درجہ دوم و سوم عطا کئے گئے انعامات کتب کی صورت میں ہیں۔

۱۳۲۴ف کے امتحان مڈل، سرکار عالی کا خلاصہ نتیجہ حسب ذیل ہے۔

الف۔ امیدواران سرکاری (۱)	درج رجسٹر (۲)	شریک (۳)	کامیاب درجہائے اول	دوم	سوم	میزان
	۲۳۳۹	۲۲۷۱	۱۳	۱۶۴	۱۱۷۸	۱۳۵۵

(۴) ناکامیاب۔ غیر حاضر۔ نتیجہ کا میابی فیصد
۹۱۹ ۶۸ ۵۹۱۶

(ب) امیدواران خانگی (۱) درج رجسٹر شریک۔ کامیاب درجہ اول۔ دوم۔ سوم۔ میزان۔ ناکامیاب
۲۰۸۷ ۷۵۲ ۷۱۶ ۲۳ ۳ ۳۰۳۱ ۳۳۹۰

غیر حاضر۔ نتیجہ کامیابی فیصد۔
۳۵۱ ۳ ۲۴

کلکتہ یونیورسٹی کے مختلف امتحانات ۱۹۲۵ء میں جو طلباء داخل ہوئے ان کی تعداد حسب ذیل ہے جس سے وہاں کی تعلیم کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔

انٹرنس۔ انٹرمیڈی ایٹ آرٹس۔ انٹرمیڈی ایٹ سائنس۔ بی۔ ایس سی۔ بی۔ اے
۱۹۰۸۲ ۴۳۴۱ ۴۳۵۸ ۹۶۷ ۲۶۲۰

صوبہ مدراس کی وزارت تعلیمات ثانوی تعلیم کی کل اسکیم کی نظر ثانی میں مشغول ہے۔ اس نظر ثانی کا مطمح نظر یہ ہیکہ مدارس فوقانیہ کا نصاب اس ڈھب کا کر دیا جائے کہ اول تو وہ بجائے خود ایک مکمل شے بن جائے اور محض کالج کی پڑھائی کے لئے طلباء کو تیار کرنا اس کا مقصد نہ رہے دوسرے یہ کہ عملی تربیت اور تعلیم اس کی نمایاں خصوصیت ہو۔ اس نظر ثانی کے نتائج ایک سرکاری اور غیر سرکاری ارکان کی مل جلی کمیٹی میں پیش ہوں گے اس کمیٹی کا اجلاس آئندہ مہینہ مدراس میں منعقد ہوگا۔

مدرسہ تحتانیہ گھوہ تعلقہ قندہار ضلع ناندیڑ میں ماہ فروردی داروی بہشت ۱۳۳۴ فصلی میں دو جلسے منعقد ہوئے جس میں تحصیلدار صاحب تعلقہ مدصول منتظم صاحب پولیس مقامی اور دیگر عہدہ داران مقامی اور سربرآوردہ رعایا، شریک تھی منتظم صاحب پولیس اور تحصیلدار صاحب نے امتحانات لئے اس کے بعد علم کے فوائد فراہمی طلباء اور شوق تعلیم سے متعلق تقریریں ہوئیں کمی فرنیچر مدرسہ کے متعلق حاضرین سے توجہ دلائی گئی نتیجہ یہ ہوا کہ راج لنگو صاحب شیخ حیدر صاحب ہواں اور مارونی راؤ صاحب پاٹیل اور شیخ حسین صاحب نے مدرسہ کیلئے (۹) بنچ عطا کئے بچوں کو انعامات دئے گئے شیرینی تقسیم کیگئی اور حاضرین جلسہ کی پان وغیرہ سے خاطر تواضع کی گئی۔

ضمیمہ

رسالہ

المعلم

بابتہ ماہ امرداد

سنہ ۱۳۳۴ف

اعظم اسٹیم پریس

چارمینار حیدرآباد دکن

مکتوبات فرنگ

سررشتہ امداد باہمی کے مددگار مولوی سید محمد مہدی صاحب کو جب انگلستان اس غرض سے سرکار عالی نے بھیجا تھا کہ وہ امداد باہمی کے کام اور اس کے اصول کا وہاں مطالعہ کریں تو آپ نے مکتوبات فرنگ کے عنوان سے چند مضامین اپنے قیام انگلستان کے دوران میں تحریر فرمائے اور وہ ہمارے مقامی ہم عصر روزنامہ حیفہ میں شائع ہوئے۔ چونکہ امداد باہمی کی تحریک ملک اور ابنائے ملک کی آسایش اور معاشی فلاح کے لئے نہایت مفید اور سبق آموز ہے لہذا صاحب مکتوبات کی رضامندی سے ہم اپنے اساتذہ کی معلومات اور فائدہ کی غرض سے ان مکتوبات کو المعلم میں شائع کر رہے ہیں ہم عصر صحیفہ سے صاحب مکتوبات نے اجازت حاصل کرلی ہے قبل اس کے کہ قارئین ان دلچسپ اور آنکھیں کھولنے والے مکتوبات کا مطالعہ کریں صاحب مکتوبات کا تعارف کرا دینا بھی مناسب ہے۔

مولوی سید محمد مہدی صاحب ان صاحب دلولہ نوجوانوں میں سے ہیں جن کی سرگرمیوں کا تنہا مقصد ملک اور ہموطنوں کی فلاح ہے۔ آپ کا تعلق اولاً محکمہ مال سے تھا لیکن امداد باہمی کی تحریک میں آپ کو عامۃ الناس کی بہبودی اسقدر نظر آئی کہ آپ نے مال کے محکمہ سے سررشتہ امداد باہمی کو ترجیح دی محض اس لئے کہ اس سررشتہ سے عام فلاح اور بہبود میں بہت کچھ کام ہو سکتا تھا۔ سررشتہ امداد باہمی میں منتقل ہونے کے بعد آپ نے جس دلچسپی اور سرگرمی سے کام کیا گویا کہ آپ کو اس کام سے عشق ہو گیا

سرکار عالی نے اس گہری دلچسپی اور سرگرمی کو ملاحظہ کرنے کے بعد یہ مناسب سمجھا کہ ان کو انگلستان میں تقریباً ایک سال رہنے اور امداد باہمی کے نظریے اور عملیات کو مطالعہ کرنے کا موقع دیا جائے انگلستان پہونچکر بھی ان کی نظر اسی بات پر تھی کہ کسی طرح اپنے ہموطنوں کو ان کارآمد تخیلات سے روشناس کیا جائے جن سے یہ خود مطالعہ اور مشاہدہ کے دوران میں دوچار ہو رہے تھے۔ چنانچہ اسی ذوق و شوق کا ثمرہ یہ "مکتوبات فرنگ" ہیں۔

ان مکتوبات کو "المعلم" کے لئے بھیجتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"آئندہ جناب کی خواہش پر رسالہ "المعلم" کے لئے امداد باہمی سے متعلق عموماً اور تعلیم سے متعلق بھی اگر ہو سکے تو مضامین روانہ کرنا اپنا خوشگوار فریضہ خیال کرتا ہوں"

ہم نہایت شوق سے ان مضامین کے منتظر رہیں گے اور ہمیں امید ہے کہ ہمارے اساتذہ بھی مکتوبات فرنگ کے پڑھنے کے بعد ہمارے شوق میں شریک ہوں گے۔ ہم کو اپنے اساتذہ سے اس بات کی بھی توقع ہے کہ وہ ان "مکتوبات" کے مطالعہ کے بعد ملک اور ہموطنوں کی فلاح اور بہبود کے اسپرٹ کو اپنے آپ میں اور بعد اپنے زیر اثر طلبا میں پیدا کریں گے ہر شخص اپنے محدود دائرہ ہی میں بھلائی اور رفاہ عامہ کے بیج بو سکتا ہے اور رفتہ رفتہ انہیں بیجوں سے لک چھوٹا پھلتا باغ اپنے آپ بنجائے گا

شریکمدیر

انگلستان کی گپ شپ

پرنس آف ویلز حال ہی میں کینیڈا کے سفر سے مع انجیر واپس آئے ہیں۔ جہاں ذاتی زراعتی کاروبار کے ملاحظہ کے لئے گئے تھے۔ لارڈ انفریو کا نام اس سفر کے لئے اختیار کیا گیا تھا۔ اور انتہائی سادگی اور اخلاق سے اس سفر کو ختم کیا۔ نہ معلوم کتنے چھوٹے بڑے ان کے اخلاق کے گرویدہ ہوئے ہیں۔ جس جہاز پر واپس ہوئے ہیں اس کے مسافروں کی مستعدی اور بے تکلف خوش اخلاقی کی یکساں تعریف کرتے ہیں۔ پرنس آف ویلز معمر اشخاص کا خاص احترام ملحوظ رکھتے ہیں۔ ان کی سیاحت کے ہم قدم سیاست بھی ہے لندن پہونچنے کے دوسرے روز ایک ناٹک کے دیکھنے کو جاتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ جملہ نشستیں محفوظ ہیں اور ٹکٹوں کی بکری موقوف ہے پرنس آف ویلز واپس چلے جاتے کو ہیں کہ میانیجر کو اطلاع ہوتی ہے۔ وہ فوراً ان کی خدمت میں پہونچکر کہتے ہیں کہ ایک نشست کا انتظام کرنا مشکل نہیں ہے وہ انتظام کردیتے ہیں۔ پرنس آف ویلز جواب دیتے ہیں کہ بغیر کسی کو زحمت دینے کے یہ انتظام یقیناً مشکل ہے۔ میری غلطی ہے کہ میں نے پہلے سے نشست محفوظ نہیں کرائی۔ غرض خندہ پیشانی کے ساتھ واپس تشریف لے جاتے ہیں۔ ان دنوں جہان اور صدہا مصروفیتیں ان کے دامنگیر ہیں۔ امپیریل کنزرویٹو کی کامیابی کا بھی ان کو خاص طور پر خیال ہے۔

پرنس آف ویلز کے بھائی ڈیوک آف یارک مع اپنی بیگم کے لندن کے ایک راستہ پر سے گزرتے ہیں باربرداری کی ایک گاڑی کا مقابلہ ہوتا ہے جس کا گھوڑا چمک کر ان کی موٹر کے سامنے آجاتا ہے۔ موٹر کا آئینہ ٹوٹ جاتا ہے بالکل تھوڑی دیر کے لئے راستہ رُک جاتا ہے۔ ایک راہ گزر یہ دیکھتا ہے کہ ڈیوک آف یارک اپنی موٹر سے باہر پولیس والے کو حادثہ کا ماجرا سمجھاتے ہیں خطا گھوڑے کی تھی گاڑیبان کی نہ تھی۔ اس امر کا اطمینان کرنے کے بعد پولیس والے کو اطمینان ہوجاتا ہے گویا اس کی [illegible] سے اپنا راستہ لیتے ہیں ڈیوک آف یارک کی موٹر تعجیس کی طرف تیز جاتی ہے۔ اور شوفر پر پانچ پونڈ جرمانہ عدالت سے کیا جاتا ہے سوشیل تقاریب میں ڈیوک آف یارک کا نام اکثر دیکھا جاتا ہے۔ معذورین کیلئے ایک ہسپتال (شفاخانہ) کی

تیاری [illegible] پیش نظر ہے اور چندے جمع ہو رہے ہیں۔

لارڈ کرزن کا موٹر کو تیز چلانے کی علت میں جرمانہ ادا کرنا ایک معمولی بات ہو گئی ہے ان واقعات سے عدالت کا انصاف ذی مرتبہ اشخاص کی نصفت پسندی اور پولیس کا اعلیٰ انتظام ظاہر ہوتا ہے۔ لندن میں پولیس والا ایک ذی اقتدار انتظامی افسر ہے۔ جو نہایت ہمدرد خوش اخلاق باضابطہ سنجیدہ خاموش بے لاگ وجیہ مگر انہوں کا رہبر بچوں اور ضعیفوں کا مددگار ہے۔ اعلیٰ حواس سے موجودہ کی مثال آمد و رفت کو ایک اشارہ سے روکنا اور رہ گزری سہولتوں کو قابو میں رکھنا اس کے انتظام کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔ اس کی ماہوار بھی اچھی ہے۔ ماہانہ ڈھائی سو روپیہ پاتا ہے۔

فرانس اور انگلستان کے سیاسی نظریات میں اختلاف ہے۔ یورپ کا امن اور جرمنی کا وجود اس اختلاف خیال کی وجہ سے معرض خطر میں ہے ہر اخبار مسئلہ بیکاری اور اس کے تعلقات تجارت پر خامہ فرسا ہے۔ مسٹر بالڈون وزیر اعظم انگلستان فرانس جاتے ہیں۔ سفر کی ظاہری غایت فرانس کے قدرتی چشموں میں صحت کی خاطر نہانا ہے مگر اخبار طرح طرح کی چہ میگوئیاں کرتے ہیں۔ مسٹر بالڈون جب نہا دھو کر فارغ ہو جاتے ہیں تو پیرس میں مسٹر پوانکارے سے بھی ملاقات کرتے ہیں ملاقات کی اصلی روئداد کے لئے انگلستان کی پبلک بیتاب نظر آتی ہے۔ مگر کوئی پتہ کی بات معلوم نہیں ہوتی۔ بالآخر مسٹر بالڈون لندن کو اچانک واپس آتے ہیں ان کے اس طرح آنے کی اطلاع اخباری سلسلوں میں معلوم ہے ایک جم غفیر مختلف اخبار کے نامہ نگاروں کا اسٹیشن پر ریل کے آنے سے پہلے موجود ہے جیسے ہی وہ ریل سے اترتے ہیں۔ اخبار کے نامہ نگار بے تکلف مخاطب کرتے ہیں مسٹر بالڈون ہم یہاں آپ سے ملنے کے لئے موجود ہیں آپ ہم کو یہ بتائیں گے کہ آپ کا سفر فرانس میں کیسا رہا وہ جواب دیتے ہیں کہ آپ کی عنایت ہے کہ آپ تشریف لائے مجھکو دریا کے عبور میں سخت طوفان کا سامنا رہا اور خدا حافظ کہتے ہوئے موٹر میں سوار ہو جاتے ہیں۔ مسٹر لائڈ جارج انگلستان کے زمانہ جنگ کے جید وزیر اعظم امریکہ کی سیاحت میں مصروف ہیں۔ جس وقت وہ لندن سے روانہ ہوئے ہیں دریائی موسم انتہائی ناموافق تھا روزانہ دریا میں جہازوں کے حادثہ سننے میں آتے تھے لائڈ جارج ضعیف العمر مگر جوان ہمت

امریکہ کا سفر اختیار کرتے ہیں۔ ان کے جانے سے پہلے یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ایک خانگی سفر کر رہے ہیں۔ لیکن جو چیزیں ہم آتی ہیں ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ مادر وطن کی خدمت میں باوجودیکہ ان کی صحت اکثر کثرت کار کی وجہ سے درجہ اعتدال سے گرتی رہتی ہے۔ ہمہ تن مصروف ہیں۔ لاکھوں آدمی ان کے خیالات سے واقف اور متاثر نظر آتے ہیں۔ ان کے سفر کا علمی نتیجہ یہ بھی ایک ہو سکتا ہے کہ جرمنی کی مالی حالت کا امتحان کرتے انگلستان کی دعوت میں امریکہ بے تکلف شریک ہوتا ہے۔ اور مفید اثرات جو ان کی تقاریر اور ملاقاتوں کے زیر اثر ہیں اپنی اپنی نوبت پر نظر آتے رہیں گے۔ مسٹر الیکوتہیہ فری لیبرل پارٹی کے سابق وزیر اعظم انگلستان بھی اپنا وقت مادر وطن کی خدمت میں وقف کئے ہوئے ہیں۔ ان لوگوں کی اصلاح اور خیال میں "وطن" "مادر وطن" "قوم" "اہل قوم" جیسے الفاظ کا جمع و خرچ نہیں ہے۔ ادائے فرائض اور ہر شخص کی زندگی کا نصب العین اس کو کسی نہ کسی کام میں گھٹائے ہوئے ہے۔ جو بلا کسی شخی اور فضولی کے خاموشی کے ساتھ انجام کو پہونچانے کی کوشش میں ہے۔ مسٹر الیکوتہیہ کو عمال اور بیکاری کے مسئلہ میں خاص دلچسپی ہے شہر بہ شہر علمی تقاریر سے ملک کو مشورہ دیتے ہیں۔ زراعت کی توقیر اور انجمن ہائے امدادی باہمی کی گراں قدر خوبیوں کی تلقین کرتے ہیں۔ اور انگریز کاشتکاروں کو ہدایت دیتے ہیں کہ وہ ڈنمارک کی امداد باہمی کے ذریعہ زراعتی ترقی سے سبق حاصل کریں اور ان کی تقلید کریں۔

لیورپول میں یونیورسٹی کے طلبا مسٹر الیکوتھ سے خواہش کرتے ہیں کہ وہ یونیورسٹی میں تقریر کریں وہ دوسری مصروفیتوں کے مدنظر معذرت پیش کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ تصفیہ ہو چکا۔ دوسرے دن جب کہ وہ کسی مجلس میں شریک ہونے کے لئے اپنے میزبان کے گھر سے روانہ ہوتے ہیں تو یونیورسٹی کے طلبا ان کی موٹر کو گھیر لیتے ہیں کہ یونیورسٹی کی طرف چلو شاید شوفر بھی مسٹر الیکوتھ کی مرضی حاصل کر لیتا ہے اور یونیورسٹی کی طرف روانہ ہوتا ہے۔ جہاں طلبا پہلے سے جمع ہیں۔ اور مسٹر الیکوتھ سے تقریر کراتے ہیں مسٹر الیکوتھ نہایت پر ظرافت تقریر سے طلبا کی جمعیت کو خوش کر کے خدا حافظ کہتے ہیں۔

مسٹر بونر لا کنسرویٹو پارٹی کے سابق وزیر اعظم نے انتقال کیا ہے تمام قوم ان کا ماتم کرتی ہے انہوں نے ملک کی خدمت گزاری کے مقابلہ میں علالت کی پرواہ نہیں کی تھی مادر سیاسی کاموں کی

سے سوا مصروفیت ہی نے ان کو بڑی حد تک بیمار کر دیا تھا۔ ڈاکٹروں کے یہ کہہ دینے کے بعد کہ ان کی صحت سے مایوس ہو جانا چاہئے مسٹر لوئر لاتے اپنے ایک دوست سے کہا کہ ایسی صورت میں مجھکو کام سے کوتاہی نہ کرنی چاہئے کہ شادی امر کی تعجیل اور تعویق میں بہت کم فرق ہے۔

"سیاحت بھی تعلیم ہے"

• سیاحت کی ضرورت کو مغرب و مشرق کی تہذیب نے ہمیشہ تسلیم کیا ہے۔ طلب علم کے لئے چین کا بھی سفر کیوں نہ اختیار کرنے کے لئے ہم کو حکم ہوا ہے جس وقت تک کہ عرب سیاح رہے ان کے اثرات بھی مغرب و مشرق میں ساری رہے۔ انگریزوں کی سیاحت نے ان کو ایسی حکومت دلائی ہے جس پر ان کو ناز ہے کہ کبھی آفتاب غروب نہیں ہوتا و

جرمنی کی سیاحت پسندی نے دنیا کا بازار اس کی قدرت میں کر دیا تھا۔ اب بھی باوجود اضطرابی حالت کے جرمنی کا تجارتی دسترس عیاں ہے۔ اور اس سیاحت پسندی نے جرمنی کو دنیا کے چپہ چپہ کا علم دیا ہے۔ بظاہری جرمنی کو عربستان ایران یا ہندوستان سے کچھ تعلق نہیں معلوم ہوتا مگر جرمنی کے کتب خانہ عربی فارسی اور سنسکرت کے نادر الوجود کتب سے معمور ہیں۔ اور ان کے چھاپے خانوں میں عربی فارسی اور سنسکرت کی طباعت اس خوبصورتی سے ہوتی ہے کہاں اہنر سے عربستان ایران اور ہندوستان بے خبر ہیں۔ نہایت اعلیٰ چھاپے کے صحیح الاعراب قرآن شریف لیپزک میں طبع ہوتے ہیں۔

فارسی میں گلستان سعدی با تصویر انوار سہیلی با تصویر اور دیگر کتب نہایت اعلیٰ زیور طبع سے آراستہ جرمنی میں نظر آئے۔

یہی حال رامائن اور مہابھارت کا ہے کہ نادر الوجود نسخوں کو تصویر کشی کے آلات سے حاصل کیا گیا۔ اور اس کو بلا کسی کمی زیادتی کے ہو بہو چھاپا گیا ہے پرتگال و اسپین کی نسلیں سیاحت نوازی ہی کی بدولت، ... امریکہ میں آباد اور خوش حال ہیں۔ سیاحت کی بدولت ہی کولمبس کے ہاتھ نئی دنیا لگی۔ ایک سرسری نظر دنیا کے نقشہ پر ڈالی جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ محض سیاحت نے

سیاست کے جال پھیلائے ہیں۔ اور تمول اور تعلیم کے اسباب سیاحت کے ذریعہ سے حاصل کئے گئے ہیں یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر سیاحت باغراض سیاسی ہو علمی تاریخی معاشرتی تجارتی اغراض بھی بجائے خود کافی معاوضہ سیاحت ادا کر سکتے ہیں۔

اس وقت امریکہ اور جاپان کے سیاح دنیا کے ہر حصہ میں نظر آتے ہیں اور ان کی سیاحت خالی از علت نہیں ہے۔ یہ دونوں قومیں تجارت کے فروغ میں دنیا پر حکومت کرتی نظر آتی ہیں جرمنی میں شاید ہی کوئی ریلوے ٹرین ایسی ہوگی جس میں راقم کو سفر کرنے کا اتفاق ہوا ہو۔ اور اس میں بیس پچیس جاپانی یا چینی نظر نہ آئے ہوں۔ جرمنی میں شاید تیس ہزار جاپانی ہیں جو مصروف تعلیم و تجارت ہیں

۱۹۰۷ء میں ایسے جاپانی طلبا کی تعداد جو حکومت کی امداد سے یورپ میں تعلیم پا رہے تھے ایک سو بتائی گئی ہے اس موقع پر یہ اظہار خیال بیجا نہ ہوگا کہ حیدرآباد کے طلبا بھی یورپ میں اس وقت ایک سو سے کم تعداد میں نہیں ہوں گے اور ان میں تقریباً پچاس سے زیادہ کسی نہ کسی صورت میں سرکاری امداد سے تعلیم پا رہے ہیں۔ حیدرآباد کے طلبا کی تعداد بہت دلخوش کن ہے۔ اور یہاں قدر کی جاتی ہے کہ ہمارے سرکار نے تعلیم کی توسیع کے لئے قابل رشک امداد طلبا کو دی ہے جو واقعی لائق تشکر ہے۔ مگر یہ تعداد کافی نہیں ہے۔

ضرورت اس کی ہے کہ حیدرآباد کے مخیر اور ذی حوصلہ امرا عظام بھی اپنے اپنے علاقہ سے قابل طلبا، اور ایسے تعلیم یافتہ اشخاص کو کہ جن کو ضرورت ملک سے واقف ہونے کا موقع ملا ہو یورپ کو تعلیم کی غرض سے بھیجیں۔ نیز قلیل المیعاد سیاحتی وظائف بھی جاری کریں۔ جس سے اُن کی فیاضی و روشن خیالی کا مزید ثبوت ملے گا۔ یورپ میں تجارتی کوٹھوں اور صنعتی کارخانوں اور بیوپاریو کی قیمتی وظائف تعلیمی تقسیم کرنا معمولی بات ہے جس کی مثال بمبئی میں بھی اکثر نظر آتی ہے۔

سیاحت جزو تعلیم ہے اور سیاحت کی اہمیت ذیل کی چند معمولی مثالوں سے ظاہر ہو سکتی ہے

ڈنمارک میں حکومت کی جانب سے بین الاقوامی انجمن ہائے طلبا کے ذریعہ دو سو طلبا یورپ کو سالانہ موسم گرما کی تعطلوں میں ڈنمارک کو مدعو کیا جاتا ہے۔ جن کے مصارف سفر و مہمانی ریاست کے ذمہ

ہوتے ہیں۔ اس سے حکومت یہ فائدہ تصور کرتی ہے کہ طلبا ڈنمارک کو اور ممالک یورپ کے طلبا سے ملنے کا موقع ملے۔ اور یہی موقع آنے والے طلبا کے لئے بھی حاصل رہے۔ ڈنمارک کی ریلوے کمپنی نے یہ عام رعایت اپنے پرائے طالب علم کے لئے مرعی رکھی ہے کہ کوئی طالب علم جو چوبیس کرونز (چوبیس روپیہ کے برابر ہوتے ہیں) دے کر رعایتی ٹکٹ حاصل کرے تو وہ میعاد معینہ میں ڈنمارک کے چپہ چپہ ریل پر سفر کر سکتا ہے۔ جس ملک میں ریل جال کی طرح پھیلی ہوئی ہو وہاں اس فیاض رعایت کا مفید اثر اور طلبا کے لئے علمی سیاحت کی ترغیب اور اس کے عملی نتائج ڈنمارک کی کامیاب زرعی زندگی اور اعلیٰ اسباب تعلیم کے مشاہدہ سے ظاہر ہوتے ہیں کہ زراعت اور تعلیم نے انجمن ہائے ہمدردباہمی کے زیر اثر ڈنمارک کو دنیا میں جنت بنا دیا ہے۔ اور یورپ اور امریکہ اس کی فراغت و قناعت پر رشک کرتا ہے ڈنمارک کی جہازراں کمپنی نے سالانہ دس طلبا کو یونیورسٹی کے سفارش سے دنیا کا سفر کرانے کا اہتمام اپنے ذمہ لیا ہے۔ ہر سال دس طلبا اس طرح سیاحت کی تعلیم سے مستفید ہوتے ہیں۔ ان تمام جماعتوں کی کوشش سے جو متحدہ فوائد کہ ملک کو حاصل ہوتے ہیں وہ چنداں محتاج توضیح نہیں ہیں۔

فرانس میں ایک متمول صاحب حوصلہ مسمی البرٹ کاہن ہیں جن کو بین الاقوامی معاملات میں دلچسپی ہے۔ ان کی خواہش ہے کہ مختلف قوموں میں باہمی سمجھوتے کی ترقی ہو اور اس مقصد کی تکمیل میں انہوں نے ملک فرانس جاپان اور انگلستان کو مدتوں سے سالانہ ایک ایک وظیفہ دے رکھا تھا جس کی قیمت پندرہ ہزار روپیہ (ایک ہزار پونڈ) تھی منشا یہ تھا کہ جس طالب علم کو وظیفہ ملے وہ ایک کتاب دنیا کے مخصوص حصوں کا سفر کرنے کے بعد لکھے۔ جو بین الاقوامی تعلقات کے حق میں مفید ہو اس وظیفہ سے فرانس اور جاپان نے مدتوں فائدہ اٹھایا۔ مگر آخر میں یہ معلوم ہوا کہ صرف انگریز ہی اس فریضہ کو نہایت عمدگی سے پورا کر سکتے ہیں۔ وجہ اس کی ظاہر ہے کہ ان کے عالم گیر اثرات وظیفہ یاب کے حق میں بڑی مدد دیتے ہیں۔ چنانچہ اب البرٹ کاہن کی فلوشپ صرف انگریزوں ہی کو حاصل ہے سالانہ ہر یونیورسٹی سے اعلیٰ ترین قابلیت کا ایک گریجویٹ نامزد کیا جاتا ہے۔ اس طرح سولہ یونیورسٹیوں سے سولہ امیدوار لندن جاتے ہیں۔ جہاں ایک کمیٹی جس میں وزیر خارجہ لارڈ کرزن اور میر مجلس عدالت

اور وزیر مالیہ شریک ہوتے ہیں ایسے سولہ امیدواروں سے ایک اہل ترین کا انتخاب کیا جاتا ہے جو آلبرٹ کاہز کے وظیفہ سیاحت کا مستحق قرار پاتا ہے۔ واضح ہو کہ گو اس وقت وزیر خارجہ کا منصب لارڈ کرزن کو حاصل ہے مگر ان کی ذاتی قابلیت اور سیاحت کے امتیاز کی وجہ سے شخصی طور پر اس کمیٹی میں شرکت کا موقع حاصل ہے۔

حکومت

سال حال مسٹر ولیم رائڈرسن کو یہ ممتاز وظیفہ ملا ہے جو سیاحت مجوزہ کا ہن پر اعلیٰ افسر برطانیہ کی سفارشوں اور سفارتی چٹھیوں کے ساتھ روانہ ہو چکے ہیں۔ چنانچہ صاحب موصوف دسمبر کے تیسرے ہفتہ میں حیدرآباد بھی جائیں گے۔

اس تحریر کا مدعا یہ ہے کہ اہل حیدرآباد کے قابل افراد کو سیاحت سے بہرہ ور کرنے کے لئے حکومت تدابیر کا صحیح اور وسیع پیمانہ پر جلد اختیار کرنا ضروریات تعلیمی میں داخل ہے اس کی ابتدا امرائے عظام ساہوکاران اور دیگر تجار کی طرف سے ہو اور ایک ایسی کمیٹی جس کو حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس کے خاص اراکین اور دیگر واقف احوال عالم اشخاص پر مشتمل کیا جائے سفارش عطائے وظائف کیلئے رہبر ہو۔ اس تحریک کی اس طرح ترمیم بعض خیالوں میں آسکتی ہے کہ اگر سیاحتی وظائف کے لئے رقمی سبیل کا امکان حاصل ہو تو اس کو مقامی تعلیم کی توسیع پر لگانا زیادہ مفید ہو سکتا ہے اس ترمیم کا پہلے تو ایک مفید تحریک کے پیش ہونے پر چسپاں کرنا صحیح نہیں ہو سکتا دوسرے یہ کہ اس تحریک کا مقصود سیاحت کی دولت تعلیمی حاصل کرنا ہے جس کو حاصل کنندہ بلحاظ شعبہ ہائے متعلقہ ملک میں عام کر سکتا ہے۔

حیدرآباد میں اشاعت اخبار کے فن سے ماہر اشخاص کی بھی ضرورت مسلم ہے ماہر کی جو کچھ خدمت مقامی اخبارات کرتے ہیں لائق قدر ہے مگر ان میں بہت کچھ اصلاح اور وسعت گنجایش ہے اس مقصد کی تکمیل کے لئے اگر کسی قابل شخص کو حیدرآباد کے مقامی اخبار شیئر کے مصارف سے یورپ کو روانہ کرنے کا تہیہ کر لیں تو ہر اخبار کے حق میں عملی اور علمی فوائد یقینی ہیں۔

مکتوب نمبر ۳ ڈنمارک میں تعلیم

اس سال انجمن ہائے اتحاد باہمی کے کاروبار کا مطالعہ کرنے کے لئے راقم کو ڈنمارک جانے کا موقع ملا تھا۔ جہاں انجمن ہائے امداد باہمی کی حیرت انگیز کامیابی کا راز اس ملک کی اعلیٰ تعلیم میں نظر آیا۔ انجمن ہائے اتحاد باہمی کی بدولت اس ملک کو جو فراغت اور ترقی حاصل ہے۔ اس کو ایک مختصر مضمون کے ذریعہ سے جو عام فہم اور سلیس ہو علیحدہ آپ کے اخبار کے لئے روانہ کیا جائے گا فی الوقت یہ تحریر طریقہ تعلیم کا خاکہ پیش کرنے کی حد تک ہے۔ آئے دن ایسے صدہا حالات اور واقعات نظر آتے ہیں جس کی اطلاع اہل ملک کے لئے ہر آئینہ مفید خیال کی جاسکتی ہے۔ مگر اپنے مخصوص کام کے لحاظ سے عام مضمون نگاری کی فرصت حاصل نہیں ہے۔ بریں ہم جب کبھی موقع مل جائے اس قسم کی تحریریں روانہ کی جائیں گی جو فی الجملہ مفید ہوں۔

ڈنمارک میں تعلیم کی بدولت اور زراعتی زندگی کے طفیل میں جو خیالات کی پاکیزگی اور معاشرت کی سادگی نظر آتی ہے۔ اس کو کتابوں میں پڑھنا یا ضبط تحریر میں لانا محال نہ ہو تو مشکل ضرور ہے ڈنمارک کی آبادی تیئیس ۲۳ لاکھ نفوس اور رقبہ سترہ ہزار مربع میل پر مشتمل ہے (حیدرآباد کی آبادی ایک کروڑ تیس لاکھ نفوس اور رقبہ اسی ہزار مربع میل پر مشتمل ہے۔ اور شاید فی صدی آٹھ لاکھ پڑھ سکتے ہیں) آئین ریاست مشیر وطنی ہے شاہ حال کرسچان دہم غیر معمولی قامت کے انسان ساڑھے چھ انچ بلند ہیں۔ قصبہ ہارلیو کے گرجا میں ایک ستون ہے۔ جہاں ان تمام بادشاہوں کی قامت کا نشان ہے۔ جو اس قدیم گرجا کے دیکھنے کو آئے ان نشانوں کے ملاحظہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ گذشتہ پچاس سالوں میں جو بادشاہ یہاں آئے ہیں ان میں بلند ترین قامت کے بادشاہ کرسچان دہم ہیں اور سب سے پست قد شاہ سیام ہیں۔ جن کی قامت ۴ فٹ ۳ - انچ دکھائی گئی ہے ڈین مذاقاً یہ کہتے ہیں کہ شاہ کرسچان کے پاؤں اگر جاڑے میں سرد ہوں تو گرمی کے موسم میں ان کو چھینک آتی ہے شاہ کرسچان کو رعایا کی بہبودی اور خبر گیری میں غیر معمولی انہماک ہے۔ بلا اطلاع دیہات میں تنہا جانا اور ان سے بے تکلف ملنا ان کے روزمرہ میں داخل ہے۔ شاہی موٹر کشتی میں سوار ہو کر ساحلی

آبادیوں میں اچانک جانا بھی معمولی بات ہے یہ شہنشاہ جارج پنجم کے ماموں ہیں۔ ایک آئرش نے مجھ سے ڈنمارک میں یہ پوچھا کہ ڈنمارک کے شاہی خاندان کی کون بیگم تھی جو انگلستان کے شاہی خاندان میں داخل ہوئی تھی۔ میں نے کہا کہ آپ اپنی سابقہ ملکہ سے واقف نہیں ہیں جو کنگ ایڈورڈ آٹھویں کی بیوی ہیں تو آئرش نے جواب دیا کہ ہماری ملکہ ڈینی لیراکی بیوی ہیں۔ سولے ان کے میں کسی ملکہ کو نہیں جانتا اس لطیفہ کے بیان کرنے سے آئرش رجحان کو ظاہر کرنا مقصود ہے۔

شاہ ڈنمارک کو سالانہ پندرہ لاکھ روپیہ کے برابر وظیفہ ملتا ہے جس میں وہ تمام درباری مصارف بھی ذمہ دار ہیں۔ شاہی مہمانوں کی ضیافت اور سرکاری تقاریب کی گنجائش بھی اس میں داخل ہے۔ سنا کہ دو سال پہلے صرف دس لاکھ روپیہ کے برابر ان کی سالواری تنخواہ تھی جو حال میں بلحاظ گرانی بڑھا دی گئی ہے۔

قصر پارلیمنٹ سے متصل ایک بڑا شاہی ایوان ہے جو بادشاہ کے رہنے کے لئے مخصوص ہے۔ یہ ہمیشہ خالی رہتا ہے۔ ایک ڈین نے مجھ سے بیان کیا کہ بادشاہ کی آمد نی دارالحکومت کے اس بڑے محل میں رہنے کے لئے کافی نہیں ہے کہ اس مکان کو بسانے کے لئے بہت بیش بہا سامان اور بیش مناسب عملہ نگہداشت اور ملازمین کی ضرورت ہے وہ شہر کے باہر حسب ضرورت وسعت کے مکانوں میں رہتے ہیں تقریباً ہر صوبہ میں ان کے محلات ہیں۔ جہاں موسمی مناسبت سے سکونت کرتے ہیں۔

ڈنمارک کا تمدن بالکل جدید العہد ہے اور اس کی قدیم تاریخ بھی عالم گمنامی میں ہے آٹھویں صدی سے قبل اس ملک کی تاریخ کا حوالہ نہیں ملتا۔ اور مذہبی تعلیم کا آغاز بارھویں صدی میں نظر آتا ہے۔

موجودہ قابل رشک اور بے نظیر تعلیمی ترقی گذشتہ دو صدیوں کی کارگزاری کا نتیجہ ہے۔

ابتدائی مدارس میں ۱۷۳۹ء میں ابتدائی تعلیم لازمی قرار دی گئی ہے اور ۱۹۱۴ء میں آج سے ایک سو دس برس قبل جبری تعلیم کے لئے ایک مکمل قانون نافذ کیا گیا۔ جس نے تعلیمی ترقی کو چار چاند لگا دیئے تعلیم کا اعلیٰ معیار جو دنیا میں ڈنمارک کو حاصل ہے اس کا اندازہ صرف اس ملک میں سیاحت کرنے اور شہر والوں کا ذکر نہیں دور دراز گوشہ ملک میں رہنے والے دہقانوں سے ملنے جلنے پر حاصل ہو سکتا ہے اس فیض رسان تعلیم کی

مثالوں کو کہیں اور بیان کیا جائے گا۔ اس وقت تعلیم کے عام نظم کو بیان کرنا منظور ہے۔ ڈنمارک میں مدرسوں کی تعداد بڑھانے سے قبل استادوں کی تیاری پر نظر رکھی جاتی ہے۔ ہر معلم کے لئے تین سال کی تعلیم معلمی لازمی ہے۔ استادوں میں ستر فی صدی مرد اور باقی اناث ہیں۔ دیہات میں تعلیم اور مدرسہ کا انتظام گاؤں کی تعلیمی کمیٹی کے ہاتھ میں ہے کمیٹی کا انتخاب تعلیم یافتہ متوطنین میں سے کیا جاتا ہے گاؤں کے پادری بھی کمیٹی میں لازماً شریک ہوتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ استاد نیاں استادوں سے زیادہ کام کرتی ہیں۔ خاص صورتوں میں بلا سند استادوں کو ان کی لیاقت کا اطمینان کرنے کے بعد بھی کام کرنے دیا جاتا ہے۔ ابتدائی تعلیم مفت اور لازمی ہے۔ طالب علم کے لئے لزوم حاضری سات سال کی عمر سے چودہ سال کی عمر تک ہے۔ بلحاظ قید عمر داخلہ کے لئے آغاز سال کا لحاظ کیا رکھا جاتا ہے کہ درمیانی داخلوں سے انتظام تعلیم میں ہرج نہ ہو۔

جبری تعلیم کے لئے عمر کا معیار یورپ میں جہاں جبری تعلیم رائج ہے یکساں نظر آتا ہے مفت تعلیم میں مالان نوشت و خواند بھی مفت بہم پہونچایا جاتا ہے۔

بلا وجہ معقول غیر حاضری کے پہلے مہینہ میں روزانہ چار آنہ دوسرے مہینہ میں روزانہ آٹھ آنہ تیسرے مہینہ میں روزانہ بارہ آنہ اور چوتھے مہینہ میں اور اس کے بعد بلا قید مدت روزانہ ایک روپیہ کے برابر جرمانہ کیا جاتا ہے۔ مگر بلا وجہ غیر حاضری کی نظیر شاذ و نادر معدوم سمجھی جاتی ہے جرمانہ کی شرح محض قانون کی تکمیل ہے

ابتدائی مدارس میں طلبا کی تعداد ہر جماعت میں تیس سے زیادہ نہیں رکھی جاتی کہ استاد کی توجہ میں کمی نہ ہو۔

ابتدائی مدارس کے تعلیمی نصاب میں تاریخ ڈنمارک اور ڈینش زبان ہر ہفتہ میں سات گھنٹے لازمی ہیں مذہبی تعلیم حساب خوش نویسی جغرافیہ اور ڈرائنگ اس کے ماسوا ہیں۔ لڑکوں کے لئے کوئی نہ کوئی ہنر صناعی اور ورزش اور لڑکیوں کے لئے بھی ورزش اور تعلیم معیشت خانہ داری لازمی ہیں۔ لڑکوں کے لئے تاریخ یا سائنس کی تعلیم اختیاری ہے۔ ہر مضمون کو بلحاظ استعداد جماعت سہل اور سلیس گردانا۔ ڈنمارک کی تعلیمی خصوصیت میں داخل ہے قصبہ سنگلپ کے ابتدائی مدرسہ کے دیکھنے کا مجھکو اتفاق ہوا۔ جہاں ایک [illegible]

بجلی کی طاقت پیدا کرنے کی بیاٹری اور ڈائی مو اور ٹرام کار اور روشنی کا انتظام نمونہ کے طور پر ایک کھلونہ کی صورت میں موجود تھا اس سہل نمونہ کو دیکھنے کے بعد ہر بچہ بلا مشکل سمجھ سکتا ہے کہ بجلی کی طاقت کا استعمال ایک نہایت معمولی بات ہے۔ اس میں کوئی حیرت کی صورت نہیں کہ جو مشکل سے سمجھ میں آئے ان مدارس میں ہر سال میں اکتالیس ہفتہ اور ہر ہفتہ میں بائیس گھنٹہ کی تعلیم عام معیار ہے۔ اس وقت میں ورزش بھی داخل ہے۔ دیہات اور شہروں کے اوقات کا تعین کیا جاتا ہے۔ دیہات میں دور سے آنے والے طلبا کے لحاظ سے مدرسہ دیر میں کھلتے ہیں۔ ہر حال میں اوقات کی پابندی لازمی ہے ہر ضلع میں ایک تعلیمی امداد فنڈ قائم ہے جو معلم مدرسین کے وظائف حسن خدمت یا اور سلوک مناسب اور دیگر کارہائے امدادی کا کفیل ہے۔

تعلیم کے مصارف نصف سرکار کے اور نصف اہل دیہ کے ذمہ ہیں۔ استادوں کو مفت مکان باغ کے ساتھ دیا جاتا ہے اور طرح بھی ان کی آسایش کا خیال رکھا جاتا ہے۔

اس موقع پر میرے پیش نظر ایچ۔ جی۔ ویل (WELLS) مشہور انگریز مورخ اور مصنف کا خیال ہے جو اسی ہفتہ انہوں نے لندن میں تقریر کرتے ہوئے ظاہر کیا کہ معلم کے لئے یہ خیال کرنا کہ فریضہ تعلیم خود ایک کافی معاوضہ ہے حق سے گمراہی کے برابر ہے مٹھی بھر چنوں کو استاد کے لئے کافی معاوضہ خدمت خیال کر لینا بھی گناہ ہے۔ اگر استادوں کو بیش قرار مواجب نہیں دے جا سکتے تو کم سے کم ان کو ایسی ماہوار ضرور دی جائے کہ خاطر خواہ ضروری کتابوں کی خریدی علمی سیاحت اور ان کی آسایش بخش زندگی کے لئے کافی ہو مصارف تعلیم میں کفایت شعاری بدترین مالی بربادی ہے"۔

ڈنمارک میں سالانہ امتحان زبانی ہوتے ہیں طلبا کے احباب اور والدین بھی تماشہ بینی کے لیے امتحان کے موقع پر جمع ہوتے ہیں زبانی امتحان کا طریقہ ابتدائی تعلیم سے انتہائی تعلیم تک رائج ہے۔

اعلیٰ امتحان کی ڈگری ڈنمارک میں مفقود ہے البتہ زبانی امتحان کے بعد سند دی جاتی ہے بی اے کے برابر والے درجہ تک تو سوالات کے ذریعہ امتحان ہوتا ہے۔ ایم اے کے برابر والے امتحان میں جس کو "ڈاکٹر" کا امتحان کہتے ہیں امیدوار اپنا مضمون سناتے ہیں جس پر پروفیسر اعتراضات کرتے ہیں

ان اعتراضوں کی اچھی جواب دہی پر ڈاکٹری کی سند دی جاتی ہے۔ یہ قول مشہور ہے کہ انگلستان میں گرنیاں جرمنی میں فوجی بارکس اور ڈنمارک میں مدرسے آبادی کی نمایاں نشانیاں ہیں اس موقع پر حیدرآباد کس چیز کی مثال دیجائے۔ ایک مثال خیال میں آتی ہے مگر لکھتے ہوئے خجالت مانع تحریر ہوتی ہے یہ مثال دفتر اخبار صحیفہ کے پڑوس میں موجود ہے۔ جو ملک کے ہر آباد اور غیر آباد حصہ میں نمایاں ہے

ابتدائی تعلیم میں اخلاق و آداب زندگانی کی بڑی حد تک تکمیل کر دیجاتی ہے اور چودہ برس کے سن میں ایسا شعور پیدا کر دیا جاتا ہے کہ طالب علم فیض علم سے انس پیدا کر لیتا ہے۔ اور اختیاری زمانہ تعلیم کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔

وسطانی تعلیم میں ادبیات سائنس صناعی اور تجارت و زراعت کی تعلیم دیجاتی ہے۔ سائنس کی عملی اور سہل الحصول تعلیم نہایت دلچسپ پیرائیہ میں دیجاتی ہے۔ قصبات کے مدرسوں میں جہاں پر لڑکے فیس بھی لیجاتی ہے لڑکیوں کو بکوان کی تعلیم بھی اختیاری مضامین کے تحت دیجاتی ہے۔ وسطانی درجہ کی دو سال کی تعلیم کے بعد طالب علم کو ایک سند دی جاتی ہے۔ جو اکثر و بیشتر سولھویں سال میں طلبا حاصل کر لیتے ہیں۔ یہ سند ریلوے اور دفاتر کی ملازمت حاصل کرنے کے لئے کافی سفارش ہے۔

یونیورسٹی کی تعلیم خاص طور پر ہندسہ طب قانون الہیات و ادبیات پر مشتمل ہے۔ میعاد تعلیم بالاوسط پانچ سال ہے۔ یونیورسٹی کی شرکت کے لئے داخلہ کا امتحان لازمی ہے۔ یونیورسٹی کے تقریباً سب طلبا کسی نہ کسی صورت تعلیمی امداد پاتے ہیں وظایف کم مواجب مگر زیادہ تعداد میں جاری کئے جاتے ہیں ایک کالج ہوسٹل تو طلبا کو مفت داخل کرتا ہے۔ کم استطاعتی کی وجہ اعلیٰ تعلیم سے محروم ہونے کی شکایت یونیورسٹی کی خاص نظر توجہ مائل ہے اور اس موقع کو آنے نہیں دیا جاتا کہ کوئی طالب علم علم سے محروم ہو یونیورسٹی کے تو پروفیسر ہیں جو یونیورسٹی کے تعلیم کے سوائے صدر یونیورسٹی کے زیر ہدایت تقریباً روزانہ مختلف مباحث پر یونیورسٹی کے ہال میں پبلک کے لئے تقاریر کا انتظام کرتے ہیں اور علم دوست اشخاص اس انتظام سے عام طور پر آگاہ ہیں اور فائدہ حاصل کرتے ہیں ایسے لکچر ہر شام میں کہیں نہ کہیں ہوتے ہیں روزانہ اخباروں میں اس کی اطلاع نظر آتی ہے (عثمانیہ یونیورسٹی اور نظام کالج کے پروفیسر اس کمی کی

حیدرآباد میں آسانی سے تلافی کرسکتے ہیں) پادری بننے کے لئے الٰہیات میں پانچ سالہ تعلیم کے بعد سند حاصل کرنا لازمی ہے بلا سند کوئی پادری تعلیم مذہبی میں حصہ نہیں لے سکتا۔ ڈنمارک میں ہر کس و ناکس مذہبی تعلیم کا کام محض جتھے کی فضیلت سے نہیں کرسکتا۔ یونیورسٹی کے کتب خانہ میں ڈنمارک سے متعلق رسالوں کی ایک فہرست پر نظر پڑی جس میں ایک ہندوستانی کالج کا بھی داخلہ ہے۔ جس کو شاہ ڈنمارک کے حکم سے سرم پور بنگالہ میں اسی سال قبل قائم کیا گیا ہے۔ نہ معلوم یہ کالج اب کس حال میں ہے۔ ابتدائی مدارس اور وسطانی مدارس اور یونیورسٹی مدارس کے سوائے زراعتی چھوٹے بڑے مدارس بھی۔ جہاں کاشت کاروں کو زراعت کے تحفظ و افزایش مویشی اور دودھ مکھن اور پنیر کی تجارتی تعلیم دیجاتی ہے۔

کوپن ہاگن کا مدرسہ زراعت ایک بہت اعلیٰ تعلیمی درسگاہ ہے جو تمام یورپ میں اپنی نوعیت میں ممتاز سمجھا جاتا ہے یہاں تین سال کی تعلیم کے بعد سند ملتی ہے۔ اس کا تعلق یونیورسٹی سے نہیں ہے۔ اس مدرسہ کے سند یافتہ زراعتی اور مویشی کے کارخانوں کی ملازمت میں بہ خوشی قبول کئے جاتے ہیں۔

مصارف تعلیم بہت ارزاں ہے۔ فیسوں کا مقابلہ یورپ کی اور درسگاہوں سے کیا جائے تو کچھ بھی نہیں ہے۔ بین الاقوامی جماعت طلبہ کے صدر نے اس بات پر اپنی حیرت کو ظاہر کیا کہ ہندوستانی طلبا ڈنمارک کو باوجود ارزانی اور عمدہ انتظام تعلیم کے تعلیم کے لئے نہیں آتے۔

ڈینش یونیورسٹی میں تعلیم کا جملہ سالانہ خرچہ ایک سو پونڈ بتایا گیا جس میں جملہ مصارف شامل ہیں ڈینش زبان ایک انگریز دان چھ مہینہ میں اچھی طرح سیکھ سکتا ہے۔

ڈنمارک کی طبی تعلیم کو یورپ میں قبولیت عام حاصل ہونا بیان کیا گیا۔ بنظر حالات تعلیمی اس بیان کو باور کرنے میں تامل کی گنجایش نہیں ہے۔ ڈنمارک کی تعلیم کا ایک زبردست اور نہایت اہم رخ جو میرے بیان میں اس وقت تک نہیں آیا ہے وہ (PEOPLE'S) پیپل ہائی اسکول کا ہے۔ اس کا اصطلاحی ترجمہ میں مدارس رشدیہ کرسکتا ہوں ان اسکول کی تعلیم کو یورپ میں (ADULT EDUCATION) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اس تعلیم کی ابتدا ڈنمارک میں ہوئی اور اس کی تقلید جرمنی انگلستان اور دیگر ممالک میں بھی ہو رہی ہے اس کے متعلق بہت صراحت سے لکھنے کی گنجایش ہے جسکو فی الحال یہاں

نظر انداز کیا جاتا ہے۔ مدارس رشدیہ کی ابتدا ڈنمارک میں کرسچین فلر نے جو گرنتوگ کے ساتھی تھے ۱۸۴۴ء میں کی اسی وقت ڈنمارک میں اسّی مدارس اور سات ہزار طلبا ان مدارس میں زیر تعلیم بیان کئے جاتے ہیں جن میں (۷۰) فیصدی زراعت پیشہ اور پندرہ فیصدی مزدور پیشہ اور دیگر کاریگر اور ان کی اولاد داخل ہوتے ہیں

ان مدارس کا مقصد قیام یہ ہے کہ جو لوگ کسی نہ کسی پیشہ میں بوجہ کسب معیشت داخل ہو جاتے ہیں ان کے لئے اکثر تعلیمی ترقی کا موقع حاصل نہیں ہوتا۔

ابتدائی مدارس کی جبری تعلیم ان کی انتہائی تعلیم ہوتی ہے مزدور پیشہ آبادی ہمیشہ اپنے خیالات میں تنگ نظر ہوتی ہے۔ مثلاً ہر ملک میں کسان مقررہ طریقہ ہائے زندگانی سے قدم بڑھاتے ہوئے تامل کرتا ہے قدیم اور آزمودہ طریقوں پر عمل کرنے میں اس کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ حالانکہ ترقی کے لئے لکیر کی فقیری مفید نہیں ہوتی اس طرح خیالات کی وسعت تنگ خیالیوں کی دوری عام معلومات کا اضافہ نہایت دلچسپ اور تفریحی پیرائیہ میں تعلیم دینا ان مدارس کے مقصد میں داخل ہے۔

ان مدارس میں صرف اپریل سے ستمبر تک تعلیم ہوتی ہے جس کا نصف حصہ مردوں اور نصف حصہ عورتوں کی تعلیم کے لئے مخصوص ہوتا ہے۔ سرکار کی طرف سے بھی خاصی امداد ملتی ہے۔ جملہ مصارف کے ایک ثلث مصارف کے برابر سرکار کی طرف سے دئے جاتے ہیں اس مد میں سرکاری رقم جو ۱۹۲۲ء میں صرف ہوئی اس کا تخمینہ تین لاکھ پچھتر ہزار روپیہ کے برابر کیا جاتا ہے۔

ان مدارس رشدیہ میں جملہ تعلیمی اور انتظامی مصارف فی کس ماہانہ تیس روپیہ کے برابر ہوتے ہیں اور ہر شخص اپنی فرصت اور گنجایش کے موافق ان مدرسوں میں وقت بسر کرتا ہے۔ رہنے بسنے کھانے پینے کا عمدہ انتظام ہے۔ عمدگی اس درجہ کی ہے جو بجائے خود اس صحبت سے مستفید ہونے کے لئے خاص ترغیب ہے روزانہ اوقات تعلیم کا ایک سرسری خاکہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

صبح کے ساڑھے سات بجے بیداری ناشتہ سے پہلے مذہبی دعا ناشتہ کے بعد قومی ترانہ سے لکچر کی ابتدا کبھی قومی ناموروں کا تذکرہ کبھی شاعر یا قومی رہبر کی سوانح عمری تاریخی تذکرہ واقعات تاریخی سے نفع و نقصان زمانہ کا استخراج زراعت اور انجمن ہائے امداد باہمی سے متعلق تھے۔ دوپہر کا کھانا طلبا کی خانگی مصروفیت کے

گھنٹہ بھر کی فرصت۔ دوپہر کے بعد تاریخ اور جغرافیہ کی جدید طریقہ پر تعلیم۔ ورزش اور ساتھ ساتھ گانا اور ہر روز فوارہ کا حمام اور شام میں ہوا خوری کھانے کے بعد طلبا کے مشورہ سے کانسرٹ کا انتظام یا اور کوئی دلچسپ اہتمام مثلاً تصویر نگن فندیل کی مدد سے کھیر وغیرہ کھانے کے میز پر ڈینش قومی جھنڈیوں سے آرائش کی جاتی ہے شب میں خدا حافظی شب بخیر کی گیت سے ہوتی ہے اور پرنسپل ہر طالب علم سے مصافحہ کرتے ہیں جس کی آسان ساری تعلیم زبانی ہوتی ہے۔ کتابوں کی قید نہیں ہوتی۔ البتہ ہر مدرسہ میں مفید کتابوں کی الماریاں موجود ہیں طلبا ان سے مدد لیتے ہیں مردوں کے لئے پیمایش اور حساب نویسی اور لڑکیوں کے لئے دستکاری کی تعلیم بھی انتظام کیا جاتا ہے۔

ان مدارس میں شریک ہونے والے طلبا کی عمر بالاوسط (۱۸) اور (۲۵) سال کے درمیان ہوتی ہے راقم نے تقریباً ہر قسم کے مدرسہ کا معائنہ مہمان نواز ڈینوں کی عنایت سے کیا ہے۔ ڈینوں کی مہمان نوازی کا ساوہ بیان بھی تصیدہ نما ہوگا۔ ڈنمارک میں منتخب کتابوں کے جا بجا کوئی سات سو کتاب خانہ ہیں۔ ہر کتاب خانہ میں بالاوسط پانچ سو کتابیں رکھی جاتی ہیں۔ ان کتاب خانوں میں کوپن ہاگن اور اور دوسرے شہروں کے بڑے کتب خانہ داخل نہیں ہیں ان بڑے کتب خانوں سے چھوٹے کتب خانوں کو بھی عند المطالبہ کتابیں عاریتہً دی جاتی ہیں۔

انگلستان میں مدرسہ رشدیہ کی اعلیٰ مثال برمنگھم کا فرو کرافٹ کالج ہے جہاں ڈینش تعلیم میں تعلیم کا قابل تعریف انتظام کیا گیا ہے اس کی مثال ہندوستان میں نظر نہیں آئی۔ البتہ مدراس میں مسٹر بسنٹ کے درسگاہ واقع ادیار اور بنگالہ میں رابندر ناتھ ٹاگور کی بین الاقوامی یونیورسٹی وسوابھارتی کے زیر انتظام کلکتہ کے قریب شانتی نکیتن میں دہقانی زندگی کو اعلیٰ نمونہ پر قائم کرنے کے لئے جو مدرسہ قائم کیا گیا ہے یہ دونوں درسگاہیں اس مقصد کا اپنے اپنے رنگ میں ایک اعلیٰ نمونہ پیش کرتی ہیں۔

مدارس رشدیہ کے اغراض کو پورا کرنے کے لئے ہندو اور مسلمانوں کے تمدن میں بہت کچھ فرصت نکل سکتی ہے ہندوؤں کے پرانا اور کتھا کی مجلسوں کو وسعت دینے میں کوئی امر مانع ہے۔ کلام پاک کے ہر طرح کی باتوں کے موجود ہونے کا جہاں ہم کو بجا دعویٰ ہے مجالس میلاد اور مجالس عزا میں جائز حدود کے اندر

تعلیم رشدیہ کے مقاصد کو وسیع کرنے میں کیا عذر ہو سکتا ہے۔ مشکل یہ ہے کہ او خویشتن گم است۔ کرا رہبری کند!!! مجھ سے ایک ڈین نے بیان کیا کہ اس ملک کی تعلیمی کامیابی کا سہرا اس ملک کے پادریوں کے سر رہا ہے اور مجھ سے پوچھا کہ کیا ہندوستان کی تعلیمی ترقی میں ہندوستانی مذہبی پیشوا کام نہیں کر سکتے۔ کیا اچھا ہو کہ وہ سرکاری وظیفہ یاب طلبا جو اس وقت انگلستان میں زیر تعلیم ہیں اور سررشتہ تعلیمات سے تعلق رکھتے ہیں یا رکھنے والے ہیں ڈنمارک کی تعلیمی سیاحت کے لئے بھی روانہ کئے جائیں جہاں ایک مہینہ کا دورہ بہت کچھ بیش بہا تجربہ پیش کر سکتا ہے۔ اس فرصت سے فائدہ اٹھانا نہایت کفایت شعاری کے ساتھ ممکن ہے۔ ڈنمارک امریکن انگریز اور جاپانی قوم کا نہایت سرگرم مرکز سیاحت ہے۔ چھوٹے چھوٹے مقاموں پر بڑی بڑی ہوٹلوں کا وجود اس سیاحتی سرگرمی کی دلیل ہے

۴۔ امداد باہمی

"امداد باہمی سے زیادہ ہمارے ملک کو صنعت حرفت فیاکریاں برقیات عمارات اور منسوجات درکار ہیں"۔ ایک عالم و فاضل مولوی کے گراں قدر نامہ کے یہ قیمتی الفاظ ہیں۔ جو میں نے اس لئے زینت نامہ کئے ہیں کہ یہ تحریر بجائے خود پبلک رائے کی ترجمان ہے مجھکو یا کسی شخص کو ضروریات ملک کے مصرحہ صدر میں کلام نہیں ہو سکتا ضروریات مسلم ہیں۔ مگر صورت واقعہ یہ ہے کہ ذریعہ حصول معدوم ہے ذیل میں مثالوں کے ساتھ یہ واضح کیا جائے گا کہ "امداد باہمی" محض ایک واحد ذریعہ ہے جس کی توفیق اور تائید سے ہمارے ملک کی صحیح معنوں میں تجارتی صنعتی و زراعتی عمارتی ترقی ممکن ہے۔

"امداد باہمی" "کوآپریشن" سے ہمارا ملک کس حد تک آشنا ہے۔ شاذ کا ذکر نہیں اکثر لکھے پڑھے اشخاص بھی امداد باہمی کے صرف نام سے آشنا ہیں اور تخیل کے سہارے غیر ذمہ دارانہ اور دلچسپ طریقوں سے کوآپریشن کی تعریف اور تاثیر سے خود کو واقف سمجھتے ہیں۔

مہذب دنیا کی مقبول عام تحریک سے برائے نام شناسائی لکھے پڑھے لوگوں کے لئے کافی نہیں ہے علم المعیشت کی کوئی اچھی کتاب ایسی نہیں کہ جس میں "امداد باہمی" کا اہم اور واضح بیان موجود نہ ہو اصولی اطلاعات کے حاصل کرنے کے لئے انگریزی دان "مارشل" "نوسنگ" اور "ژیڈ" کی کتابوں سے مالا

ہو سکتے ہیں اردو دانوں کے لئے الیاس برنی صاحب کی مصنفہ بے بہا کتاب علم المعیشت کی رہنمائی سے
اس لئے عاجز ہوں کہ اس میں انجمن ہائے امداد باہمی کا تفصیلی ذکر نہیں ہے۔ تصنیف کی خوبیوں میں
شک نہیں ہو سکتا کہ اصطلاحات کی کٹھن مشکلوں کو سر کر کے اس تصنیف کا اردو کی دنیا میں لانا اردو دانوں
کے حق میں مصنف کا احسان ہے۔ مگر اشاعتوں اور ضمیموں سے ابتدائی کمیوں کی تکمیل متوقع ہے۔
امداد باہمی کی بحث سے برنی صاحب کی کتاب خالی ہو تو ہو مگر اس کا بھی مطالعہ بے حد مفید ہوگا کہ مسائل
معیشت کا جاننا ہر انسان کے لئے لازمات سے ہے۔ البتہ اردو میں ایک کتاب مقدمہ "معاشیات"
مترجمہ برنی صاحب میں امداد باہمی کا واضح ذکر موجود ہے اردو دان ایک حد تک نظامت انجمن ہائے
امداد باہمی کی شائع کردہ رپورٹوں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ حصول علم و اطلاع کے لئے ہر شخص شخصی طور پر
ذمہ دار ہے۔ اگر ذمہ داران تبلیغ و اشاعت نے اپنا حق فریضہ ادا نہیں کیا تو یہ ان کی خطا ہے۔

اور ایک ذریعہ حصول معلومات نظامت انجمن ہائے امداد باہمی کا کتب خانہ ہے جو غالباً
شایقین کو کتابوں کے مطالعے کی سہولتیں بہم پہونچا سکتا ہے۔

"امداد باہمی" کو حیدرآباد میں کوئی تقاوی کا ہم نام خیال کرتے ہیں اور کوئی مہاجنی سرکاری
کاروبار تصور کرتے ہیں ایک ہندوستانی صاحب نے جو جہاز پر میرے ہم سفر تھے میرے سفر کی غایت کو
دریافت فرمایا۔ میں نے تعلیم کوآپریشن اپنا مقصد سفر ظاہر کیا تو فرمانے لگے آپ کو ہمارے "نن کوآپریشن"
کے مقابلہ کے لئے ولایت جا کر تیاری کرنے کی ضرورت ہوئی ہے۔ اگر آپ نن کوآپریشن کو نہیں مانتے تو
جانے دیجئے۔ اس کے مقابلہ کے لئے ولایت کو کیوں جاتے ہیں۔ گھر کے جھگڑوں کو باہر نہ لے جائیے"
غرض کوآپریشن کا مفہوم سمجھنے میں دنیا بھر کی غلط فہمیاں دیکھی اور سنی جاتی ہیں۔ ایک جماعت ایسی ہی
ہو سکتی ہے کہ جو مذہبی نقطہ نظر سے اس تحریک کو سودی کاروبار سے ملوث جان کر اس کا نام بھی سننا
نہیں چاہتی۔ اس کے اصول کا سرسری مطالعہ بھی معترضین کی تشفی کا یقین دلاتا ہے۔

عثمان کی کہانیوں کو اکثر چھوٹے بڑے پڑھ چکے ہیں ایک کہانی یہ بھی ہے کہ ایک باپ
اپنے لڑکوں کو وصیت کی وہ آپس میں مل جل کر رہیں کہ ملاپ میں قوت اور تفاوت ہے

عملی طور پر اس وصیت کو ذہن نشین کرنے کے لئے ہر ایک لڑکے کو ایک ایک لکڑی کے توڑنے کو کہا گیا بھائیوں نے اپنی اپنی لکڑی توڑ دی اور جب سب لکڑیوں کو ایک گٹھے کی صورت میں باندھ دیا گیا اور اس گٹھے کو توڑنے کی فرمائش ہوئی تو سب لڑکوں کی متحدہ زور آزمائی بھی کارگر نہ ہوئی۔ اس کہانی کی مثال کو معیشتی اصول کی متابعت میں کاروبار زندگانی میں چسپاں کیجئے تو انجمن ہائے امداد باہمی کے اصول صاف ہو جاتے ہیں۔ اور ان اصول امداد باہمی کو حسب ضرورت اور حسب جواز (رسا یا مذہبا) اپنے اپنے راستہ لگایا جا سکتا ہے۔ حکمار فن معیشت نے امداد باہمی کی تعریف اور موضوع کو دلچسپ پیرایوں میں بیان کیا ہے نے صاحب لکھتے ہیں کہ "بقول پروفیسر مارشل علم المعیشت انسان کے روزمرہ کاروبار کا ایک ورس ہے اور بقول خود ایسے کاروبار زندگانی کی تکمیل کا ایک ذریعہ "امداد باہمی" ہے کاروبار آمداد باہمی کی صورت تمیزی یہ ہے کہ امداد باہمی مخصوص ہے ایسی آزاد جماعت انسانی سے جو اپنی آزادی کو بمقولہ قیود کی تابع رکھے وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ انجمن ہائے امداد باہمی کا تعلق خیراتی انجمنوں سے بمنزلہ احتیاط اور علاج کے ہے ابتداءً یہ تحریک کمزوروں اور بے بسوں کے لئے ہے اور کمزوروں کا فریضہ ہے کہ اس تحریک کو اپنے اور اپنے ساتھیوں کے حق میں انتہائی طور پر عملاً بار آور کریں" میں اس تحریک کو اصطلاحی بیان سے آزاد رکھنے اور ناظرین کی رغبت مطالعہ سے بے خبر رہنے کی وجہ سے بہت مختصر کر دیتا ہوں مگر اس سمجھوتہ کے ساتھ کہ ناظرین بذریعہ اخبار سوالات سے سلسلہ جنبانی کریں تو بہت کچھ مطالب ادا ہو سکتے ہیں میری رائے میں مجہول خاموشی سے بہتر اعتراض اور استفہام ہیں۔

تھامس ہیوجس نے اصول "امداد باہمی" کو دو حصوں میں تقسیم کیا اول اخلاقی جس سے مقصود صداقت معاملہ کی راستی اور عدل ہے۔ دوسرے معاشی جس سے مقصود پیدائش اشیاء اور مبادلہ اشیاء کو بے جا اثرات سے بچانا ہے۔

اصول اخلاقی متعلقہ انجمن ہائے امداد باہمی میں متذکرہ صدر مصنف نے ایک اور حوالہ بھی دیا ہے جو دلچسپی سے خالی نہیں اور وہ یہ ہے کہ (الف) جماعت انسانی ایک زمرہ اخوت ہے نہ کہ ذرات متجاربہ (ب) سچے کارکن کلام میں ایک دوسرے کے ساتھی ہوں نہ کہ رقیب۔ (ج)

اصول عدل معاملات کے حق میں فیصلہ کن ہو نہ کہ خود غرضی۔"

ٹریڈ صاحب اپنی کتاب میں جہاں لفظ "امداد باہمی" کو آپریشن کی تعریف کرتے ہیں صرفی معنوں میں کو آپریشن سے مراد "باہم کام کرنا ہے" مگر اس اصطلاح کا استعمال اب زیادہ واضح اور مخصوص معنوں میں کیا جاتا ہے کو آپریشن کو محدود طریقہ پر ذریعہ تکمیل وحصول ضروریات تمدنی ہی نہیں سمجھا جاتا بلکہ اس کو ہیئت تمدنی کی از سر نو تعمیر کا مکمل اسکیم خیال کیا جاتا ہے۔"

امداد باہمی کے وسیع معنوں میں ایک گاؤں کی پنچایت ایک قصبہ کی مجلس صفائی یا ایک شہر کی میونسپالٹی یا مجلس بین الاقوام یا سرمایہ مشترکہ کے کاروبار یا بڑے سرمایوں کے کارخانوں کا اتحاد ہے جیسے فرانس میں "ٹرسٹ" اور جرمنی میں "کارٹل" یا مزدوروں کے اتحاد کی انجمن (ٹریڈ یونین) (دستی الشتی) داخل ہو سکتی ہیں۔ مگر جس مفہوم میں "امداد باہمی" کا استعمال رواج پا چکا ہے وہ محض ایسی معاشی انجمنوں سے متعلق ہے جو "فے" صاحب کے الفاظ میں "انجمن ہائے امداد باہمی وہ ہیں جن کو بے بسوں کی جماعتوں نے متحدہ کاروبار کے لئے قایم کیا ہو اور امتیاز عملی یہ ہو کہ شرکاء طمع سے پاک ہوں۔ اور کاروبار میں عملی انہماک اور دلچسپی کی مناسبت سے تقسیم منافعہ کے لئے رضامند ہوں" انجمن ہائے امداد باہمی کی چار قسمیں جملہ کاروبار "امداد باہمی" پر حاوی ہیں۔ جن کے تحت ضروریات کی مناسبت سے صدہا قسم کی انجمنیں قائم ہیں جن کا سرسری ذکر آگے کیا جائے گا۔

انجمن ہائے امداد باہمی اور مشترکہ سرمایہ کی انجمنوں میں جو اہم فرق ہیں وہ ذیل میں ظاہر کئے جاتے ہیں یہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ سرمایہ مشترکہ کی انجمن اور انجمن امداد باہمی میں زیادہ فرق نہیں ہے اور اول الذکر بموجب رواج کاروبار زیادہ پسندیدہ اور مقبول عام ہے۔ رکنیت دونوں صورتوں میں اختیاری ہے ذمہ داری بھی عموماً مماثل ہو سکتی ہے۔ امداد باہمی کے اصول میں شخصی اعتبار اور مساوات لازمی ہیں اور مشترکہ سرمایہ کی انجمن میں سارا اعتبار تمول اور رقم حصہ دار کی زیادتی کا ہے۔

انجمن امداد باہمی کے اصول سے رکن کی رکنیت اس کے ذاتی اوصاف پر مبنی ہے جس کی پابندی مشترکہ سرمایہ کی انجمنوں میں نہیں ہوتی۔ مشترکہ سرمایہ کی انجمنوں کا مقصد اصلی محض نفع کمانا ہے جبکی

کوئی حد و انتہا نہیں ہوتی۔ جس قدر ایسی انجمن کا حوصلہ تدبیر اور حالات مدد دیں، وہ سب نفع کمانیکی فکر میں صرف ہوتے ہیں۔ برخلاف اس کے انجمن امداد باہمی صولاً تعین منافعہ میں مقید ہے اور اس کا نصب العین اور غایت اصلی اپنے شرکا کی خدمت گزاری ہے۔

مشترکہ سرمایہ کی انجمن میں جس کا سرمایہ زیادہ ہے وہی انتظام میں زور آور بھی ہے۔ اور جس کا سرمایہ کم ہے وہ بے صدا ہے مثلاً ایک کاروبار ہے جس میں ایک لاکھ حصہ ہیں جن کے خریدار زید نو ہزار حصہ رکھتا ہے اور ایک ہزار آدمی ایک ایک حصہ رکھتے ہیں انتظامی معاملات میں ایک ہزار کی رائے پر ایک شخص زید کی رائے غالب رہے گی جو نو ہزار حصہ رکھتا ہے۔

انجمن ہائے امداد باہمی کا زریں اصول یہ ہے کہ بلا لحاظ تعداد حصص ہر شخص کے لئے ایک ہی رائے متذکرہ صدر مثال کو انجمن امداد باہمی میں پیش کیجئے تو مساوات اور عدل نظر آتا ہے کہ نو ہزار والے اور ایک حصہ والے برابری کی حیثیت ہے۔

پس اس موقعہ پر یہ سوال سامنے آتا ہے کیا ایسے ذی انسانیت اصول کے تحت کام کامیاب ہو سکتے ہیں یا یہ کہ حرص و طمع کے بندوں سے کامیابی کی امید ہو سکتی ہے۔

انجمن اتحاد باہمی کی ایک اور جامع تعریف نظر میں ہے جس کو گارڈن اور اسمیل یوں بیان کرتے ہیں "انجمن امداد و باہمی رضاکار افراد کی جماعت ہے جو تمدنی اور معاشی حالات کی ترقی کے لئے مشترکہ تملیک ذرائع پیدائش دولت اور جمہوری انتظام کے ساتھ متحد اور کارفرما ہو" ان متعدد اور مستند تعریفوں کے بیان کرنے سے مطلب یہ ہے کہ ناظرین "امداد باہمی" کی جامعیت کو ہمارے ملک کے کاروبار امداد باہمی کی وسعت سے متجاوز ملاحظہ کریں ابتداً ہر ملک میں "امداد باہمی" کا احساس ضروریات ملک کے لحاظ سے ہوا مثلاً انگلستان میں فلانل کے پارچہ بافوں کی جماعت نے محسوس کیا جرمنی میں اہل زراعت نے فرانس میں کاریگروں نے اطالیہ مدرسین ملازمین سرکاری نے یہی صورت بلجیم کی تھی جرمنی کی طرح ہندوستان میں بھی اہل زراعت نے امداد باہمی کو اولاً قبول کیا زمانہ کے تجربہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ گو ہر ملک کی ابتدائی صورت امداد باہمی میں مبنی تھی مگر بعد کے میل جول اور تبادلہ خیالات نے امداد باہمی کے مختلف پودے ایک ملک سے دوسرے

ملک میں پیوند کئے۔ اور اب ایک ہی شان سے امداد باہمی کے درخت ہر ملک میں اپنی بہار دکھا رہے ہیں۔ حتیٰ کہ یورپ کی صیاد تمدن جنگ بھی اس گلشن کی بہار میں رخنہ انداز نہ ہو سکی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تحریک امداد باہمی نے وہ اخلاقی قوت حاصل کر لی ہے کہ اس کی قبولیت عام کو متزلزل کرنا محال ہے حلقہ امداد باہمی میں کمپنیوں کارپوریشنوں کی جماعتوں درعام صرف کرنے والوں سے یہ علوم کر سکیا کہ محنت کرنے والوں کاریگروں اور کمائی کے صرف کرنے والوں کی دولت میں درمیانی واسطوں نے ناجائز منافع کو بے دردی کیساتھ قائم کر دیا تھا جس نے دنیا کی نکبت و افلاس میں ان کو مدتوں غلطاں رکھا جن ہوشمندوں نے اس نکبت سے امان پائی وہ بھول کر بھی اس مہلک راستہ کا رخ نہ کریں گے اچھی مثالوں تعلیم اور تبلیغ کے ساتھ بہت جلد نظرت انسانی یہ امکان بعید از قیاس نہیں ہو سکتا کہ وسیع پیمانہ پر امداد باہمی کے زیر اثر دولت کی تقسیم بجائے پیدا کرنے والوں اور صرف کرنے والوں کے درمیان تمام دنیا میں قائم ہو جائے جس کا دیباچہ ذیل کی مثالیں ہو سکتی ہیں۔

امداد باہمی کی انجمنیں مذکورہ بالا تعریفوں کے تحت ایک وسیع امکان رکھتی ہیں۔ اور آئے دن نئی نئی وضع و ترکیب کی انجمنیں دنیا میں قائم ہوتی رہتی ہیں۔ اہم انجمنیں یہ ہو سکتی ہیں (۱) نقدی کاروبار کی انجمنیں جن کا مقصد شرکاء کو ارزاں شرح سود اور سہولت بخش طریقوں پر قرض دینا اور ان کو کفایت شعار بننے کے لئے عملاً پابند کرنا ہے قرضوں کی تقسیم عموماً ثمرہ بخش کاروبار کے لئے عمل میں لائی جاتی ہے۔ یہاں قواعد و ضوابط سے بحث نہیں صرف سرسری بیان منظور ہے۔ (۲) زراعتی انجمنیں جو ترقی زراعت ترقی زمین ترقی پیداوار خرید بیج کی فراہمی فروخت پیداوار افزائش پیداوار مویشی اور مرغیوں کیلئے قائم کی جائیں۔ (۳) صناعی انجمنیں جیسی کاریگر شرکت کے ذریعہ کاروبار کو ذاتی سرمایہ سے قائم کرتے ہیں اس سے مقصود غیر کے سرمایہ کی حکومت سے آزاد ہونا اور درمیانی شخص کا واسطہ ترک کر کے پیداوار کو راست صرف کرنے والوں تک پہونچانا ہے (۴) صرف کرنے والوں کی انجمن ہیں جو اپنی ضروریات کو راست پیدا کرنے کا مقصد رکھتی ہیں مثلاً ایک جماعت یہ تہیہ کرے کہ جملہ احتیاج زندگی کو حتی الامکان اپنے ہی سرمایہ سے مہیا کرے مثلاً غذا کپڑا مکان فرش و فروچہ انتظام روشنی وغیرہ ان انجمنوں کا مقصد صرف کرنے والوں کو پیدائش اور فروخت کے

ممالک بنا ہے۔ اس نوعیت کی امداد باہمی مغرب میں عام ہو رہی ہے۔ اور انگلستان نے بھی اس نوعیت کی ہے۔ ان نوعیتوں کے ملاحظہ سے روشن ہوگا کہ کوئی انجمن ایسی نہیں ہو سکتی کہ مقاصد میں خود غرضی شامل ہو۔ مسئلہ سود کی قباحتوں میں خود غرضی تمام کشمکش کی

کال کہ انجمن کے کاروبار ہی اصل امر کی کوشش کرتے ہیں کہ سود کی گرانی کو لوگ جو پابند مذہب اسلام ہیں۔ اس کی ہیئت کو بے سودی کاروبار کی ... سکتے ہیں۔ چنانچہ حیدرآباد میں بعض انجمنوں نے شرح سود میں فی صدی کی ترقی کے بعد تخفیف دی ہے۔

باقی تین نوعیتوں کو سود کے اثر سے بچا کر کام پر لگانا بالکل ممکن ہے چنانچہ مصر میں اس طریقہ کی ابتدا ... رحم سے ہو چکی ہے کہ انجمن ہائے امداد باہمی کو بمتابعت احکام اسلام عمل پذیر کیا جائے۔

امداد باہمی کے زیر اثر فیاکٹریاں انگلستان میں چوتھی نوعیت کی امداد باہمی کی ابتدا قصبہ راچڈیل سے تقریباً نو سال قبل ہوئی۔ اس کے بانی تیرہ آدمی تھے اور سرمایہ کی ابتدا پچھتر روپیہ کے برابر ہوئی تھی۔ رفتہ رفتہ تعداد ممبران اور سرمایہ میں ترقی ہوتی رہی۔ اس وقت تک وہ چھپن ہزار محفوظ ہے۔ جہاں ابتدائی کاروبار کا آغاز ہوا اور اس کے پاس ہی موجودہ سر بفلک عمارات بھی ہیں جہاں موجودہ کام جاری ہیں۔ امداد باہمی کے محولہ رہبروں کے پیش نظر شرکاء اور ان کی اولاد کی تعلیم ایک اہم مسئلہ تھا۔ جس کو ان لوگوں نے بوجوہ احسن پورا کیا۔ اور آج امداد باہمی کی حامی قومی جماعت کے نظام العمل میں بھی تعلیم کو تحریک امداد باہمی کے تحت لانا طے کر دیا گیا ہے۔ نشاندہ چھوٹی ابتدا سے آج کے روز انگلستان میں کاروبار امداد باہمی اس درجہ پر پہونچے ہیں کہ قطع نظر پہلی دوسری تیسری نوعیت کے مختصر کاروبار کے صرف چوتھی نوعیت کے کاروبار امداد باہمی کی تجارت ۱۹۲۰ء میں ڈیڑھ سو کروڑ روپیہ کے برابر ہوئی۔ شرکاء تحریک

تقریباً چالیس لاکھ ہیں۔ ان خانوں کی اگر فہرست قلمبند کیجئے، تو صفحے سیاہ ہو جائیں۔ کوئی چیز خیال میں آسکتی ہے کہ جس کو امداد باہمی کے ذریعہ نہیں بنایا جاتا ہے۔ جلد اکومات سامان چینی وغیرہ چینی و آہنی اوزیات روغن، عطریات اور اس کے متعلقات وملبوسات ایک سوئی سے لیکر گھڑی اور موزیک اور جملہ ایسے خدمات کے جو کے لئے لازمی ہیں۔ مثلاً پارچہ اشوبی۔ طباعت وغیرذالک۔ غرض کوئی جن کے لئے امداد باہمی کے زبردست کارخانے موجود نہوں۔ جو انگلستان بلانقصان کامیابی سے کام نہ کر رہے ہوں۔ ان کارخانوں سے سالانہ تیار ہوتا ہے۔ ہندوستان آسام اور سیلون میں صدر انجمن امداد باہمی کی ملک کہ چالیس ہزار نین ہے۔ جہاں چائے کی کاشت کی جاتی ہے۔ اس سرسری سے ۔۔۔ کارخانوں کا قیام محض امداد باہمی کے ذریعہ ثابت ہے۔ اور ہندوستان میں بھی کامیاب ہے۔ ۔۔۔ تان جیسے متمول ملک کی مثال کو جانے دیجئے۔ ڈنمارک جیسے محدود ذرائع اور تمول کے ملک ہی کو ملاحظہ فرمائیے کہ امداد باہمی نے یہاں کیسے پھول کھلائے ہیں۔ اور عمارات اور برقیات کی ضرورت کو اس سادگی سے پورا کیا ہے ان کا سادہ بیان بھی ہم شکل پسندوں کو مشکل سے باور آئے۔ شہر کوپن ہاگن میں گذشتہ بیس سال میں جس قدر عمارتیں تیار ہوئی ہیں ان سب میں بڑی عمارت صدر بنک انجمن ہائے امداد باہمی ہے یورپ کی جدید عمارتوں میں یہ پہلی عمارت دیکھنے میں آئی کہ اس کی کلاسیت اور خوبصورتی کا خاص اثر تھا۔ کوپن ہاگن کو خوبصورت بنانے میں اس عمارت کو بھی خط جنرل حاصل ہے۔ ڈنمارک کے شمال مشرقی بندرگاہ ایل سی نور کو دیکھئے کہ انجمن امداد باہمی نے اپنے مکانوں سے ایک بستی آباد کردی ہے۔ بستی کو دیکھئے تو یہ معلوم ہو کہ باغ میں شہر ہے یا شہر میں باغ۔ دو منزلہ اور ایک منزلہ خوبصورت مکانوں کا ایک خوش نما سلسلہ کہئے یا حلقہ کہ بجلی کی روشنی سے منور اچھے فرنیچر سے آراستہ پکوان کے لئے گیاس اور دوسرے ضروریات سے مکمل ہے۔ اس میں رہنے والے عموماً جہاز کے کارخانوں کے کاریگر یا ریلوے کے ملازم ہیں میونسپالٹی نے زمین دی اور آراستہ

سنامی انجمن امداد باہمی ۔ صدر انجمن سے قرض لے کر مکانوں کی تعمیر کی اور ممبروں کے
۔ روں کو اختیار ہے کہ یا اس کی قسطوں کو بطور زمینے آسان شرح سود کے ساتھ
ے ۔ یا یہ کہ ماہوار کرایہ پر سکونت اختیار کرے ۔ زیر مثال مکانوں کا کرایہ ماہانہ تیس سے
۔ کے برابر ہے ۔ وہ آن حالیکہ ان سے ملتی جلتی ہوئی حیثیت کے مکانوں کا کرایہ اسی شہر میں
۔ برابر ہے ۔ سرمایہ دار مالکان مکان کی حرص سے نجات پاکر خوش وضع
وں میں کرایہ کی کفایت کے ساتھ کرایہ داری صورت یا مالک کی حیثیت میں
یہ ممکن ہے ۔ انگلستان میں خود انجمنوں کی مملوکہ عالی شان اور قیمتی
ت کے سوے ہمدرد سرمایہ کے لئے بھی سکونتی مکانوں کی فراہمی میں بڑی آسانیاں ہیں ۔ مثلاً
۔ تعمیر امکنہ کی ترغیب کے لئے پالیسی حسب قواعد مقررہ بلا قید ہر تعمیر کنندہ کو ایک سو پونڈ کا
(ڈیڑھ ہزار روپیہ) کا عطیہ دیتی ہے ۔ تعمیر کنندہ انجمن امداد باہمی کا ممبر ہو ۔ تو اس کی انجمن مکان کی
رقم برآورد کی اسی فیصدی رقم بیس سال کے لئے ۲½ فیصدی سے قرض دیتی ہے ۔ اگر ممبر چاہے
اس تو مکان بھی بنا کر دیتی ہے ۔ [illegible] تعمیر کرا لے ہے یا اور امداد باہمی کی مدد سے
مکانوں کا مسئلہ اس عمدگی سے حل ہو رہا ہے کہ اس کے علاوہ کوئی دوسری صورت خیال میں
نہیں آتی اگر لیبر گورنمنٹ انگلستان میں قائم ہو جائے (جس کے قرائن غالب نظر آرہے ہیں) تو
اس طرح تعمیر امکنہ کی اسکیم میں غیر معمولی وسعت یقینی ہے ۔ امداد باہمی کے زیر عمل جرمنی سوئیزرلینڈ
آئرلینڈ اور ڈنمارک میں برقی قوت بہم پہونچانے کی انجمنیں بکثرت قائم ہیں ۔ ڈنمارک کی مثال
قابل ملاحظہ ہے کہ اس ملک میں نہ کوئلہ پیدا ہوتا ہے نہ آبشاری قوت کا امکان ہے
مگر تمام ملک برقی روشنی سے روشن ہے ۔ کوئی کسان ایسا نہیں جس کے گھر میں برقی قوت
اور برقی روشنی نہ ہو ۔ ڈنمارک میں سرمایہ مشترک سے کام کرنے والی جماعتیں بھی ہیں ۔
جو برقی قوت کی سربراہی کرتی ہیں مگر "امداد باہمی" کی انجمنوں سے ان کا مقابلہ حیرت انگیز ہے
گراں کوئلہ سے ارزاں قوت برقی کی سربراہی محض امداد باہمی کے ذریعہ ممکن ہے ۔ مثلاً مشترکہ

سرمایہ کی برقی کمپنی دو لاکھ ہزار لیو خریداروں سے دو پیسہ تین آنہ قیمت لیتی ہے اور حلقہ اس کا لگارڈے کی انجمن امداد باہمی ممبروں سے صرف دو پیسہ دو یونٹ وصول کرتی ہے۔ اس ارزانی پر بھی وہ شتکار ممبروں کا یہ خیال ہے کہ برقی لہر کی قیمت گراں ہے کہ جنگ سے قبل صرف ایک آنہ فی یونٹ کی ہ... رح مقرر تھی بجلی کی طاقت پیدا کرنے میں ہوا کی چکی سے بھی بعض صورتوں میں ا... ردلی جاتی ہے جس سے انجمن کے صرفہ میں کمی ہو جاتی ہے۔ برقی طاقت کی ... ارزانی اور افراط اس وجہ پر ہے کہ ہر کسان کے گھر میں برقی طاقت سے چلا... ہے کی ایک چکی بھی موجود ہوتی ہے جس میں مویشی کے لئے مکائی وغیرہ دلی جاتی ہے۔ ڈنمارک میں ڈیڑھ سو کے قریب برقی قوت بہم پہونچانے والی انجمن ا... داد باہمی ہیں۔ آئرلینڈ شمال مغربی ویرانوں میں جہاں سطح زمین ... رین کو کاشت کے قابل بنانے کے لئے غیر معمولی مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ غریب کسان سطح زمین کے قریب ترحصہ کو اینٹوں کی شکل میں تراشتے ہیں اور مکانوں کو گرم کرنے کے لئے آتشدان میں جلاتے ہیں جو شعل آگ کے جلتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ زمین میں کاربن کا حصہ غالب ہے اور یہی وجہ ہے کہ زمین کی بالائے تہ کو نکال کر نیچے کی تہ پر کاشت کی جاتی ہے۔ اونی پارچہ بافی یہاں کی گھریلو صنعت ہے۔ اس حصہ کے بسنے والے باوجود قدرتی بے... کے مقامی ساہوکاروں کے ہاتھوں بڑی بے دردی سے نچوڑے گئے تھے۔ ان لوگوں کی بے بسی جب حد سے سوا ہو گئی تو سمی پیاٹرک گیا لہر نے اپنی جان پر کھیل کر موضع ڈنگلو میں انجمن امداد باہمی قائم کی جس کا ابتدائی سرمایہ پانچ روپیہ کے برابر ہوا تھا۔ اور اس سال قریب چار لاکھ کے اسی انجمن نے بیوپار کیا ہے زراعتی کاروبار کی ترقی کے سوا اس انجمن نے اس ویران حصہ کو برقی روشنی سے بھی روشن کر دیا ہے۔ ڈانگل کے ویرانوں میں سے گزر کر ڈنگلو کی آبادی کو دیکھئے تو بنگال یاد آجاتا ہے جیسے غیر آباد جنگلوں میں ایک

خوشحال آبادی سرکار ۔ اور عہدہ داروں کی کارگذاری سے ممکن ہوئی اس سے بہتر طور پر امداد باہمی کی قوت قدرتی مشکلوں کو فائدہ میں لاسکتی ہے۔ جس کی عملی مثال ڈنگلو میں نظر آتی ہے۔ موضع ڈنگلو کی آبادی پانچ سو نفوس پر مشتمل ہے۔ نئے نئے خوبصورت مکان اور نئی نئی سڑکیں ہیں۔ جو صاف ستھری موضع اچھی ہیں۔ اور گلیوں میں انجمن کی جانب سے عمدہ روشنی بھی ہوتی ہے۔ مسٹر گیا لہر کی صحبت ایسی امداد باہمی کی آبادی میں ایک امداد باہمی کے خواہاں ترقی کے لئے بہت حوصلہ افزا تھی قطع نظر عام امداد باہمی کے زراعت میں امداد باہمی ہمارے ملک کی مالی مشکلوں کو حل کرنے لئے ناگزیر ہے۔ ہم محض زراعت کے شہار پر زندہ ہیں زراعت کی تباہی ہو جائے تو عالم اسباب میں ہماری بے پناہی کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ہندوستان کا جینا مرنا زراعت پر موقوف ہے ملک انگلستان جو صنعت و تجارت کا ایک بڑا مالک و مختار ہے وہ بھی زراعت کی ترقی کے لئے ایڑیاں رگڑ رہا ہے۔ گذشتہ مضمون میں مسٹر اسکوتھنہ کی تقریر کا حوالہ دیا گیا تھا کہ وہ انگلستان کی زراعت میں امداد باہمی کی ترقی کے کوشاں اور مشتاق ہیں۔ ذیل میں مسٹر جانسٹین ممبر پارلیمنٹ کا قول درج کیا جاتا ہے "ہمارے لئے سب سے اہم ضروری اور لازمی پیشہ معیشت زراعت ہے۔ اگر ہماری زراعت تلف ہو جائے تو ہم سب تلف ہو جائیں گے"۔

میں اس تحریر کو توقع سوالات و اعتراضات اس سوال کے ساتھ ختم کرتا ہوں کہ آیا ایسی اور بھی کوئی تحریک سوائے "امداد باہمی" کے پیش کی جاسکتی ہے جو اچھی تعلیم کے ساتھ موجب فلاح و تجارت اہل زراعت اور دیگر اہل ملک کے لئے ہو۔ اور عدل و اخلاق کی ترقی کے ہمقدم ایسی مادی ترقی بھی حاصل ہو کہ جس کو لوگ فیاکٹریاں برقیاتی مصنوعات و عمارات سے تعبیر کریں۔

امداد باہمی کی مختصر تاریخ یہ ثابت کرتی ہے کہ ہر عامل پیدائش پر اس کا تدریجی

تسلط ہو رہا ہے اور دنیا کا سرمایہ کا ایک حصہ امداد باہمی آغوش عافیت میں
خاموشی کے ساتھ شرکاء کے لئے ، ولت آفرینی کر رہا ہے فقط

دیہی مدارس میں دستکاری

(MANUAL WORK)

گذشتہ نمبر میں ہم نے دیہی مدارس میں حساب کی تعلیم کے متعلق ایک مختصر مضمون لکھا تھا اب دستکاری کے تعلق چند خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔

(۱) دیہی مدارس کے نصاب میں دستکاری کا شامل کرنا ضروری ہے دوران تعلیم میں طلباء کے لئے دستکاری سے واقف ہونا اس لئے لازمی ہے کہ کمسنی سے ہی ان میں ایک قسم کی چالاکی پیدا ہو جائے اور آئندہ آسانی سے اس کام کو انجام دے سکیں دوسرے یہ کہ دستکاری سے بچوں کی احساس تعمیری کی نشو و نما ہو اگر یہ چیز صحیح طریقہ سے سکھائی جائے تو دوسرے نصابی مضامین کے تعلیم میں بھی مدد ہوتی ہے اور بچوں کو ان کے ماحول سے واقف اور مانوس کر دیتی ہے۔

(۲) چونکہ دیہی صنعتوں کا تعلق کم و بیش دستکاری سے ہوتا ہے دیہات میں مشین ابھی استعمال نہیں کئے جاتے اس لئے دستکاری کی تعلیم کمسن طلباء کے لئے ان کے ضروریات زندگی میں شامل ہے۔ بعض ماہرین کا خیال ہے کہ اگر ابتداء ہی سے دستکاری نہ سکھائی جائے اور لکھنے پڑھنے اور ڈرائنگ پر ہی اکتفا کیا جائے تو آئندہ چل کر طلباء میں دستکاری سے تنفر پیدا ہوتا ہے اور کسب معاش کے لئے درعوض دیہی مشاغل اختیار کرنے کے یہ ملازمت کے خواہاں ہو جاتے ہیں۔ ملازمت آسانی سے ملتی نہیں اور ان کو مشکلات اور صعوبات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

(۳) قیام مدارس کے قبل دیہاتی بچے اپنے والدین کے ساتھ ان کے پیشہ میں شریک رہا کرتے اور ان کا ہاتھ بٹاتے تھے اور اس طرح کسی نہ کسی دستکاری سے واقف ہو جایا کرتے تھے۔ جب سے مدارس قائم ہوئے اور بچے مدرسہ آنے لگے یہ بات مفقود ہو گئی اب اس کی تلافی صرف اس طرح ہو سکتی ہے کہ مدارس میں باضابطہ طور پر دستکاری کی تعلیم دیجائے۔ اگر عمدہ تعلیمی اصول کے تحت دستکاری مدارس میں شروع کی جائے تو طلباء کا مطمح نظر وسیع ہوگا ان کی قوائے دماغی کی نشو و نما ہوگی اور یہ آئندہ چل کر خود اپنے لئے اور ملک کے لئے مفید ثابت ہوں گے۔

پس مناسب ہوگا کہ ابتدائی تعلیم کا ایک اہم عنصر دستکاری قرار دیجائے اور اس کو تدریجی طور پر تمام زمانہ تعلیم ابتدائی میں حسب ذیل طریقہ پر جاری کیا جائے۔

ہم تین طبقوں پر تقسیم کی جائے۔

(الف) پہلا طبقہ ابتدائی سمجھا جائے جو صغیر السن اطفال کے لئے ہو یعنی دس سال کی عمر کے بچوں کے اس طبقہ میں جو کام کرایا جائے وہ زیادہ تر تحصیل کے طور پر ہو جس میں بچوں کو آزادی حاصل رہے کہ اپنی جدت طبع اور قوت متخیلہ سے بخوبی من مانے کام لے سکیں۔ جبر و اکراہ کا مطلق دخل نہ ہو۔

(ب) دوسرا طبقہ دس سال کے بعد سے شروع ہو کر ۱۴ سال پر ختم کیا جائے یہ طبقہ وسطی نہایت اہم ہے کیونکہ نو دس سال سے ۱۴ سال تک کا حصہ عمر کا ایسا ہوتا ہے کہ اس ہی میں طبائع اثرات قبول کرنے آمادہ رہتے ہیں اور جس چیز کی عادت انہیں ڈالدی جاتی وہ ہمیشہ کے لئے ان میں راسخ ہو جاتی ہے

(ج) تیسرا طبقہ ۱۴ سال کی عمر سے شروع ہو کر ۱۶ یا ۱۷ سال پر ختم ہوگا۔

(د) اب مسئلہ مابہ البحث یہ ہے کہ نصاب میں دستکاری کو کونسی جگہ دیجائے کیا وہ ایک علیحدہ مضمون نصاب ہو یا یہ کہ موجودہ مضامین تعلیمی جیسے حساب۔ تاریخ و جغرافیہ وغیرہ کے پڑھانے کا ایک طریقہ یا ایک جز قرار دیا جائے۔ ہمارے خیال میں دستکاری کی تعلیم ہر دو نقطہ نظر سے دیجائے یعنی بجائے خود ایک نصابی مضمون قرار دیا جائے اور اس کے ساتھ دوسرے مضامین کی تعلیم بھی اس کے ذریعہ وسیع اور دلچسپ بنائے جائیں۔ دیہی مدارس میں چونکہ اسٹاف کم ہوتا ہے اس لئے فی الحال یہ ممکن نہیں کہ اس سے عام مضامین تعلیمی یعنے تاریخ و جغرافیہ وغیرہ میں مدد لیجائے

اس لئے ایک علیحدہ مضمون کے طور پر اس کو سکھانا مناسب ہوگا۔

(۶) پہلے طبقہ میں اس کی ابتدا سکلے۔ ڈبگ۔ کاغذ کے نمونے بنانے سے ہو سکتی ہے اور طبقہ وسطیٰ میں۔ ٹوکریاں بنانا۔ بافندگی، باغبانی کا کام سکھایا جا سکتا ہے۔ اور آخری یعنے تیسرے طبقہ میں جلدسازی نجاری یا اور کوئی مقامی صنعت کی تعلیم دی جا سکتی ہے۔ لڑکیوں کے لئے جب تک کہ یہ پہلے اور دوسرے طبقہ میں ہوں وہی چیزیں سکھائی جائیں جو لڑکوں کے لئے ہوں البتہ تیسرے طبقہ میں نجاری وغیرہ کے عوض سوزن کاری۔ پکوان خانہ داری کی تعلیم دی جائے۔

سید محمد حسین

اردو کا ماہنامہ رسالہ شمع آگرہ

جنوری ۱۹۲۵ء سے شمع نہایت آب و تاب سے شائع ہو رہا ہے۔ لکھائی۔ چھپائی کاغذ غرض ہر لحاظ سے اپنی آپ نظیر ہے۔ ہر مضمون مہذب۔ محرک خیال اور معلومات جدیدہ کا بہترین نمونہ ہوتا ہے اور تاریخی سیاسی۔ اقتصادی و ادبی مضامین شائع ہوتے ہیں اس کے مقاصد علمی و ادبی ہیں۔ لائق مدیران شمع مسٹر محمد حبیب (اکن) بیرسٹرایٹ لا پروفیسر تاریخ مسلم یونیورسٹی علیگڈھ و مسٹر حسن عابد حسری (اکن) بیرسٹرایٹ لا آگرہ ہیں یہ حضرات بہترین تعلیمیافتہ ہونے کے علاوہ اعلیٰ درجہ کے نقاد اور ادیب ہیں اور فن اخبار نویسی سے واقف ہیں اور محض ادبی و علمی خدمت کی آرزو میں رسالہ کی ترتیب میں مصروف ہیں اس میں کوئی ذاتی فائدہ شامل نہیں اور نہ کسی تجارتی اصول پر اس کو پیش کرنا چاہتے ہیں۔

ہر ماہ میں پابندی وقت سے شائع ہوتا ہے۔ تصاویر بھی شائع ہوتی رہتی ہیں

حجم ۱۰۰ صفحہ قیمت سالانہ سے ۱ کلدار نمونہ کا پرچہ ۱۰ ار کلدار

المشتہر منیجر رسالہ شمع حسن منزل۔ شاہ گنج آگرہ

اشتہارات

مفتاح التعلیم
مولفہ
سید محمد حسین صاحب جعفری بی اے (اکن)

• اردو میں یہ پہلی کتاب ہے جس میں سہل زبان عام فہم پیرایہ میں یورپ کے جدید تر اصول وطریقہ تعلیم کنڈرگارٹن تحریر کئے گئے ہیں اور ایسے طریقہ پر بتلائے گئے ہیں جس کے مطابق تعلیم مدارس تحتانیہ اضلاع میں ہو سکتی ہے اس میں جابجا تصاویر سے مطلب واضح کیا گیا ہے قیمت فی جلد دو روپیہ سکہ عثمانیہ علاوہ محصول ڈاک۔

نوٹ ابتک دفتر رسالہ المعلم میں اس کتاب کے جتنے آرڈر آئے تھے وہ سب ہم نے سید عبدالقادر صاحب تاجر کتب چارمینار کو دیدئے ہیں۔ پس۔ براہ کرم دوکان مذکور سے اگر مفتاح التعلیم کی وی پی وصول ہو تو وراً واگذاشت فرمائی جائے۔

یہ امر واضح رہے کہ مفتاح التعلیم کے سابقہ دو ایڈیشن ختم ہو چکے اس لئے بروقت آرڈر کی تعمیل نہ ہو سکی اب تیسرا ایڈیشن چھپ چکا ہے اس لئے اب کتب مذکور کی ترسیل میں تعویق نہ ہوگی جس قدر نسخے مطلوب ہوں سید عبدالقادر صاحب تاجر کتب چارمینار حیدرآباد دکن سے طلب کیجئے۔

ڈرامہ اردو
مولفہ
بی عزیز الساحب جرم

یعنی مہاکوی کالیداس کے ایک مشہور ناٹک کا ترجمہ ایک بسیط مقدمہ میں ہندو ڈراما کی تاریخ اور نوعیت پر مفصل بحث کی گئی ہے قیمت فی جلد ایکروپیہ علاوہ محصول ڈاک

ہدایات برائے مدرسین
مولفہ
سید حسین صاحب جعفری بی اے (اکن)

جن معائنہ مدارس حتنی ہدایات دیجا سکتی ہیں وہ سب ایک کتاب کی صورت میں شائع کی گئی ہیں اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ اہم ترین اور معمولی ہر دو امور متعلق تفصیلی ہدایات درج ہیں قیمت فی جلد یکروپیہ علاوہ محصول ڈاک۔

تاریخ انگلستان
مولفہ
مسٹر فشر

ابتک اردو میں کوئی ایسی مختصر تاریخ انگلستان موجود نہیں تھی جس کے پڑھنے سے انگریزوں کے حالات معلوم ہو سکیں۔ یہ کتاب اگرچہ میٹرک کے نصاب میں داخل ہے ہر شخص اس سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے قیمت فی جلد ایکروپیہ بارہ آنہ سکہ عثمانیہ علاوہ محصول ڈاک

ملنے کا پتہ

دفتر رسالہ المعلم کوچہ چراغ علی حیدرآباد دکن

دی انڈین کوپریٹو انڈسٹریل سوسائٹی لمیٹڈ چاگھاٹ حیدرآباد دکن

قسم کی ملکی مصنوعات مجلدوں عمدہ کپڑا سوتی و اونی و ریشمی سنگاریدی کا شہور کپڑا نفیس اتنکی ہی بنی ہوئی کھادی
پائے دستیاں قمقاں بھی ہوئی و سادی چادریں وغیرہ بیدی سلان اقسم ہن۔ بروچ ڈبیاں کشتیاں وغیرہ وغیرہ چاندی کا سان
اقسم عطروان پاندان سگریٹ کیس کھیلوں کے انعامات مثلاً کپ شیلڈ وغیرہ استعری ہر قسم کا دیسی کاغذ پنسل اینکل کی
طرح طرح کی دواتیں کاغذ داب پن ریک وغیرہ نمونہ روانہ کرنے پر فہرست اشیائے قیمت لسکتی ہے۔

ایم نظام الدین اینڈ کو جنرل ایجنٹ

اخبار تعلیم لاہور

ہر قسم کے تعلیمی معاملات پر آزادانہ بحث کرنے والا مدرسین کا [illegible] مدگار حسان محکمہ تعلیم کا
خیر خواہ سررشتہ تعلیم کا مشیر ہر قسم کے علمی عملی اخلاقی طبی وغیرہ مضامین کا مخزن ہفتہ وار اخبار تعلیم لاہور سے
شائع ہوتا ہے قیمت سالانہ چار روپیہ ششماہی دو روپیہ آٹھ آنہ سہ ماہی ڈیڑھ روپیہ

منشی طالب علی بی اے پابند قریشی ایڈیٹر و اخبار تعلیم لاہور

رسالہ رہنمائے تعلیم لاہور

شمالی ہند کا نامی گرامی تعلیمی رسالہ بیس سال سے پوری شان و آب و شوکت کے ساتھ شہر لاہور سے شائع ہو رہا ہے
اسکی خوبیاں اسکے مطالعہ سے ظاہر ہو سکتی ہیں قیمت سالانہ تین روپیہ سکہ کلدار عجم ماہانہ (۱۲۰) صفحہ ملنے کا پتہ
ماسٹر جگت سنگھ پروپرائیٹر رسالہ رہنمائے تعلیم لاہور

سررشتہ تعلیمات

کی ہر جماعت کے جملہ کتب نصاب خلاصہ جات و کتب انعامی۔ اردو۔ فارسی۔ عربی انگریزی پنسلیں ربڑ

ڈرائنگ و تصاویر

جو بچوں کی ابتدائی تعلیم اور ڈرائنگ کے عملیات کے لئے مفید و کارآمد ہیں کتب ڈرائنگ کاپیاں
وکپاس و تصاویر بنانے کے سانچے وغیرہ

نقشہ جات

ہندوستان ایشیا یورپ افریقہ امریکہ ہر دو موجود ہیں جن کی نہایت واجبی قیمت ہے تفصیل کے لئے
کتب خانہ ہذا کی فہرست کتب منگا کر ملاحظہ فرمائی جائے۔

المشتہر سید عبدالقادر تاجر کتب و پبلشر و مالک اعظم اسٹیم پریس چاملیا حیدرآباد دکن

المعلم جرا ۳۷۰۵

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائے گا۔